مرغوب الفقہ

۱۰

کتاب العلم

از

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر

جامعۃ القراءات، کفلیتہ

مرغوب الفقہ ج:۱۰

کتاب العلم

علم کے موضوع پر مفید اور کارآمد: ۱۳؍درج ذیل رسائل کا عمدہ مجموعہ:

حدیث اور سنت میں فرق	بحث ونظر بر نقد ونظر ..	الرسالة فی تحقیق احادیث الثلا ثة..
مقدمہ: اصول حدیث...	مقدمہ: اصول فقہ....	مقدمہ: اصول سیرت..................
مقدمہ: اصول فرائض...	مقدمہ: اصول صرف.	مقدمہ: اصول عقائد.....................
السکینة . | مرغوب المقالة..	نااہل کی تقرری وترقی ...	تنخواہ کا معیار بڑھائیے...

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعة القراءات، کفلیة

اجمالی فہرست رسائل

۱	حدیث اور سنت میں فرق........................	۲۲
۲	بحث ونظر بر نقد ونظر....................	۶۶
۳	الرسالة فی تحقیق احادیث الثلا ثة..........	۹۹
۴	مقدمہ: اصول حدیث....................	۱۲۵
۵	مقدمہ: اصول فقہ.....................	۱۴۲
۶	مقدمہ: اصول سیرت....................	۱۵۸
۷	مقدمہ: اصول فرائض..................	۱۷۸
۸	مقدمہ: اصول صرف...................	۲۰۰
۹	مقدمہ: اصول عقائد....................	۲۱۵
۱۰	السکینة علی تنقید السفینة.............	۲۳۴
۱۱	مرغوب المقالة علی تشبیه المائدة.........	۲۶۰
۱۲	نا اہل کی تقرری وترقی....................	۲۸۲
۱۳	تنخواہ کا معیار بڑھائیے....................	۳۰۱

فہرست رسالہ ’’حدیث اور سنت میں فرق‘‘

عرض مرتب	۲۳
تقریظ از: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہم	۲۵
اہل سنت والجماعت کی بنیاد کینہ پر نہیں	۲۶
محدث اور فقیہ میں فرق کی مثال	۲۶
عادت اور ضرورت کے فرق کی مثال	۲۷
حدیث کی تعریف	۲۷
سنت کی تعریف	۲۹
حدیث اور سنت میں نسبت	۳۰
سنت کی اتباع کا حکم ہے حدیث کا نہیں	۳۰
سنت کی اتباع کا حکم	۳۱
چند مثالیں: حدیث ہیں مگر سنت نہیں	۳۵
وضو کے بعد بیوی کا بوسہ لینا حدیث ہے سنت نہیں	۳۵
روزہ کی حالت میں بوسہ لینا‘ حدیث ہے سنت نہیں	۳۵
روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا‘ حدیث ہے سنت نہیں	۳۵
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کا عجیب جواب	۳۵
حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ذہانت	۳۶
آپ ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا حدیث ہے سنت نہیں	۳۷
جوتا پہن کر نماز پڑھنا حدیث ہے سنت نہیں	۳۸

آپ ﷺ کا منبر پر نماز پڑھنا حدیث ہے سنت نہیں....................	۳۹
بچے کو اٹھا کر نماز پڑھنا حدیث ہے سنت نہیں....................	۴۰
مسجد میں بچوں کو لانا حدیث ہے سنت نہیں....................	۴۰
ایک کپڑے میں نماز پڑھنا حدیث ہے سنت نہیں....................	۴۱
عیدگاہ میں قربانی کرنا حدیث ہے سنت نہیں....................	۴۲
تین قسم کی روایتیں حدیث ہیں سنت نہیں....................	۴۳
پہلی قسم: منسوخ، اوراس کی تین مثالیں....................	۴۳
ما مست النار سے وضو کا حکم حدیث میں ہے مگر وہ منسوخ ہے..............	۴۳
نماز میں بات کرنا جائز تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا....................	۴۴
((اذ صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون)) حدیث ہے مگر منسوخ ہے	۴۶
حدیثوں میں نسخ کا علم تین طرح سے ہو گا....................	۴۷
دوسری قسم: خصوصیت اوراس کی پانچ مثالیں....................	۵۰
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور صحابہ کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرنا خصوصیت ہے سنت نہیں....................	۵۰
آپ ﷺ کا صوم وصال رکھنا خصوصیت ہے، سنت نہیں....................	۵۰
ہر حالت میں قربانی کا وجوب حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے.....	۵۱
نو ماہ کے بکرے کی قربانی کا جائز ہونا خصوصیت ہے سنت نہیں..............	۵۱
آپ ﷺ کا چار سے زائد نکاح فرمانا خصوصیت ہے، سنت نہیں..........	۵۲
تیسری قسم: مصلحت اوراس کی دو مثالیں....................	۵۳

آپ ﷺ کا کھڑے ہوکر پیشاب فرمانا مصلحتاً تھا....................	۵۳
مغرب سے پہلے نفلیں پڑھنا مصلحتاً تھا، سنت نہیں....................	۵۳
خلفاءراشدین رضی اللہ عنہم کی سنتیں....................	۵۴
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت....................	۵۴
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت....................	۵۵
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت....................	۵۶
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت....................	۵۶
تتمہ....................	۵۸
سنت پر عمل کرنے والا ہدایت یافتہ ہے....................	۵۸
سنت کو لازم پکڑو تمہاری حکومت قائم رہے گی....................	۵۸
سنت کا مفہوم....................	۵۹
لفظ سنت کا استعمال....................	۶۰
حضور ﷺ کی زبان مبارک سے....................	۶۱
سنت کی نسبت دوسرے صحابہ کی طرف....................	۶۲
لفظ سنت کا استعمال صحابہ کی زبان سے....................	۶۳
سنت اور حدیث میں فرق....................	۶۴
مراجع....................	۶۵

فہرست رسالہ ’’بحث ونظر بر نقد ونظر‘‘

عرض مرتب	۶۷
کیا کسی کے رد میں فوراً رسالہ شائع کر دینا مناسب ہے؟	۶۸
ہم مسلک اور گمراہوں کے رد میں فرق نہیں ہونا چاہئے؟	۶۹
مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا قادیانیت کے رد میں بھی ناصحانہ طرز	۶۹
حدیث اور سنت میں فرق نہ ہو تو کیا ان احادیث پر عمل کیا جائے گا؟	۷۰
کھڑے ہو کر پانی پینا حدیث ہے‘ سنت نہیں	۷۱
وضو میں اعضاء کو ایک بار دھونا‘ دو بار دھونا حدیث ہے سنت نہیں	۷۳
فجر کی سنت پڑھ کر لیٹنا حدیث ہے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ’’سنت نہیں‘‘	۷۵
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حدیث کو سنت سمجھنے پر سخت تنبیہ فرمانا.....	۷۶
صحیح حدیث ہوتے ہوئے بھی اس کی سنت کا کوئی قائل نہیں	۷۶
سنت پر موت وحیات کی دعا منقول ہے‘ حدیث پر نہیں	۷۷
اختلافی احادیث میں جو کتاب اللہ اور سنت کے موافق ہوں وہ میری ہیں.....	۷۹
سنت اور حدیث کا فرق‘ محاضرات حدیث سے	۸۰
محدثین کا یہ جملہ ’’یہ حدیث قیاس‘ سنت اور اجماع کے خلاف ہے‘‘ حدیث اور سنت کے فرق کی دلیل ہے	۸۱
سنت وحدیث کی تعریف میں فرق پر اکابر کی عبارتیں	۸۲
امام عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ حدیث اور سنت کے فرق کے قائل ہیں......	۸۳

سنت تو وہی ہے جس پر آپ ﷺ نے ہمیشہ عمل فرمایا..........................	۸۵
سنت وحدیث کا فرق صرف اصطلاحی نہیں' بلکہ عملاً بھی ہوگا.....................	۸۶
امام بخاری رحمہ اللہ کا سنت کی اصطلاح استعمال کرنا............................	۸۷
کیا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم حدیث کو حجت نہیں مانتے؟.........	۸۸
حدیث کی حجیت پر مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم کی تحریر................	۸۹
کیا حدیث اور سنت میں فرق کرنے والے مفتی سعید صاحب اکیلے ہیں......	۹۲
اہل حدیث عالم کا بیان کہ: حدیث اور سنت کے فرق نے ہماری کمر توڑ دی...	۹۳
علامہ خالد محمود صاحب مدظلہم بھی حدیث اور سنت کا فرق کرتے ہیں...........	۹۳
سنت کا مفہوم...	۹۵
حدیث پر عمل کے لئے اور بھی شرائط ہیں..	۹۷

فہرست مضامین ’’الرسالة فی تحقیق احادیث الثلاثة‘‘

عرض مرتب	۱۰۰
تقریظ: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی قاسمی مدظلہ	۱۰۱
((علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل)) حدیث ہے؟	۱۰۲
غرض تحریر	۱۰۳
محدثین کی تصریحات	۱۰۳
((حب الوطن من الایمان)) حدیث ہے؟	۱۰۷
محدثین کی تصریحات	۱۰۷
مکہ مکرمہ سے آپ ﷺ کا خطاب	۱۰۹
مکہ مکرمہ سے آپ کا خطاب، ﴿لرادک الی معاد﴾ کا شان نزول	۱۱۱
تین حیوانوں میں تین خصلتیں	۱۱۲
آدمی کے پہچان کی علامتیں	۱۱۲
حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ کا فتوی	۱۱۳
((خیر القرونی قرنی)) حدیث کے الفاظ ہیں؟	۱۱۴
تحقیق کی وجہ	۱۱۴
اہل علم اور ارباب افتاء کی صراحت	۱۱۴
دوسرے الفاظ سے یہ حدیث ثابت ہے	۱۱۴
’’خیر القرونی‘‘ کے الفاظ ثابت نہیں	۱۱۷
شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی تحقیق	۱۱۷

خطبہ میں حدیث سے ثابت شدہ الفاظ ہی پڑھنے چاہئے	۱۱۷
ارباب افتاء کے فتاوی	۱۱۸
مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ کا فتوی	۱۱۸
دارالعلوم دیوبند کا فتوی	۱۱۹
دارالعلوم کراچی کا فتوی	۱۱۹
مظاہرعلوم سہارنپور (وقف) کا فتوی	۱۲۰
مظاہرعلوم سہارنپور کا فتوی	۱۲۱
حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کی تحقیق	۱۲۲

فہرست رسالہ:’’مقدمہ:اصول حدیث‘‘

لفظ’’مقدمہ‘‘ کی تحقیق اور چند بحثیں	١٢٦
اصول حدیث کی تعریف	١٢٩
اصول حدیث کا موضوع وغرض اور غایت	١٣٠
اصول حدیث کی تدوین	١٣٠
’’نخبة الفکر‘‘ کی اہمیت اور ایک افسوس ناک پہلو	١٣٢
’’نخبة الفکر فی مصطلح اھل الاثر‘‘ کا معنی	١٣٢
شروح وحواشی’’ نخبة الفکر‘‘	١٣٣
’’سلعة القربة‘‘ وقیع اور قابل قدر شرح ہے اور اس پر کام کی ضرورت	١٣٥
مصنف نخبہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے مختصر حالات	١٣٧

فہرست ''مقدمہ: اصول فقہ''

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند بحثیں	۱۴۳
اصول فقہ کی حیثیت	۱۴۶
اصول فقہ کی تعریف	۱۴۶
اصول فقہ کا آغاز	۱۴۶
تاریخ اسلام کے سب سے پہلے فقیہ اور اصولی حضرت محمد ﷺ ہیں	۱۴۷
اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف	۱۴۷
''الرسالۃ'' کا تعارف اور اس میں استحسان پر رد	۱۴۸
اصول فقہ کی چند مشہور کتابیں	۱۴۹
''اصول الشاشی'' کی مقبولیت واہمیت	۱۴۹
''اصول الشاشی'' کے مصنف کون ہیں؟	۱۴۹
''اصول الشاشی'' کی شروح وحواشی	۱۵۲
''مسلم الثبوت'' کی مقبولیت واہمیت	۱۵۳
''مسلم الثبوت'' کے حواشی وشروح	۱۵۳
صاحب مسلم الثبوت کے مختصر حالات	۱۵۵
ولادت......نام......تعلیم وعہدے......یادداشت	۱۵۵
تصانیف	۱۵۶
مأخذ ومراجع	۱۵۷

فہرست رسالہ: ''مقدمہ: اصول سیرت''

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند مفید بحثیں	۱۵۹
سیرت اور علم سیرت	۱۶۲
سیرت نگاری کا سلسلہ پہلی صدی سے شروع ہوا	۱۶۴
سیرت کے معنی	۱۶۴
علم سیرت ایک وسیع اور جامع علم ہے جس کے بہت سے شعبے ہیں	۱۶۴
سیرت نگاروں کی محنت پر قربان	۱۶۴
سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے	۱۶۵
سیرت پر سب سے پہلے کام حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کیا	۱۶۶
سیرت کی بنیادی چار کتابیں	۱۶۶
محمد بن اسحاق (حاشیہ)	۱۶۶
محمد بن عمر واقدی (حاشیہ)	۱۶۷
محمد بن سعد (حاشیہ)	۱۶۷
''تاریخ حبیب'' انڈمان کی جیل میں محض اپنی یادداشت سے لکھی گئی	۱۶۸
انگلستان میں سیرت پر انگریزی میں ایک جامع کتاب	۱۶۸
سیرت پر ماضی قریب کی چار مشہور کتابیں	۱۶۸
اصحاب سیرۃ اور اصحاب حدیث میں فرق	۱۶۹
''قصص النبیین'' کی تالیف کا سبب	۱۷۱
مولانا عبدالماجد دریابادی کا دینی غیرت پر مشتمل گرامی نامہ	۱۷۱

تصنیف کی ابتدا، اور اس میں انہماک	۱۷۲
''قصص النبیین'' میں چار باتوں کا خاص التزام	۱۷۲
بچوں کا علم کلام تیار ہو گیا	۱۷۳
اس کتاب کے ذریعہ بچوں کا علم کلام تیار ہو گیا	۱۷۳
''مسک الختام'' سے اختتام	۱۷۴
مدارس، اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں	۱۷۵
عصبیت بڑے بڑے حقائق پر پردہ ڈال دیتی ہے	۱۷۵
ذریعہ مغفرت اور ذخیرۂ آخرت	۱۷۶
سید قطب کا اعتراف و تأثر	۱۷۶

فہرست ''مقدمہ: اصول فرائض''

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند بحثیں	۱۷۹
علم فرائض کی تعریف......موضوع......غرض وغایت	۱۸۲
غرض وغایت کسے کہتے ہیں......اس فن کا نام ''علم فرائض'' کیوں رکھا گیا؟..	۱۸۳
علم فرائض کی تدوین اور چند مشہور اور مفید کتابیں	۱۸۳
علم فرائض کی اہمیت	۱۸۶
علم فرائض کی تاکید کی وجہ......علم فرائض کے فضائل......علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں...	۱۸۷
علم فرائض کو نصف علم فرمایا، اس کی چند وجوہ ہیں	۱۸۸
فرائض کا علم سیکھو، اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا ایک ضروری علم ہے..........	۱۹۱
جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرہ کا سر..........	۱۹۲
وہ عالم جو فرائض نہ جانتا ہو ایسا ہے جیسا کہ بے سر کے ٹوپی	۱۹۲
علم فرائض کے سب سے بڑے عالم	۱۹۳
علم فرائض پر ایک منظوم رسالہ	۱۹۴
سراجی اور صاحب سراجی	۱۹۵
کتاب میں قابل لحاظ امور......اصطلاحی الفاظ کی تحقیق	۱۹۵
اسلوب مسائل	۱۹۶
مفتی بہ اقوال کا اہتمام......مسائل کا استیعاب	۱۹۷
حساب کی طرف توجہ	۱۹۸
فقہاء کے درمیان مقبولیت	۱۹۹

فہرست ''مقدمہ: علم صرف''

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند مفید بحثیں	۲۰۱
علم صرف کی لغوی واصطلاحی تعریف	۲۰۴
تعریف کا حاصل (حاشیہ)	۲۰۴
علم صرف کا موضوع	۲۰۵
علم کی غرض وغایت	۲۰۵
علم اشتقاق کی تعریف (حاشیہ)	۲۰۵
علم صرف کی تدوین	۲۰۶
فن صرف کا مدون اول	۲۰۶
مازنی کے مختصر حالات (حاشیہ)	۲۰۶
معاذ بن مسلم الہراء کے مختصر حالات (حاشیہ)	۲۰۶
صرف کی عمدہ اور مشہور کتابیں	۲۰۹
صرف کی داخل درس کتابیں	۲۱۰
علم صرف کی اہمیت	۲۱۰
علم صرف کا فقہ سے تعلق اور ایک دلچسپ مسئلہ	۲۱۳
مأخذ ومراجع	۲۱۴

فہرست رسالہ:’’مقدمہ:علم عقائد‘‘

لفظ’’مقدمہ‘‘ کی تحقیق اور چند مفید بحثیں	۲۱۶
مقدمہ:علم الکلام یا عقائد	۲۱۹
بغیر تصحیح عقائد کے ایمان کی حفاظت مشکل ترین امر ہے	۲۱۹
عقائد میں غلطی کرنے والوں کی مثال	۲۱۹
حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا اپنی اولاد کو اصلاح عقیدہ کی وصیت کرنا..	۲۲۰
قرآن کے مضامین میں ایک اہم مضمون عقائد کا ہے	۲۲۲
عقائد پر چند مفید کتابیں	۲۲۲
العقائد النسفیہ	۲۲۳
مدارس میں موجودہ دور کے گمراہ فرقوں کے عقائد اور ان کے رد کی کتابیں پڑھانی چاہئے	۲۲۳
کلام وعقائد کی لغوی واصطلاحی تعریف	۲۲۴
کلام وعقائد کی وجہ تسمیہ	۲۲۵
کلام وعقائد کا موضوع	۲۲۶
کلام وعقائد کی غرض وغایت	۲۲۶
تدوین علم کلام	۲۲۶
امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (حاشیہ)	۲۲۷
علم کلام اور اس کی ضرورت	۲۲۹
کتب کلام وعقائد	۲۳۱

فہرست رسالہ ''السکینة علی تنقید السفینة''

پیش لفظ..	۲۳۵
''سفینة '' کا جامعہ کے نصاب سے نکالنا غیر مناسب ہے..................	۲۳۶
کیا نیا انداز' آسانی اور تمرینات کی کثرت لادینی کا طریقہ ہے؟..............	۲۳۶
امام بخاری کا ''جَسَدًا'' کی تفسیر شیطان سے کرنا........................	۲۳۷
''طحاوی'' میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق ذبیح ہونے کی روایت.....	۲۳۸
جلالین میں ''تلک الغرانیق العلی'' والی روایت موضوع ہے...............	۲۳۸
''ان هذا العلم دين'' کا مطلب سمجھنے میں کچھ چوک ہوگئی..................	۲۳۹
''المنجد'' بھی غیر کی کتاب ہے..	۲۴۰
''المعجم المفهرس 'مفتاح كنوز السنة'' کیا کسی مسلمان کی ہیں؟........	۲۴۰
میبذی' کافیہ' شرح جامی' بیضاوی' مختصر المعانی' حسامی' سب آسان ہیں؟.....	۲۴۱
سفینہ کے عیوب ونقائص کی حقیقت..	۲۴۱
سفینہ پڑھے بغیر بعض ندوی وقاسمی فضلاء کا گمراہ ہونا........................	۲۴۲
''سفینہ'' میں بسم اللہ نہ لکھنے پر اعتراض کا جواب............................	۲۴۳
خلق الانسان على صورته' بھی قابل اعتراض نہیں................................	۲۴۳
''لقد نطقت بطلاً على الاقارع'' پر حاشیہ عجیب ہے............................	۲۴۴
''سفینہ'' پر ایک بیجا اعتراض..	۲۴۵
''حماسة'' میں کفار کا کلام ہے.....مدعی نبوت متنبّی کی کتاب....................	۲۴۵
حضرت بنوری رحمہ اللہ کا ''سفینہ'' پڑھانا..	۲۴۶

فراءؔ صاحب کشاف معتزلی، ملا حمد اللہ صاحب صدراؔ طوسی شیعہ، بوعلی سینا صاحب سبعہ معلقہ وغیرہ کی کتابیں داخل نصاب کیوں؟........................	۲۴۷
مدارس میں کتب کی قلت کا علاج کسی کتاب کو نصاب سے نکال دینا نہیں.....	۲۵۰
اصطلاحی تعریف کرنے میں کیا نقص ہے؟........................	۲۵۰
معترض بخاری، طحاوی، مشکوۃ، نورالایضاح، شامی میں نقص نکال لے گا.......	۲۵۱
کیا ’’بخاری شریف‘‘ میں تسامح نہیں؟........................	۲۵۲
’ابوداؤد شریف‘‘ میں آیت کا قراءت متواترہ کے خلاف ہونا...........	۲۵۴
’’سفینۃ البلغاء‘‘ اور’’ دروس البلاغۃ‘‘ کا موازنہ...........	۲۵۵
آخری گذارش........................	۲۵۶
’’سفینۃ البلغاء‘‘ کی خوبیاں........................	۲۵۸
’’سفینۃ البلغاء‘‘ نصاب میں داخل کرنے والے اکابر...........	۲۵۸
’’سفینۃ البلغاء‘‘ اہل علم کی نظر میں........................	۲۵۹
حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمہ اللہ کی نظر میں...........	۲۵۹
حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی نظر میں...........	۲۵۹
حضرت مولانا ایوب بندالہی صاحب دامت برکاتہم کی نظر میں...........	۲۵۹
مولانا مفتی رشید احمد فریدی صاحب مدظلہ کی نظر میں...........	۲۵۹

فہرست رسالہ ’’مرغوب المقالة علی تشبیه المائدة ‘‘

کسی کام میں فائدہ اور نقصان دونوں ہوں تو نقصان دیکھتے ہوئے اس کو ترک کردینا ضروری ہے	۲۶۱
حج فلم پر اکابر کی تنقید	۲۶۲
حج کی نقل اتارنے پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی	۲۶۳
’’تعریف‘‘ یعنی عرفات کے دن جمع ہونا بدعت ہے	۲۶۳
خانۂ کعبہ کا ماڈل بنانا مناسب نہیں	۲۶۶
تعزیہ بنانے اور براق کی تشبیہ بنانے پر حضرات علماء کی سخت نکیر	۲۶۶
’’آستانہ سرور عالم‘‘ کے نام سے عمارت بنانا بدعت، گمراہی اور فتنہ ہے	۲۶۷
مائدہ کی نقل کا ایک نقصان ......کیا اسلاف سے ایسا عمل ثابت ہے؟	۲۶۷
آپ ﷺ کے موئے مبارک اور نعل مبارک کے متعلق اکابر کی رائے	۲۶۸
کل کوئی ’’من وسلوی‘‘ کی نقل اتار کر اپنی تجارت کو فروغ دے گا	۲۶۹
کل کوئی آپ ﷺ کے دسترخوان کی نقل اتار کر گوہ رکھے گا	۲۷۰
فقہاء نے بعض اوقات ذکر کو بھی ممنوع فرما دیا	۲۷۱
جو چیز ناجائز تک پہنچائے وہ بھی ناجائز ہے	۲۷۲
آخرت کی اشیاء کی تصویر سازی میں ایک شناعت اس کی اہانت کی ہے	۲۷۴
مائدہ کی تفسیر میں صحیح روایت ’’ترمذی شریف‘‘ کی ہے	۲۷۴
مائدہ کی تفسیر میں تفصیلی روایت	۲۷۵
آپ کی بنائی ہوئی شکل میں نقائص	۲۷۵

فہرست رسالہ ''نا اہل کی تقرری وترقی''

آمدم برسر مطلب	۲۸۷
ارباب اہتمام کا نا اہل کو مدرس تقرر کرنا اور نا اہل کو ترقی دینا	۲۸۹
نا اہل کو عہدہ دینے والا لعنت اور مستحق جہنم ہے،نہ اس کا فرض مقبول نہ نفل	۲۹۱
نا اہل کو عہدہ دینے والا اللہ ورسول اور سارے مسلمانوں کا خائن ہے	۲۹۲
صلاحیت کے بغیر ذمہ داری کو قبول کرنے والا جہنمی ہے	۲۹۲
کام اہل کے سپرد کیا جائے۔ نا اہل کو ترقی دینا خیانت ہے، قیامت کی علامت ہے،اس پر مواخذہ ہوگا	۲۹۳
ترقی خوشامد پر موقوف	۲۹۴
حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ارشاد: جو آدمی کسی عہدے پر رہا ہو وہ مجھے کفن نہ دے	۲۹۵
ایک تعجب خیز رویہ: استاذ اگر مہتمم سے بیعت نہ ہو مصیبت	۲۹۶
مدرسہ مہتمم کے بیٹے کی گویا جائداد ہوگئی	۲۹۷
حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کا اہل استاذ سے حصول علم کی درخواست کرنا	۲۹۷
نا اہل کو بڑا بنایا جائے گا تو علم کمینوں میں ہی رہے گا	۲۹۸
قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ علم چھوٹوں کے پاس تلاش کیا جانے لگے گا	۲۹۸
علم، اہل سے حاصل کرنا خیر پر رہنے کا ذریعہ ہے	۲۹۹
صحابی کی انتقال کے وقت اہل سے علم حاصل کرنے کی وصیت	۲۹۹
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہر فن کے لئے، اہل کے پاس حصول علم کے لئے بھیجنا	۲۹۹
سفارش سے مدرس بننے والے اساتذہ کا حال، بقلم حضرت شیخ رحمہ اللہ......	۳۰۰

فہرست رسالہ ’’تنخواہ کا معیار بڑھائیے‘‘

تقریظ از: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی مدظلہم	۳۰۲
آمدم برسر مطلب	۳۰۶
اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کی سخت ضرورت	۳۰۸
قوم کے پیسوں سے تنخواہ دینے میں بخل کیوں؟	۳۰۸
اساتذہ کی غربت کا حال	۳۰۹
خلفاء راشدین کا وظائف اور تنخواہ دینے کے بارے میں عمل	۳۰۹
تنخواہ باعتبار صلاحیت وقابلیت کے ہو، نہ کہ باعتبار اہل وعیال	۳۱۳
تنخواہ کے بارے میں چند اکابر کے ارشادات	۳۱۳
زائد تنخواہ کی وجہ سے مدرس کا دوسری جگہ جانا	۳۱۵
حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا فتوی	۳۱۶
حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم کا فتوی	۳۱۷
جامعہ علوم القرآن جمبوسر اور ان کے ذمہ دار حضرات مبارکبادی کے مستحق ہیں	۳۱۸
اتنی بھی کم نہ دے کہ مری شب بسر نہ ہو	۳۱۸
تنخواہ کی زیادتی کی درخواست دینا سنت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے	۳۱۹

حدیث اور سنت میں فرق

ازافادات:

مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری	و	مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی

اس رسالہ میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ کی تحریرات کا خلاصہ کہ:- حدیث اور سنت میں فرق ہے-کومختلف مثالوں سے آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اس دورفتن میں سب ہی حضرات کے لئے اس کا مطالعہ انشاءاللہ بہت ہی مفید ونافع ہوگا۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

عرض مرتب

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلوه والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى اٰله واصحابه واهل بيته اجمعين ، اما بعد:

محض اللہ تعالی کے فضل وکرم سے طلبہ کی ایک مختصر سی جماعت کو ’’جلالین شریف‘ مشکوۃ شریف‘ طحاوی شریف‘ مسلم شریف‘ ترمذی شریف‘ بخاری شریف‘‘ وغیرہ عظیم کتابوں کے پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔کئی سالوں کی محنت کے بعد اس جماعت نے ’’بخاری شریف‘‘ کی آخری حدیث کے اختتام پر ایک جلسہ کا پروگرام بنایا تو استاذ محترم حضرت مولانا محمد ایوب صاحب سورتی دامت برکاتہم (خلیفۂ مجاز: محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ) کو دعوت دی کہ حضرت مولانا آخری حدیث کا درس دے کر ’’بخاری شریف‘‘ کی تکمیل فرمادیں ، چنانچہ مؤرخہ: ۱۷ر رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۷ر مئی ۲۰۱۳ء بروز پیر کو یہ بابرکت جلسہ منعقد ہوا،اس میں حضرت کے درس سے پہلے راقم نے ’’حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے‘‘ کے موضوع پر تقریبا آدھ پون گھنٹہ بات کی،جلسہ کے بعد بہت حضرات نے اس کی پسندیدگی کا اظہار کیا اوراس کو رسالہ کی شکل میں ترتیب دینے پر زور دیا،بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ تو اردو میں ترتیب دے‘ ہم اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ کریں گے،کہ اس موضوع کو آج کے اس دور پرفتن میں عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ان حضرات کے اصرار پر یہ مختصر رسالہ ترتیب دیا گیا ہے۔

اس وقت ایک جماعت غلط فہمی یا ضد کی بنا پر فقہ سے متنفر ہوکر فقہاء امت سے نہ صرف بدظن ہورہی ہے بلکہ مجتہدین پر طعن وتشنیع کرکے اپنی عاقبت بھی خراب کررہی ہے۔انشاء

اللہ اس رسالہ کو خالی الذہن ہو کر پڑھے تو اس غلط فہمی سے نجات حاصل کر کے اہل سنت والجماعت سے اپنا دامن جوڑ کر دارین کی کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہے۔

یہ رسالہ درحقیقت دو بزرگوں کے مواعظ وتحریروں کا خلاصہ ہے: ایک حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم (شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) اور دوسرے مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ۔ راقم نے ان ہی کے علمی افادات کو چند مثالوں کے اضافے اور نئی ترتیب وعناوین سے مزین کر کے مرتب کیا ہے۔

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم کا مضمون ان کے ''بخاری شریف'' کے درسی افادات ''تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری'' جلد اول از ص:۵۲/اور ان کے مواعظ ''علمی خطبات'' جلد اول ص:۶۲/ میں شائع شدہ ہے۔ اور حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب رحمہ اللہ کا ایک وعظ اس موضوع پر ''حدیث اور سنت میں فرق'' کے نام سے ایک مختصر رسالہ کی شکل میں مطبوعہ موجود ہے۔

اللہ تعالی اس حقیر خدمت کو شرف قبولیت سے نواز کر جس مقصد کے لئے اس کو جمع اور شائع کیا جارہا ہے اس مقصد میں نافع اور کارآمد بنائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ، مطابق جون ۲۰۱۳ء

بروز شنبہ

تقریظ از:

حضرۃ الاستاذ مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ، آزادویل، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدا و مصلّیا ومسلّما

''حدیث اور سنت میں فرق''۔ تالیف مولانا مرغوب احمد لاجپوری سلمہ

مقیم ڈیوزبری۔ یوکے

کتاب شروع سے آخر تک پڑھی۔ مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ اور مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

امید ہے کہ اس سے غلط فہمی دور ہوگی اور غیر مقلدین جو لوگوں کو''حدیث'' کے لفظ سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی چال میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے،انشاء اللہ تعالی۔

مثالوں سے بات اور واضح ہوگئی ، اب لوگ غیر مقلدین کو جواب دے کر خاموش کرسکتے ہیں۔وما علینا الا البلاغ المبین۔

فضل الرحمٰن اعظمی

آزادویل......جنوبی افریقہ

۱۸؍شعبان ۱۴۳۴ھ ۲۷؍جون ۲۰۱۳ء

اہل سنت والجماعت کی بنیاد کینہ پرنہیں

ایک دن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ: آپ کی سنت کیا ہے؟ فرمایا: ''میری سنت یہ ہے کہ سینہ کنیہ سے پاک ہو''۔الحمد للہ ہم اہل سنت والجماعت کی ہزاروں خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ ہمارے مسلک کی بنیاد کینہ پرنہیں ہے۔ دنیا میں ایک قوم وہ ہے، جن کے دلوں میں انبیاء علیہم السلام سے بغض ہے، ایک فرقہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظن ہے، ایک جماعت فقہاء عظام سے متنفر ہے، ایک گروہ محدثین سے بیزار، ایک طبقہ کو اولیاء اللہ سے حسد۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ ہمارے ایمان کی بنیاد ہی یہ ہے کہ: حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اللہ تعالی کے برگزیدہ اور معصوم بندے ہیں، صحابۂ کرام کے بارے میں ادنی کدورت ایمان سے محرومی کا سبب ہے، فقہاء عظام، محدثین امت اور اولیاء کی محبت سے ہمارے قلوب پُر ہیں، اور ان کے بارے میں بدزبانی اور بدکلامی سے ایمان کے ضیاع کا خطرہ ہے۔

محدث اور فقیہ میں فرق کی مثال

فقہاء اور محدثین یہ دو جماعتیں ہیں، جنہوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد دین کی عظیم ومثالی خدمت کی۔ ان دو جماعتوں کے فرق کو ایک آسان مثال سے سمجھئے! متکلم غصہ کے انداز میں کہے: ''کیا بات ہے''؟ پھر اسی جملے کو تعریف میں کہے، پھر اسی جملے کو تعجب میں کہے۔ دیکھئے! تینوں مرتبہ میں جملہ ایک ہے، ''کیا بات ہے'' مگر انداز اور لہجہ میں فرق ہے، اور لہجہ و انداز کے فرق کی وجہ سے معنی میں تبدیلی آجاتی ہے۔ کوئی آدمی اس جملہ ''کیا بات ہے'' کو کاغذ پر لکھ کر کسی کو دے دے تو وہ کیا سمجھے گا، جس کے سامنے لب ولہجہ نہیں ہے، معلوم ہوا کہ کسی بات کو سمجھنے کے لئے صرف الفاظ کافی نہیں، اس کی بھی ضرورت

ہے کہ کس ماحول اور کس انداز میں وہ بات کہی گئی ہے۔

محدثین الفاظ شناس رسول اللہ ﷺ ہیں اور فقہاء مزاج شناس رسول اللہ ﷺ ہیں۔محدثین نے آپ ﷺ کے الفاظ کی حفاظت واشاعت کا بیڑہ اٹھایا اور فقہاء نے ان الفاظ سے ہزاروں مسائل کا استنباط فرمایا۔

عادت اور ضرورت کے فرق کی مثال

حدیث اور سنت کا فرق سمجھنے سے پہلے ایک اور مثال بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ایک ہے عادت، اور ایک ہے ضرورت۔ مثلاً ایک آدمی کی عادت ہے روزانہ فجر کے بعد ایک پارہ تلاوت کرنے کی، ایک دن وہ اٹھ کر چلا گیا تو آپ نے پوچھا کیا بات ہے آج آپ نے تلاوت نہیں کی؟ تو وہ کہتا ہے کہ: ایک دوست بیمار تھا سوچا کہ آج اس کی عیادت کرلوں، تلاوت بعد میں بھی کرسکتا ہوں۔ تو روزانہ صبح کو تلاوت کرنا عادت ہے اور عیادت عادت نہیں ضرورت ہے۔اسی طرح بعض افعال آپ ﷺ نے ضرورۃً کیئے ہیں' وہ عادت اور سنت نہیں اور ہمیں سنت کی تابعداری کا حکم ہے،اس لئے کہ حدیث میں دونوں چیزیں آئیں گی، عادت والے کام بھی اور ضرورت والے کام بھی، تو جہاں حدیث میں دونوں باتیں جمع ہوجائیں تو ہمیں سنت کا اتباع کرنا ہوگا' حدیث کا نہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد چند الگ الگ عنوانات سے مختلف باتیں لکھی جاتی ہیں۔تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

حدیث کی تعریف

حدیث:......چار چیزوں کا نام ہے:

(۱)......آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ سب حدیثیں ہیں۔جیسے:'' انما الاعمال

بالنّیات‘‘۔یعنی تمام اعمال کا مدار نیتوں پر ہیں۔

(۲)......آپ ﷺ نے جو کام کیئے وہ حدیثیں ہیں۔جیسے: جب مسجد نبوی میں منبر رکھا گیا تو آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر نماز پڑھائی،سجدہ نیچے اتر کر کیا،پھر دوسری رکعت کے لئے منبر پر تشریف لے گئے،پھر سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا:’’صلّوا کما رأیتمُونی اُصلّی‘‘۔(تفصیل کے لئے دیکھئے!ص ۳۹)

(۳)......آپ ﷺ نے جن باتوں کو برقرار رکھا وہ بھی حدیث ہیں۔تقریر کے معنی ہے: تائید،یعنی کسی مسلمان نے آپ ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا جس کو آپ ﷺ نے دیکھا،مگر اس پر نکیر نہیں فرمائی،یہ تقریر ہوئی۔جیسے:’’بیع سلم‘‘ کہ نبی ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ میں’’بیع سلم‘‘ کا رواج تھا،ابھی کھجوروں پر پھول بھی نہیں آئے تھے کہ کھجوریں بیچ دیتے تھے،قیمت طے ہوجاتی،مدت طے ہوجاتی،تاجر اسی وقت قیمت ادا کر دیتا اور باغ والا وقت مقررہ پر کھجوریں دیتا تھا،اس کو’’بیع سلم‘‘ کہتے ہیں۔شریعت کے اصول سے یہ بیع صحیح نہیں،کیونکہ مبیع کا وجود نہیں،صحت بیع کے لئے مبیع کا وجود ضروری ہے،اور مبیع: بائع کی ملکیت میں ہونا بھی ضروری ہے۔اور یہاں کھجوروں کی ’’بیع سلم‘‘ میں ابھی درختوں پر پھول بھی نہیں آئے،جب کھجور کا وجود نہیں تو ملکیت کا کیا سوال؟ اور جب ملکیت نہیں تو قبضہ کا کیا سوال؟ اس لئے شریعت کے اصول سے یہ بیع باطل ہے۔جب نبی ﷺ کے علم میں یہ بیع آئی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس بیع سے منع نہیں کیا،بلکہ فرمایا:’’مَنْ اَسْلَمَ مِنْكُمْ فَلْيُسْلِمْ فِیْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ اَوْ وَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ‘‘ جب تم بیع سلم کرو تو تمام تفصیلات طے کرلو،پیمانہ یا وزن طے کرلو اور مدت بھی طے کرلو تاکہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو،غرض حضور ﷺ نے شرائط تو بڑھائیں مگر

سلم سے منع نہیں کیا، پس یہ حدیث بن گئی، اس کا نام تقریر حدیث ہے۔

(۴)...... نبی ﷺ کے صفات یعنی ذاتی حالات بھی حدیث ہیں۔ جیسے: نبی ﷺ کے بال ایسے تھے، دندان مبارک ایسے تھے، آپ ﷺ گفتگو اس طرح فرماتے، وغیر ذلک۔

(علمی خطبات ص ۶۳ ج ۱)

سنت کی تعریف

سنت:...... کا لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہے: ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیْلا﴾ آپ اللہ کی سنت کو بدلتا ہوا نہیں پائیں گے۔

اور حدیثوں میں آیا ہے: جیسے: ''ترکت فیکم امرین ' لن تضلوا ما تمسکتم بھما: کتاب اللہ و سنۃ رسولہ'' میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہیں ہوں گے، ایک: اللہ کی کتاب، دوسری: میری سنت۔ اور فقہ میں بھی لفظ سنت آتا ہے، مگر تینوں جگہ معنی الگ الگ ہے۔

قرآن کریم میں سنت کے معنی ہے، اللہ تعالی نے کائنات میں جو صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں اور جن کی وجہ سے اسباب سے مسببات وجود میں آتے ہیں ان ودیعت کردہ صلاحیتوں سے مسببات کے وجود میں آنے کا نام اللہ کی سنت ہے، جیسے اللہ تعالی نے آگ میں جلانے کی صلاحیت و قابلیت ودیعت فرمائی، چنانچہ آگ اپنا کام کرتی ہے، اسی کا نام اللہ تعالی کی سنت ہے۔

اور فقہ میں جو احکام ہیں: فرض' واجب' سنت' مستحب اور مباح۔ ان میں سنت کا تیسرا درجہ ہے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی، اس خاص درجے کے جو احکام ہیں وہ سنت کہلاتے ہیں۔ پھر سنت کی دو قسمیں ہیں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ۔

اور حدیثوں میں سنت کے معنی ہیں: ’’اَلطَّرِیقة المَسلُوکة فی الدّین‘‘ دینی راہ: یعنی وہ راستہ جس پر مسلمانوں کو چلنا ہے۔

حدیث اور سنت میں نسبت

حدیث اور سنت نہ تو دونوں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں یعنی دونوں میں تباین کی نسبت نہیں ہے، اور نہ دونوں ایک ہیں، یعنی دونوں میں تساوی کی نسبت بھی نہیں ہے، بلکہ عام و خاص من وجہٍ کی نسبت ہے، اور جہاں یہ نسبت ہوتی ہے وہاں تین مادّے ہوتے ہیں، دو افتراقی اور ایک اجتماعی، جیسے سفید اور حیوان میں من وجہٍ کی نسبت ہے، اور مادہ افتراقی سفید کپڑا اور کالی بھینس ہیں، اول صرف سفید ہے اور ثانی صرف حیوان، اور سفید بیل مادہ افتراقی ہے وہ سفید بھی ہے اور حیوان بھی۔ حدیث اور سنت کے درمیان بھی یہی نسبت ہے، اس لئے کبھی حدیث الگ ہوجاتی ہے، وہ سنت نہیں ہوتی اور کبھی سنت الگ ہوجاتی ہے، وہ حدیث نہیں ہوتی، اور کبھی دونوں جمع ہوجاتے ہیں' وہ حدیث بھی ہوتی ہے اور سنت بھی۔

اٹھانویں فیصد حدیثیں ہیں جو سنتیں بھی ہیں، صرف ایک فیصد ایسی حدیثیں ہیں جو سنت نہیں، اور ایک فیصد خلفائے راشدین کی وہ باتیں ہیں جن کو لینا ضروری ہے اور وہ حدیث نہیں' صرف سنت ہیں۔ (تحفۃ القاری ص ۶۵ ج ۱)

سنت کی اتباع کا حکم ہے حدیث کا نہیں

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم فرماتے ہیں:

ایک چیلنج دیتا ہوں اور قیامت کی صبح تک دیتا ہوں کہ کوئی ایسی حدیث لاؤ چاہے ضعیف ہی کیوں نہ ہو کہ نبی ﷺ نے حدیث کو مظبوط پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ حدیثیں یاد کرنے اور

ان کو روایت کرنے کے فضائل آئے ہیں ،مگر ایسی ایک حدیث بھی نہیں ہے جس میں حدیث کو مظبوط پکڑنے کا حکم دیا ہو،تمام حدیثوں میں سنت ہی کو مظبوط پکڑنے کا حکم دیا ہے۔(علمی خطبات ص۱۰۴ ج۱)

حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقیناً آپ ﷺ کے مبارک کام بھی ان دوحصوں میں تقسیم ہیں: کچھ کام آپ عادۃً فرماتے تھے اور کچھ کام ضرورۃً فرماتے تھے۔اب ان دونوں میں سے ہم نے تابعداری کن کاموں کی کرنی ہے؟ فرمایا:’’علیکم بسنّتی ‘‘وہ جو میں عادتاً کام کرتا ہوں ان کی تابعداری کرو! اب حدیث میں دونوں چیزیں آئیں گی ،سنت والے کام بھی اور عادت والے کام بھی،اب جس میں دو چیزیں آجائیں ہمیں حکم ہے:’’علیکم بسنّتی ‘‘ آپ ﷺ کی عادت کا اتباع کرنا ہے،آپ ﷺ کی مبارک عادت کو ہم نے بھی عادت بنانا ہے اور اپنانا ہے۔(حدیث اور سنت کا فرق ص:۷)

سنت کی اتباع کا حکم

(۱)......عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

(رواہ احمد وابو داؤد و الترمذی وابن ماجۃ۔مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:تمہارے اوپر میری سنت کی اتباع اور ہدایت یافتہ خلفاءراشدین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے،اسی پر بھروسہ کرنا اور اسی کو مظبوطی سے پکڑے رہنا۔(الرفیق الفصیح ص۳۰۹ ج۳)

(۲)......مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ۔

(رواہ البیھقی فی کتاب الزھد، مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:......جوشخص میری امت کے بگاڑ کے زمانہ میں میری سنت پرسختی سے عمل پیرا ہوگا، اس کوسوشہیدوں کا ثواب ملے گا۔(الرفیق الفصیح ص۳۳۳ ج۳)

(۳)......مَنْ اَکَلَ طَیِّباً وَ عَمِلَ فِیْ سُنَّۃٍ ، وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

(رواہ الترمذی،مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:......جس نے پاکیزہ چیز کھائی اورسنت پرعمل کیا اورلوگ اس کے فتنوں سے محفوظ رہے،تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(الرفیق الفصیح ص۳۳۷ ج۳)

(۴)......تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ : لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا :کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ۔(رواہ فی المؤطا،مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:......میں تمہارے لئے ایسی دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ جب تک تم ان دونوں چیزوں کو پکڑے رہوگے، ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے،اوروہ چیزیں اللہ تعالی کی کتاب اوراللہ تعالی کے رسول کی سنت ہے۔(الرفیق الفصیح ص۳۵۰ ج۳)

(۵)......مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَۃً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُھَا مِنَ السُّنَّۃِ فَتَمَسُّکٌ بِسُنَّۃٍ خَیْرٌ مِنْ اِحْدَاثِ بِدْعَۃٍ۔(رواہ احمد،مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:......جوقوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو (اللہ تعالی کی جانب سے) اسی جیسی کوئی سنت اٹھالی جاتی ہے،تو سنت کوپکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

(الرفیق الفصیح ص۳۵۱ ج۳)

(۶)......عن انس قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : یَا بُنَیَّ ! اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَ تُمْسِیَ وَ لَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ، ثُمَّ قَالَ : یَا بُنَیَّ ! وَذٰلِکَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ ، وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ۔

(رواہ الترمذی ،مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

ترجمہ:...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: حضرت رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: اے میرے بیٹے! اگر تجھ کو اس بات پر قدرت ہو کہ تیری صبح اور شام اس طرح گذرے کہ تیرے دل میں کسی کے لئے کھوٹ نہ ہو تو اسی طرح کرلو، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اے میرے بیٹے! یہ میری سنت ہے اور جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (الرفیق الفصیح ص۳۲۹ ج۳)

(۷)...... مَنْ اَحْیَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ ، فَاِنَّ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا۔

(رواه الترمذی وابن ماجة ، مشکوة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ:...... جس نے میری اس سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد ترک کردی گئی ہو تو اس کے لئے یقیناً اتنا ثواب ہے جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والوں کو ملے گا، بغیر ان کے ثواب میں سے کچھ کمی کئے ہوئے۔ (الرفیق الفصیح ص۳۱۶ ج۳)

(۸)...... قال صلی اللہ علیہ وسلم : اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُدْخِلُ الْعَبْدَ الْجَنَّةَ بِالسُّنَّةِ تَمَسَّکَ بِهَا۔ (الشفا بتعریف حقوق المصطفی ص۲۶۷ ج ۲/الباب الاوّل)

ترجمہ: ...... حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ تعالی بندوں کو جنت میں داخل فرمائیں گے اس کے سنت کو مضبوط پکڑنے کی وجہ سے۔ (حقوق مصطفیٰ ﷺ ص۸۱)

(۹)...... فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّی۔

(متفق علیه، مشکوة، باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

ترجمہ: جس نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

(الرفیق الفصیح ص۲۶۷ ج۳)

(۱۰)......کَتَبَ عمرُ بن الخطّابِ رضی الله عنه اِلٰی عُمَّالِهٖ : بِتَعَلُّمِ السُّنَّةِ ، وَقَالَ: فَاِنَّ اَصْحَابَ السُّنَنِ اَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ۔

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو لکھا کہ: سنت کا علم حاصل کرو.....اس لئے کہ سنتوں سے واقفیت رکھنے والے ہی کتاب اللہ کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

(۱۱)......عن علیٍّ رضی الله عنه : اَلَا اِنِّی لَسْتُ بِنَبِیٍّ ، وَلَا یُوْحٰی اِلَیَّ ، وَلٰکِنْ اَعْمَلُ بِکِتَابِ اللّٰهِ وُسنَّةِ نَبِیِّهٖ محمد مَا اسْتَطَعْتُ۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: بیشک میں نہ نبی ہوں، نہ میرے پاس وحی آتی ہے، لیکن میں کتاب اللہ اور نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہوں، جتنی طاقت رکھتا ہوں

(۱۲)......وکان ابن مسعود رضی الله عنه یقول : اَلْقَصْدُ فِی السَّنَّةِ خَیْرٌ مِنَ الْاِجْتِهَادِ فِی الْبِدْعَةِ۔

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: سنت کے مطابق میانہ روی سے عمل کرنا بدعت میں کوشش ومجاہدہ کرنے سے بہتر ہے۔

(۱۳)......قال ابی ابن کعب رضی الله عنه : عَلَیْکُمْ بِالسَّبِیْلِ وَالسُّنَّةِ۔

ترجمہ:......حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: راہ حق اور سنت کو لازم پکڑو۔

(۱۴)...... قال الحسن رضی اللہ عنه : عَمَلٌ قَلِیْلٌ فِیْ سُنَّةٍ خَیْرٌ مِنْ عَمَلٍ کَثِیْرٍ فِی بِدْعَةٍ۔

ترجمہ:......حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل بدعت کے مطابق کثیر عمل سے بہتر ہے۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفی ص۲٦٦ تا۲٦۹ ج۲/الباب الاول)

چند مثالیں: حدیث ہیں مگر سنت نہیں

وضو کے بعد بیوی کا بوسہ لینا حدیث ہے سنت نہیں

(۱)......حدیث شریف میں ہے کہ: آپ ﷺ نے وضو کے بعد اپنی زوجہ محترمہ کا بوسہ لیا۔(ترمذی، باب ترک الوضوء من القبلة ، کتاب الطهارة)

ظاہر ہے یہ بوسہ لینا حدیث ہے، مگر سنت نہیں کہ ہمیشہ آپ ﷺ وضو فرما کر اپنی بیوی کا بوسہ لیا کرتے ہوں۔

روزہ کی حالت میں بوسہ لینا' حدیث ہے سنت نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ رمضان کے مہینہ میں بوسہ لیا کرتے تھے۔(ترمذی، باب ما جاء فی القبلة للصّائم ، کتاب الصوم)

روزہ کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا' حدیث ہے سنت نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ روزہ کی حالت میں مجھے اپنے ساتھ لٹاتے تھے، اور آپ ﷺ اپنی خواہش پر نہایت قابو یافتہ تھے۔

(ترمذی، باب ما جاء فی مباشرة الصّائم ، کتاب الصوم)

تشریح:......حضور ﷺ کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا، یعنی مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، سنت نہیں تھا کہ لوگ اس پر عمل کرنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آخری جملہ سے یہی بات سمجھائی ہے۔(تحفة الالمعی ص۱۰۳ ج۳)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کا عجیب جواب

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے، ایک سیب ہاتھ میں ہے

رمضان کا مہینہ ہے اور روزہ رکھا ہوا ہے، آ کر عرض کیا: حضرت! اگر روزے کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کرلیا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ حضرت ﷺ یوں بھی فرما سکتے تھے: ٹوٹ جاتا ہے اور یوں بھی فرما سکتے تھے نہیں۔ لیکن دیکھا کہ یہ صحابی تو مجتہد ہے، اس کو تو اجتہاد سکھانا چاہیے، آپ ﷺ نے پوچھا: ہاتھ میں کیا ہے؟ فرمایا: سیب! آپ ﷺ نے فرمایا: ذرا مجھے دو! آپ ﷺ نے سیب لے کر مبارک ہونٹوں پر رکھ لیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ: عمر! کیا میرا روزہ ٹوٹ گیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: ایسے تو نہیں بلکہ کھانے سے ٹوٹے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مسئلہ آپ نے پوچھا ہے وہ سمجھ میں آ گیا یا نہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ: سمجھ میں آ گیا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ذہانت

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سبق پڑھا رہے تھے، برقعے میں ایک عورت آئی، اس نے ایک سیب اور ایک چھری امام صاحب رحمہ اللہ کو دی، طلبہ خوش ہوئے کہ بہت ہی نیک عورت ہے، سیب تو لائی ساتھ چھری بھی لے آئی تا کہ ہمیں تلاش نہ کرنی پڑے، امام صاحب رحمہ اللہ نے سیب کاٹا اس کا اندر کا جو حصہ تھا وہ باہر نکال کر چھری اور سیب عورت کو واپس کر دیا، اب شاگرد امام صاحب رحمہ اللہ کو حدیث سنا رہے ہیں کہ حدیث میں تو آتا ہے کہ ہدیہ قبول کر لینا چاہیے، اگر آپ کو ضرورت نہیں تھی تو ہمیں دیدیتے، امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ تو مسئلہ پوچھنے آئی تھی۔ اب یہ حیران کہ مسئلہ کون سا پوچھ کر گئی ہے؟ فرمایا: سیب کے باہر کئی رنگ ہوتے ہیں، کہیں مٹیالہ' کہیں مہندی کا رنگ' کہیں سبز' کہیں سرخ، عورت جب ناپاک ہوتی ہے تو خون کئی رنگ بدلتا رہتا ہے، وہ یہ مسئلہ پوچھنے آئی تھی کہ کونسا

رنگ ناپا کی کا ہے اور کون سا پا کی کا؟ کہ کب نماز شروع کی جائے؟ اگر چہ سیب کے باہر بہت سے رنگ ہوتے ہیں، لیکن اس کو کاٹیں تو اندر ایک ہی سفید رنگ ہے، اور کوئی رنگ نہیں، تو میں نے کاٹ کر وہ حصہ باہر کی طرف کر کے اس کو دے دیا کہ سوائے سفید کے سارے رنگ ناپا کی کے ہیں۔

وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اندازہ کرو کہ عورت کو بھی اللہ تعالی نے کیسا دماغ دیا تھا کہ کس طرح مسئلہ پوچھا اور امام صاحب رحمہ اللہ نے بھی کس انداز میں مسئلہ سمجھایا۔

(حدیث اور سنت کا فرق: ص۹)

آپ ﷺ کا کھڑے ہوکر پیشاب فرمانا حدیث ہے مگر سنت نہیں

(۲)......دوسری مثال: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبی ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا، پھر پانی منگوایا، میں آپ ﷺ کے پاس پانی لے کر آیا، پس آپ ﷺ نے وضو فرمایا۔

(بخاری شریف، باب البول قائما و قاعدا ، کتاب الوضوء)

تشریح:...... نبی ﷺ نے جو کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا ہے، بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ جگہ گندی تھی، کپڑے خراب ہونے کا اندیشہ تھا، اس لئے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے گھٹنے میں تکلیف تھی، بیٹھنا دشوار تھا اس لئے کھڑے ہوکر پیشاب کیا تھا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ کمر میں تکلیف تھی جس کا علاج عربوں کے نزدیک کھڑے ہوکر پیشاب کرنا تھا، مگر صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عمل بیان جواز کے لئے کیا تھا، یعنی مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، اس لئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی رکھ کر جانے لگے تو

آپ ﷺ نے ان کو روک لیا تھا تا کہ آپ ﷺ کا یہ عمل ان کے علم میں آئے اور امت تک وہ اس عمل کو پہنچا ئیں ،اگر کسی مجبوری میں آپ ﷺ نے ایسا کیا ہوتا تو اس سے امت کو واقف کرانا ضروری نہیں تھا۔

نبی ﷺ کبھی بیان جواز کے لئے خلاف اولی کام کرتے تھے،اور وہ نبی کے حق میں خلاف اولی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تشریع کے لئے ہوتا ہے،مگر وہ سنت نہیں ہوتا۔

(تحفۃ القاری ص۵۵۸ ج۱)

جوتا پہن کر نماز پڑھنا حدیث ہے سنت نہیں

(۳)......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ: آپ ﷺ جوتے میں نماز پڑھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔

(بخاری شریف، کتاب الصلوۃ ، ابواب ثیاب المصلی ، باب الصلوۃ فی النعال)

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم فرماتے ہیں: آنحضور ﷺ اور صحابہ سے چپل پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے،مگر میری نظر سے کوئی روایت ایسی نہیں گذری جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ مسجد میں جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے، غالبًا یہ واقعات میدان جنگ کے ہیں،میدان جنگ میں نماز کے لئے وقت تھوڑا ہوتا ہے،اور جس حال میں ہوں اسی حال میں نماز پڑھ لینی ہوتی ہے۔(تحفۃ القاری ص۲۱۹ ج۲)

جوتا پہن کر نماز پڑھنا حدیث میں ہے مگر سنت نہیں۔بعض حضرات بخاری‘ بخاری‘ بہت کرتے ہیں،ان کی خدمت میں عرض ہے کہ’’بخاری شریف‘‘ میں جوتا نہ پہن کر نماز پڑھنے کی کوئی حدیث نہیں ہے، تو جو لوگ جوتا اتار کر نماز پڑھتے ہیں ،کیا وہ’’بخاری شریف‘‘اور حدیث پر عمل پیرا نہیں؟ اور کیا وہ حدیث کے مخالف ہیں؟

آپ ﷺ کا منبر پر نماز پڑھنا حدیث ہے مگر سنت نہیں

(۴)......ابو حازم بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں: چند لوگ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہ منبر رسول میں بحث کر رہے تھے کہ اس کی لکڑی کس درخت کی تھی؟ انہوں نے اس سلسلہ میں آپ سے دریافت کیا، آپ نے فرمایا: بخدا میں جانتا ہوں کہ منبر کس لکڑی کا تھا، اور میں نے اس کو پہلے ہی دن سے دیکھا ہے جب وہ تیار کر کے مسجد میں رکھا گیا، اور پہلے پہل نبی ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوئے اس کو بھی میں جانتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کی فلاں عورت کے پاس پیغام بھیجا جس کا حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے نام لیا تھا (مگر ابو حازم رحمہ اللہ بھول گئے) اور کہلا بھیجا کہ اپنے بڑھئی (لکڑی کے کام کرنے والے) غلام کو حکم دو کہ وہ میرے لئے چند ایسی لکڑیاں (درجے) تیار کرے جن پر بیٹھ کر میں خطاب کروں، اس عورت نے اپنے غلام کو اس کا حکم دیا، پس اس نے غابہ مقام کے جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنایا، پھر وہ غلام اس کو عورت کے پاس لایا، پس اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، پس آپ ﷺ نے اس کو مسجد میں رکھنے کا حکم دیا، پس وہ یہاں رکھا گیا۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی اور تکبیر کہی، درانحالیکہ آپ ﷺ منبر پر تھے، پھر منبر پر ہی رکوع کیا، پھر الٹے پاؤں منبر سے اتر آئے (تا کہ قبلہ سے انحراف نہ ہو) اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا، پھر واپس منبر پر تشریف لے گئے، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: لوگو! میں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے تا کہ میری اقتدا کرو، اور تا کہ تم میری نماز سیکھو۔ (تحفۃ القاری ص ۲۳۷ ج ۳)

تشریح:......منبر غابہ نامی جگہ کے جھاؤ کے درخت کا تھا، اور حضرت عائشہ انصاریہ رضی اللہ

عنہا کے آزاد کردہ غلام میمون نجار (رحمہ اللہ) نے بنایا تھا، اس میں تین درجے تھے۔

آپ ﷺ کا اس طرح منبر پر نماز پڑھنا یہ حدیث ہے سنت نہیں۔

بچے کو اٹھا کر نماز پڑھنا حدیث ہے سنت نہیں

(۵)......حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آپ ﷺ امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے وقت اٹھائے رہتے تھے۔ ابوالعاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی حدیث میں ہے کہ: پھر سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔ (بخاری، باب اذا حمل جارية صغيرة على عنقه فى الصلوة ، ابواب سترة المصلى)

تشریح:......اس طرح نماز پڑھنے کی کیا وجہ تھی؟ کیا اس بچی کو دس منٹ کے لئے رکھنے والا کوئی نہیں تھا؟ آنحضور ﷺ کے نو گھر تھے اور تمام مسلمان شمع نبوت کے پروانے تھے، اس لئے ایسا سمجھنا نادانی ہے۔ آپ ﷺ نے بالقصد یہ عمل کیا تھا، اور مسئلہ کی وضاحت کے لئے کیا تھا، اور یہ زندگی میں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے، بعض مرتبہ آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں خطرہ ہوتا ہے، درندہ بچے کو پھاڑ کھائے گا یا اغواء کرنے والا اچک لے جائے گا، ایسی صورت میں آدمی کیا کرے؟ کیا نماز قضا کرے؟ نہیں بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھے اور کبھی بچہ بدک جاتا ہے، ماں سے جدا نہیں ہوتا، اور گھر میں کوئی دوسرا رکھنے والا نہیں، ایسی صورت میں ماں بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھے گی، نماز قضا نہیں کرے گی، مگر شرط یہ ہے کہ بچہ کا بدن اور کپڑے پاک ہوں۔ غرض آپ ﷺ نے مسئلہ کی وضاحت کے لئے یہ عمل کیا ہے، پس یہ حدیث ہے، سنت نہیں۔ (تحفۃ القاری ص ۲۷۳ ج ۲)

مسجد میں بچوں کو لانا حدیث ہے سنت نہیں

(۶)......حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم فرماتے ہیں:

بعض لوگ ناسمجھ بچوں کو مسجد میں لے آتے ہیں، اور مسجد میں لا کر ان کو چھوڑ دیتے ہیں، وہ صفوں میں یہاں وہاں دوڑتے پھرتے ہیں اور لوگوں کی نماز خراب کرتے ہیں، ان سے کچھ کہا جائے تو فوراً یہ حدیث پیش کرتے ہیں (کہ آپ ﷺ نے بچی کو گود میں لے کر نماز پڑھی) میں ان سے کہتا ہوں اگر آپ کو حدیث پر عمل کرنا ہے تو بچہ کو گود میں لے کر نماز پڑھو، اس کو مسجد میں کیوں چھوڑ دیتے ہو؟ اور ''ابن ماجہ'' میں حدیث ہے: ''جنبوا صبیانکم مساجدکم ''اپنی مسجدوں کو اپنے (ناسمجھ) بچوں سے بچاؤ، جب تک بچے پاکی ناپاکی نہ سمجھیں اور مسجد کا احترام نہ جانیں بچوں کو مسجد میں نہیں لانا چاہئے، یہی سنت ہے اور مذکورہ واقعہ صرف حدیث ہے جو مسئلہ کی وضاحت کے لئے ہے۔

(تحفۃ القاری ص ۳۷۳ ج ۲)

ایک کپڑے میں نماز پڑھنا حدیث ہے سنت نہیں

(۷)......امام بخاری رحمہ اللہ نے ''ابواب ثیاب المصلی '' کے عنوان سے مختلف ابواب قائم کئے ہیں، اور ان میں کئی احادیث نقل فرمائی ہیں، ان میں ایک باب ہے: ''باب الصلاۃ فی الثوب الواحد'' اس میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے چند ابواب کے بعد ایک اور باب قائم کیا کہ ''باب الصلاۃ فی القمیص والسَّراویل والتُّبَّانِ والقباءِ ''یعنی کرتہ، شلوار جانگیا اور چوغہ پہن کر نماز پڑھنا۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ: ایک شخص نبی ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا: آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک دو کپڑے پاتا ہے؟ پھر

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے (دور فاروقی میں) اس سلسلہ میں پوچھا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ نے کشادگی کی ہے تو تم بھی کشادگی کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے ایک کپڑے میں نماز ہو جاتی ہے، مگر یہ سنت نہیں۔

''مشکوۃ شریف'' (حدیث نمبر:۷۷۱) میں ہے کہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے تلامذہ سے بیان کیا کہ: ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے، ہم لوگ نبی ﷺ کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے اور ہمارا یہ عمل برا نہیں سمجھا جاتا تھا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی یہ بات جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب کپڑے کم ہوں'' فاما اذا وسّع الله فالصلاة فی الثوبین ازکی'' اب جب اللہ نے کشادگی فرمادی تو دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ جب اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور نو شکلیں بتلائیں...... گویا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جو ایک کپڑے میں نماز کو سنت کہا وہ سنت نہیں، بلکہ مجبوری کا حکم ہے، اور مجبوری میں ایک کپڑے میں نماز ہو جاتی ہے۔ سنت ﴿خذوا زینتکم عند کل مسجد ﴾ ہے یعنی مزین ہو کر نماز پڑھنا، اور تزئین کے لئے ایک سے زیادہ کپڑے ضروری ہیں۔ (تحفۃ القاری ص۱۷۹ ج۲)

عیدگاہ میں قربانی کرنا حدیث ہے سنت نہیں

(۸)......امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب العیدین ''میں ایک باب قائم کیا ہے:'' باب النّحر والذّبح یوم النحر بالمصلّی '' عید کے دن عیدگاہ میں اونٹ نحر کرنا یا گائے اور بکری ذبح کرنا۔ اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ: آپ ﷺ

نے عیدگاہ میں قربانی فرمائی۔

ایک مرتبہ جب نبی ﷺ عیدالاضحیٰ کے خطبہ سے فارغ ہوئے تو مینڈھا لایا گیا، آپ ﷺ نے سب کے سامنے اس کی قربانی فرمائی تا کہ لوگوں کو ترغیب ہو اس لئے کہ انسانوں کا حال یہ ہے کہ جو بڑے کرتے ہیں وہی چھوٹے کرتے ہیں ''الناس علی دین ملوکھم'' لوگ اپنے بادشاہوں کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ آپ ﷺ کس طرح جانور کو لٹا رہے ہیں؟ کہاں پیر رکھ رہے ہیں؟ ذبح کے وقت کیا پڑھ رہے ہیں؟ یہ سب باتیں بھی لوگ سیکھیں گے، اس لئے بھی آپ ﷺ عیدگاہ میں سب لوگوں کے سامنے قربانی فرماتے تھے۔

آپ ﷺ کے زمانے میں باقاعدہ عیدگاہ بنی ہوئی نہیں تھی، میدان میں آپ ﷺ عید پڑھاتے تھے، اس لئے کوئی تلویث (آلودگی، ناپاکی) نہیں تھی، اب عیدگاہیں بن گئی ہیں، ان میں قربانی کرنا ٹھیک نہیں۔ (تحفۃ القاری ص۳۰۶ ج۳)

تین قسم کی روایتیں حدیث ہیں سنت نہیں

تین قسم کی روایتیں ایسی ہیں جو صرف حدیث ہیں سنت نہیں: پہلی: وہ حدیثیں جو منسوخ ہیں۔ دوسری: وہ حدیثیں جو خصوصیات میں سے ہیں، تیسری: آپ ﷺ نے بعض افعال مصلحتاً کئے ہیں۔

پہلی قسم: منسوخ، اور اس کی تین مثالیں

ما مست النار سے وضو کا حکم حدیث میں ہے مگر وہ منسوخ ہے

پہلی مثال: ...... جو حدیثیں منسوخ ہو گئیں، وہ سنت نہیں، جیسے: ما مست النار سے وضو کا حکم حدیث میں ہے مگر وہ منسوخ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دو باب ساتھ میں قائم کئے ہیں: ایک ''باب الوضوء مما غیرت النار'' اور دوسرا ''باب فی ترک الوضوء مما غیرت

النار ''پہلے باب میں یہ حدیث لائے ہیں:''الوضوء مما مست النّار ولو من ثور اَقُط '' یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضوضروری ہے، چاہے وہ سوکھے ہوئے دودھ کا ٹکڑا ہو۔اور دوسرے باب میں یہ روایت نقل کی ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ایک انصاری عورت کے گھر تشریف لے گئے اور میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ اس انصاری خاتون کے گھر پہنچے،اس خاتون نے آپ ﷺ کے لئے بکری ذبح کی آپ ﷺ نے تناول فرمایا، پھر اس عورت نے تازہ کھجوروں کا ایک تھال آپ ﷺ کے روبرو پیش کیا، پس آپ ﷺ نے اس میں سے (بھی) کھایا، پھر آپ ﷺ نے وضوکر کے ظہر پڑھی پھر آپ ﷺ لوٹ آئے ،تو اس خاتون نے بکری کا باقی ماندہ جو تفکہ (پھل کھانا۔میوہ کھانا۔لطف۔مزہ) کے طور پر کھایا جاتا ہے پیش کیا ،آپ ﷺ نے تناول فرمایا، پھر آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی اور وضونہیں فرمایا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ باب کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:''وھذا آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، وکان ھذا الحدیث ' ناسخ للحدیث الاول ''۔

اور''ابوداؤد''(۲۵/۱) میں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:'' آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیرت النار ''(تحفۃ الالمعی ص ۳۲۵ ج ۱)

نماز میں بات کرنا جائز تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا

دوسری مثال:......ابتدا میں نماز میں بات کرنا جائز تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

''تحفۃ القاری''میں ہے:

احناف اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں کلام کی مطلق گنجائش نہیں۔

پہلی حدیث:......حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں: حبشہ کی طرف

ہجرت کرنے سے پہلے نبی ﷺ نماز میں سلام کا جواب دیتے تھے، پھر جب میں حبشہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آیا اور ایک موقعہ پر خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، میں نے سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پریشان ہوگئے، وہ سمجھے نبی ﷺ ان سے ناراض ہوگئے ہیں، پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو جواب دیا اور فرمایا: اللہ تعالی جو چاہتے ہیں اپنے دین میں احکام بھیجتے ہیں، تمہارے حبشہ جانے کے بعد اللہ نے جو احکام بھیجے ہیں ان میں یہ بھی حکم ہے کہ تم نماز میں بات نہ کرو (ابوداؤد، مشکوۃ، حدیث ۹۸۹) اور یہاں حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انّ فی الصّلاۃ شُغُلًا ''نماز میں مشغولیت ہے، اس لئے جواب دینے کی گنجائش نہیں۔

دوسری حدیث:...... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ہے: وہ کہتے ہیں: ہم نماز میں آنحضور ﷺ کے پیچھے بوقت ضرورت بات کرتے تھے، یہاں تک کہ آیت: ﴿قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ﴾ نازل ہوئی، پس ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔ (بخاری، باب ما ینھی من الکلام فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ)

تیسری حدیث:...... ''مسلم شریف'' (مشکوۃ، حدیث: ۹۷۹، باب مالا یجوز) میں ہے: وہ سب سے زیادہ واضح ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ اس کو نہیں لائے، حضرت معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جماعت میں ایک شخص نے چھینکا، معاویہ رضی اللہ عنہ نے ''یرحمک اللہ'' کہہ کر تشمیت کی، لوگوں نے ان کو گھورا، وہ نماز میں بولے: مجھے کیوں گھورتے ہو! صحابہ رضی اللہ عنہ نے رانوں پر ہاتھ مارے تو وہ خاموش ہوگئے، نماز کے بعد آنحضور ﷺ نے ان کو مسئلہ سمجھایا: ''ان ھذہ الصّلاۃ لا یصلح فیھا شئی من کلام

النّاس، انّما هی التّسبیح والتّکبیر وقراء ۃ القرآن ’’نماز میں انسانی کلام کی مطلق گنجائش نہیں، نماز تسبیح، تکبیر اور قراءت قرآن ہی ہے۔ (تحفۃ القاری ص ۵۲۱، ج ۳)

’’اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون‘‘ حدیث ہے مگر منسوخ ہے

تیسری مثال: ...... امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بیٹھ کر نماز پڑھیں، یہ حکم حدیث میں ہے: ’’اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون‘‘ (بخاری، باب انّما جعل الامام لِیُوتمّ به) مگر بعد میں منسوخ ہوگیا۔ اور نسخ کی دلیل خود امام بخاری رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ کا آخری عمل کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اقتدا میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی: قال ابو عبد الله : قال الحمیدی : قوله ’’ واذا صلی جالسا فصلوا اجالسا ‘‘ هو فی مرضه القدیم، ثم صلی بعد ذلک النبی صلی الله علیه وسلم جالسا والناس خلفه قیام، لم یامرهم بالقعود، وانما یوخذ بالآخر، فالآخر من فعل النبی صلی الله علیه وسلم‘‘۔

اس سلسلہ میں آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں دو واقعے ہیں:

پہلا واقعہ ...... سن: ۵ ؍ہجری میں نبی ﷺ گھوڑے پر سوار ہوکر کہیں تشریف لے جارہے تھے، اچانک گھوڑا بدکا اور ایک کھجور کے درخت کے قریب سے گذرا، آپ ﷺ کا پاؤں درخت سے رگڑ کھا گیا اور آپ ﷺ گھوڑے پر سے گر پڑے، آپ ﷺ نے بیماری کے ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ پر جو بالا خانہ تھا اس میں گذارے، ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم عیادت کے لئے آئے، اتفاق سے اس وقت آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، ان حضرات نے موقع غنیمت جان کر آپ ﷺ کی اقتدا کی، اور کھڑے ہوکر اقتدا کی، آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے بٹھا دیا، اور نماز کے بعد فرمایا: امام اس

لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

دوسرا واقعہ...... آپ ﷺ کے مرض وفات کا ہے۔ مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے، ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ ﷺ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے تشریف لے آئے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے، نبی ﷺ نے اشارہ بھی کیا کہ وہ نماز پڑھاتے رہیں، مگر انہوں نے ہمت نہ کی، آپ ﷺ کو امام کی بائیں جانب بٹھا دیا گیا، اور آپ ﷺ نے نماز پڑھانی شروع کی، آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تمام مقتدی کھڑے ہوکر اقتدا کر رہے تھے۔

جمہور کے نزدیک اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہوکر اقتدا کریں، آپ ﷺ کا آخری عمل ان کی دلیل ہے۔ اور حدیث: ”اذا صلّی جالسا فصلّوا جلوسا اجمعون“ کو جمہور منسوخ مانتے ہیں۔ مرض وفات والا واقعہ ناسخ ہے، اس لئے کہ وہ بعد کا واقعہ ہے۔ (تحفۃ القاری ص۵۴۹ ج۲)

حدیثوں میں نسخ کا علم تین طرح سے ہوگا

حدیثوں میں نسخ کا علم تین طرح سے ہوگا:

پہلا: ...... یہ کہ نسخ کی صراحت کردی جائے، جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ”ما مست النار“ کے سلسلہ میں فرمایا: ”آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیّرت النّار“۔ (دیکھئے! صفحہ:۴۳)

دوسرا: ...... قرینہ سے معلوم ہوگا، جیسے آنحضرت ﷺ کا ارشاد: ”کنت نہیتکم عن زیارۃ

القبور فزوروها ''(ترمذی، باب ما جاء فی الرخصة فی زیارة القبور ، کتاب الجنائز) میں نے تمھیں قبرستان جانے سے روکا تھا، اب قبرستان جایا کرو۔اس حدیث میں قرینہ ہے کہ قبرستان جانے کی ممانعت دوراول میں تھی ،بعد میں اجازت ہوگئی ، پس جواز کی روایات سنت ہیں اور ممانعت کی روایتیں صرف حدیث ہیں۔

(تحفۃ القاری ص۵۵ ج ا۔تحفۃ الالمعی ص ۴۶۶ ج ۳)

تیسرا:......تقدیم وتاخیر سے ،اس میں دوصورتیں ہیں: تقدیم وتاخیر میں اتفاق ہوجائے جیسا کہ دوحدیثیں ہیں:''اَلْـمَاءُ مِنَ الْمَاءِ ''(ترمذی، بـاب مـا جـاء ان الماء من الماء ، کتاب الطهارة)اور''اِذَا الْتَـقَـى الْخِتَانَانِ وَجَبَ الْغُسْلُ ''(ترمذی، بـاب مـا جاء اذا التقى الختانان وجب الغسل ، کتاب الطهارة)۔(تفصیل کے لئے دیکھئے! تحفۃ الالمعی ص ۳۷۸ ج ا)

پہلی حدیث کا مدعی یہ ہے کہ اگر میاں بیوی صحبت کریں اور انزال ہوجائے تو غسل واجب ہوگا اور اگر انزال سے پہلے مجامعت ختم کردیں تو غسل واجب نہیں ہوگا ،اور دوسری حدیث کا مدعی یہ ہے کہ جب صحبت شروع کردی اور مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں چلی گئی تو دونوں پر غسل واجب ہوگیا،انزال ہو یا نہ ہو۔

ان دونوں حدیثوں میں کون سی حدیث مقدم ہے اور کون سی مؤخر؟ اس کی کوئی صراحت نہیں، نہ کوئی قرینہ ہے، اس لئے دوراول میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس مسئلہ میں اختلاف رہا۔بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اکسال کی صورت میں عدم غسل کا فتوی دیتے تھے اور بعض وجوب غسل کا ،اور یہ اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک باقی رہا،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس سلسلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے غور کیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ یہ مسئلہ ازواج مطہرات سے پوچھا جائے ، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

ایک شخص کو اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، مگر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا: میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیجا تو انہوں نے کہا: میرے اور نبی ﷺ کے درمیان ایسی صورت پیش آئی ہے اور ہم نے غسل کیا ہے، جب صحابہ رضی اللہ عنہم کو نبی ﷺ کا عمل معلوم ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: آج کے بعد اگر کوئی شخص ایسا کرے گا اور غسل نہیں کرے گا تو میں اس کو سخت سزا دوں گا (تفصیل ''طحاوی شریف'' میں ہے) اس دن سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا کہ اکسال کی صورت میں غسل واجب ہے، اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہا۔

نوٹ :...... اکسال: باب افعال کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں: سست کرنا یعنی جماع شروع کرنے کے بعد کسی وجہ سے عضو میں فتور آجائے اور آدمی انزال کے بغیر جماع چھوڑ دے۔

اور کبھی تقدیم و تاخیر کی تعیین میں مجتہدین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہو جاتا ہے، جیسے رفع یدین اور ترک رفع کی روایات، یعنی رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین مسنون ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اعلی درجہ کی صحیح روایتیں موجود ہیں کہ نبی پاک ﷺ ان دونوں موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے، اور پانچ روایتیں ایسی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پوری نماز میں کہیں بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے اختلاف چلا آرہا تھا، وہی اختلاف جب ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے دور تک پہنچا تو امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ رفع کی روایتیں دور اول کی ہیں اور ترک کی بعد کی، اور قرینہ یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم نے جب آپ ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہوئے تو انہوں نے رفع

یدین نہیں کیا، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سترہ نمازیں آپ ﷺ کی حیات میں پڑھائی ہیں، پس کیا یہ ممکن ہے کہ آنحضور ﷺ کا آخری عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے مصلے پر کھڑے ہوتے ہی موقوف کردیں؟ یہ بات ممکن نہیں۔

پس چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کا رفع یدین نہ کرنا دلیل ہے کہ رفع کی روایتیں دور اول کی ہیں اور ترک رفع کی روایتیں بعد کی، اس لئے رفع کی روایتیں منسوخ ہیں اور ترک رفع کی روایتیں ناسخ، اور ناسخ روایتیں ہی سنت اور معمول بہا ہوتی ہیں۔ (تحفۃ القاری ص ۵۵ ج ۱)

دوسری قسم: خصوصیت اور اس کی پانچ مثالیں

صدیق اکبر کا آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور صحابہ کا صدیق کی اقتدا کرنا خصوصیت ہے سنت نہیں

پہلی مثال:...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کی، یہ خصوصیت ہے سنت نہیں۔ (تفصیل صفحہ نمبر: ۴۶ / پر گذر چکی)

آپ ﷺ کا صوم وصال رکھنا خصوصیت ہے، سنت نہیں

دوسری مثال:...... صوم وصال سے آپ ﷺ نے منع فرمایا، حالانکہ آپ ﷺ اس طرح کے روزے رکھے ہیں، (ترمذی، باب ما جاء فی کراهية الوصال فی الصيام، کتاب الصوم) مگر یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

صوم وصال:...... یہ ہے کہ دو یا زیادہ دنوں کا مسلسل روزہ رکھا جائے، رات میں بھی افطار نہ کیا جائے، نبی ﷺ ایسا روزہ رکھتے تھے، آپ ﷺ کا عمل دیکھ کر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم

نے بھی صوم وصال رکھا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ص۱۵۲ ج۳)

ہر حالت میں قربانی کا وجوب حضور ﷺ کی خصوصیت ہے

تیسری مثال:......قربانی امیر پر واجب ہے غریب پر نہیں، حضور اکرم ﷺ پر ہر حالت میں قربانی ضروری تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مجھ پر (ہر حالت میں) قربانی فرض کی گئی ہے (خواہ میں مالی استطاعت رکھوں یا نہ رکھوں) جبکہ تمہارے اوپر اس طرح فرض نہیں ہے (بلکہ ایسی حالت میں فرض ہے جب تم مالی استطاعت رکھو۔ نیز مجھ کو چاشت کی نماز کا حکم (وجوب کے طور پر) دیا گیا ہے، جبکہ تمہیں نہیں دیا گیا ہے (بلکہ اس نماز کو تمہارے لئے صرف سنت قرار دیا گیا ہے)

(رواہ دار قطنی، مشکوۃ، باب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ مظاہر حق ص۳۳۴ ج۵)

نو ماہ کے بکرے کی قربانی کا جائز ہونا خصوصیت ہے سنت نہیں

چوتھی مثال:......حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے ماموں حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کے لئے نو ماہ کے بکرے کی قربانی کی آپ ﷺ نے اجازت دی، یہ ان کی خصوصیت تھی، حدیث ہے مگر سنت نہیں۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ نے عید قربان میں نماز کے بعد خطبہ دیا، پس فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی یعنی عید کے بعد قربانی کی تو اس کی قربانی درست ہوئی، اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو اس نے نماز سے پہلے قربانی کی اور اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ پس حضرت براء رضی اللہ عنہ کے ماموں ابو بردہ

بن نیار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنی بکری نماز سے پہلے ذبح کرلی اور میں نے خیال کیا کہ آج کھانے پینے کا دن ہے اور میں نے پسند کیا کہ میری بکری میرے گھر میں ذبح کی جانے والی پہلی بکری ہو، (ایک روایت میں ہے کہ: انہوں نے اپنے پڑوسیوں کا بھی تذکرہ کیا، کہ وہ غریب لوگ ہیں، ان میں قربانی کی استطاعت نہیں، اس لئے میں نے خیال کیا کہ جلدی قربانی کرکے ان کو گوشت پہنچاؤں تاکہ وہ بھی رغبت سے کھائیں) پس میں نے اپنی بکری ذبح کرلی اور نماز میں آنے سے پہلے کھا بھی لی، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری بکری گوشت کی بکری ہے، یعنی تمہاری قربانی نہیں ہوئی، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس ایک عَناق (ایک سال سے کم عمر کی بکری) ہے جو مجھے دو بکریوں سے زیادہ پسند ہے، پس کیا وہ میری طرف سے قربانی میں کافی ہوجائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، لیکن آپ کے بعد کسی کی طرف سے کافی نہیں ہوگی۔

(بخاری شریف، باب الاکل یوم النحر، کتاب العیدین۔تحفۃ القاری ص۴ ۲۸ ج ۳)

آپ ﷺ کا چار سے زائد نکاح فرمانا خصوصیت ہے، سنت نہیں

پانچویں مثال:...... آپ ﷺ نے چار سے زائد نکاح فرمائے، ان کا ذکر حدیث میں ہے، مگر یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، اس لئے سنت نہیں، حدیث ہے۔

حضرت عطاء رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ: ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: آپ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں، جب تم ان کی میت اٹھاؤ تو زور زور سے حرکت نہ دینا بلکہ آہستہ آہستہ نرمی کے ساتھ جنازہ کو لے کر چلنا، نبی کریم ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں۔ (بخاری شریف، باب کثرۃ النساء، کتاب النکاح۔تفہیم الباری ص۴۲ ج ۳)

اور حدیث شریف میں ہے کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے نہ اپنا نہ اپنی کسی بیٹی کا اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبرئیل امین (علیہ السلام) اللہ عزوجل کے پاس سے وحی لے کر میرے پاس نہیں آگئے۔ (عیون الاثر ص۳۰۰ ج ۲، سیرۃ المصطفی ﷺ ص۲۸۲ ج ۳)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا اَحۡلَلۡنَا لَکَ اَزۡوَاجَکَ الّٰتِیۡۤ اٰتَیۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ﴾ یعنی ہم نے حلال کردیا آپ ﷺ کے لئے آپ کی سب موجودہ ازواج کو جن کے مہر آپ نے ادا کردیئے ہیں۔ یہ حکم بظاہر سبھی مسلمانوں کے لئے عام ہے، مگر اس میں وجہ خصوصیت یہ ہے کہ نزول آیت کے وقت آپ ﷺ کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں موجود تھیں، اور عام مسلمانوں کے لئے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں، تو یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنا آپ ﷺ کے لئے حلال کردیا گیا۔ (معارف القرآن ص۱۸۶ ج ۷، سورۂ احزاب، آیت نمبر: ۵۰)

تیسری قسم: مصلحت اور اس کی دو مثالیں

آپ ﷺ کا کھڑے ہو کر پیشاب فرمانا مصلحتاً تھا

پہلی مثال: ...... آپ ﷺ نے بعض کام مصلحت کے لئے کئے، یہ حدیث ہیں مگر سنت نہیں، جیسے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا، بیان جواز کے لئے یا بیماری کی وجہ سے، یہ مصلحت تھی، عادت شریفہ یہ نہیں تھی۔ (تفصیل صفحہ نمبر: ۳۷ پر گذر چکی)

مغرب سے پہلے نفلیں پڑھنا مصلحتاً تھا، سنت نہیں

دوسری مثال: ...... "بخاری شریف" (کتاب التہجد، باب ۳۵، حدیث نمبر: ۱۱۸۳) میں

حدیث ہے کہ: نبی ﷺ نے فرمایا: ''صَلُّوا قَبْلَ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ ''مغرب سے پہلے نفلیں پڑھو، یہ بات دو مرتبہ فرمائی، پھر تیسری مرتبہ ''لمن شاء '' بڑھایا'' یعنی مغرب سے پہلے کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، راوی عبد اللہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے ''لمن شاء ''اس لئے بڑھایا کہ لوگ سنت نہ سمجھ لیں: ''کَرَاهِيَةَ اَنْ يَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً ''اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ لوگ اس کو سنت بنالیں، اس سے معلوم ہوا کہ حدیث اور سنت میں فرق ہے، اور ارشاد: ''صَلُّوا قَبْلَ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ ''یہ مسئلہ کی وضاحت کے لئے تھا، عصر کے فرضوں کے بعد جو نفلوں کی ممانعت ہے، وہ غروب شمس تک ممتد ہے، سورج چھپتے ہی کراہیت ختم ہو جاتی ہے، اب کوئی نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، مگر اس وقت میں نفلیں پڑھنا سنت نہیں، رمضان میں دس منٹ کے بعد نماز کھڑی ہوتی ہے، پس کوئی کھجور سے افطار کر کے نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، لیکن اس کو سنت نہ بنالیا جائے کہ پورے سال دس منٹ کے بعد مغرب کی نماز کھڑی ہو، مغرب کی نماز میں تعجیل (جلدی کرنا) مطلوب ہے، پس یہ حدیث: صرف حدیث ہے، سنت نہیں۔ نہ نبی ﷺ نے مغرب سے پہلے کبھی نفلیں پڑھی ہیں اور نہ چاروں خلفاء نے۔

(تحفۃ القاری ص ۵۸ ج ۱ و ص ۵۰۴ ج ۳)

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتیں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سنت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کچھ قبائل نے زکوۃ کا انکار کیا، ان کو ''مانعین زکوۃ'' کہتے ہیں۔ مانعین زکوۃ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زکوۃ کا انکار کرتے تھے، بلکہ مانعین زکوۃ کہتے تھے کہ ہم اپنی زکوۃ خود اپنے غریبوں میں تقسیم کریں گے دار الحکومت کو

نہیں بھیجیں گے، یہ حضور ﷺ کی خصوصیت تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان کے ساتھ جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کچھ اور تھی، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ برابر یہی فرماتے رہے کہ: میں ان سے جنگ کروں گا، مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی، وہ لوگ قائل ہو گئے۔

اب مسئلہ طے ہو گیا کہ جو چیزیں شعائر اسلام میں سے ہیں، اگر چہ وہ سنت ہوں، اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت بالاتفاق ان شعائر کو ترک کر دیں تو ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی، اور ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ شعائر اسلام کو قائم کریں۔ مثلاً:

کسی علاقہ کے لوگ طے کرلیں کہ وہ اذان نہیں دیں گے تو اگر چہ اذان دینا سنت ہے، فرض یا واجب نہیں، مگر چونکہ اذان شعائر اسلام میں سے ہے، اس لئے ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی اور ان کو اذان دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

یا کسی علاقہ کے مسلمان طے کرلیں کہ وہ اپنے بچوں کا ختنہ نہیں کرائیں گے تو اگر چہ ختنہ کرانا اصح قول کے مطابق سنت ہے، مگر شعائر اسلام میں سے ہے، اس وجہ سے ان کو ختنہ کرانے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہ سب مسائل حضرت ابوبکرؓ کی سنت سے طے ہوئے۔

دوسری سنت: ......آنحضور ﷺ نے اپنے بعد کوئی خلیفہ نامزد نہیں کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اشارے فرمائے، مگر صراحت نہیں کی، چنانچہ آپ ﷺ کے بعد بالاتفاق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے، لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا، ایک پرچہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھا اور بند کر کے لوگوں کے پاس بھیجا اور اس پر بیعت لی، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا وہ بھی

آپ کی سنت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنتیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنتیں تو بے شمار ہیں، جن کے ذریعہ آپ نے ملک وملت کی تنظیم کی ہے، جیسے باجماعت تراویح کا نظام بنایا۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں باجماعت تراویح کا نظام نہیں تھا، لوگ اپنے طور پر تراویح پڑھتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح چلتا رہا، پھر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح کا نظام بنایا اور ملت کو منظّم کیا۔

اسی طرح ایک مجلس کی اور ایک لفظ کی تین طلاقوں کو تین قرار دیا، اور چور دروازہ بند کردیا، یہ بھی ملت کی تنظیم ہے۔

علاوہ ازیں: عراق جو لڑ کر فتح کیا گیا تھا اس کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم نہیں کیں۔ اور زمیوں پر جزیہ کی شرح مقرر کی۔ یہ سب باتیں ملک کی تنظیم ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سنت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو زبردست کام کئے ہیں: ایک جمعہ کی پہلی اذان بڑھائی، دوسرا: قرآن کو سرکاری ریکارڈ سے نکال کر لوگوں کو سونپ دیا اور امت کو لغت قریش پر جمع کیا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے! ''تحفۃ القاری'' ص۶۲ ج۱/ اور ''تحفۃ الالمعی'' ص۶۱ ج۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں میں جنگیں شروع ہوئیں، پہلی جنگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی، اس جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج

ہاری، اور مال غنیمت اکٹھا ہوا، اور قیدی بھی پکڑے گئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی قیدیوں میں تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے مال غنیمت کی تقسیم کا مطالبہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقریر کی کہ: اگر مال غنیمت تقسیم ہوگا تو قیدی بھی غلام' باندی بنائے جائیں گے، پس تم میں سے کون منحوس ہے جو اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی باندی بنائے گا؟ بس سناٹا چھا گیا اور مسئلہ طے ہوگیا کہ اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو نہ مال: مال غنیمت ہوگا اور نہ قیدی غلام' باندی بنائے جائیں گے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

سوال:...... حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کیوں ضروری ہے؟ وہ تو اللہ کے رسول نہیں؟

جواب:...... نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ان کی پیروی دو وجہ سے ضروری ہے، ایک: وہ راشد ہوں گے۔ راشد کے معنی ہیں: راہ یاب۔ دوم: وہ مہدی ہوں گے۔ مہدی کے معنی ہیں: ہدایت مآب، یعنی ہدایت ان کی گھٹی میں پڑی ہوگی، آنحضور ﷺ نے یہ دو سندیں ان کو عطا فرمائی ہیں، اس لئے ان کی بات ماننی ضروری ہے۔ اور ائمہ کی تقلید بھی اسی بنیاد پر کی جاتی ہے کہ وہ پورے دین کے جاننے والے ہیں، انہوں نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہی، انہوں نے جو کچھ کہا وہ قرآن وحدیث سے سمجھ کر کہا ہے۔

بہر حال خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی اس لئے کرنی ہے کہ وہ راہ یاب' ہدایت مآب ہوں گے، پھر حضور ﷺ نے تاکید فرمائی: ''تمسّکوا بھا'' مفرد کی ضمیر لائے ہیں، تثنیہ کی ضمیر نہیں لائے، کیونکہ حضور ﷺ کی سنت کو مضبوط پکڑنے میں تو کسی مسلمان کو تردد نہیں ہوسکتا، ہاں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتوں کی پیروی میں اشکال ہوسکتا ہے،

اس لئے حضور ﷺ نے تاکید فرمائی: ’’تمسّکوا بھا‘‘ اور ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے، یعنی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتوں کو مضبوط پکڑو، پھر مزید تاکید فرمائی: ’’وعضّوا علیھا بالنّواجذ‘‘ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتوں کو ڈاڑھوں سے مظبوط پکڑو، ہاتھوں ہی سے نہیں، ڈاڑھوں سے مظبوط پکڑو۔ (تحفۃ القاری از ص ۶۰ تا ۶۵)

تتمہ

نوٹ: ......رسالہ کی تکمیل کے بعد چند باتیں نظر سے گذریں تو ’’تتمہ‘‘ کے عنوان سے ان کا اضافہ مناسب سمجھا گیا۔ مرغوب احمد

سنت پر عمل کرنے والا ہدایت یافتہ ہے

عن ابن مسعود رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اِنَّ لِکُلِّ عَمَلٍ شِرَّةً ، وَلِکُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً ، فَمَنْ کَانَتْ فَتْرَتُهُ اِلٰی سُنَّتِیْ فَقَدِ اهْتَدٰی ، وَمَنْ کَانَتْ اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ فَقَدْ هَلَکَ۔

(فیض القدیر شرح جامع الصغیر ص۶۵۱ ج۲ ، رقم الحدیث: ۲۴۲۶۔ رواہ ابن حبان ص۴۴، مقدمہ، رقم الحدیث:۱۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: ہر عمل کے لئے ایک قوت و ہمت ہوتی ہے، اور ہر ہمت کے لئے ایک کمزوری ہوتی ہے، پس جس کی کمزوری سنت کی طرف ہو (یعنی کمزوری کے باوجود سنت پر عمل کرتا رہتا ہو اور سنت کو نہ چھوڑتا ہو) تو وہ ہدایت پا گیا، اور جس کی کمزوری سنت کی طرف نہ ہو (یعنی کمزوری کی وجہ سے سنت کو چھوڑ دے) تو وہ ہلاک ہو گیا۔

سنت کو لازم پکڑو تمہاری حکومت قائم رہے گی

کتب عمر رضی الله عنه : الی ابی موسی رضی الله عنه :" لا تشتغلوا بالبناء ، قد کان لکم فی بناء فارس و الرّوم کفایة ، الزموا السنة تبقی لکم الدولة "۔

(فیض القدیر شرح جامع الصغیر ص۲۰ج۵ ، تحت رقم الحدیث:۶۲۸۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو جو (یمن کے گورنر تھے) لکھا کہ: تعمیرات میں اپنے کو مشغول نہ کرو، فارس اور روم کی عمارتوں میں تمہارے لئے کافی عبرت ہے، سنت کو لازم پکڑو تمہاری حکومت قائم رہے گی۔

سنت کا مفہوم

شریعت میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے: اللہ کے رسول ﷺ کا وہ عمل جس پر آنحضور ﷺ سے مواظبت یا کم از کم اکثر اوقات میں اس کا کرنا ثابت ہو، اور بعد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو اپنا معمول بنایا ہو، کبھی کبھار یا اتفاقیہ طور پر آپ ﷺ نے اگر کسی کام کو کیا ہے تو اس عمل کو سنت نہیں کہا جاتا۔ اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پیشاب کیا ہے........ مگر کوئی عاقل مسلمان کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو سنت نہیں کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ کی حالت میں بعض ازواج کو بوسہ لیا....... مگر کسی عاقل سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ روزہ کی حالت میں بیوی کے بوسہ لینے کو سنت کہے گا۔ کبھی کسی عارض کی وجہ سے یا بیان جواز کے لئے آپ ﷺ کوئی کام کرتے تھے، اس کو شرعی سنت نہیں کہا جاتا۔ (دوماہی ''زمزم'' رمضان وشوال ۱۴۲۰ھ، ص۶۴)

حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازیپوری رحمہ اللہ سنت کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے

تحریر فرماتے ہیں:

سنت صرف رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نہیں بلکہ آپ ﷺ نے خلفائے راشدین کے طور طریق کو بھی سنت فرمایا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام سنت کی تعریف میں خلفائے راشدین کے طور طریق کو بھی داخل کرتے ہیں۔ حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والسنة هی الطریق المسلوک فیشمل ذلک التمسک بما کان علیه هو و خلفائه الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه السنة الکاملة"

(جامع العلوم والحکم ص١٩١ ج١)

یعنی سنت اس راہ کا نام ہے جس پر چلا جائے تو جو اعتقادات و اعمال اور اقوال اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین کے تھے ان سب کو مضبوطی سے تھام لینا یہ سب سنت میں شامل ہوگا، اور کمال سنت کا مفہوم یہی ہے۔

اگر خلفائے راشدین نے کوئی ایسا کام کیا ہو جس کا وجود آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں تھا تو مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ بھی سنت متبعہ ہے، یعنی اس طریقہ کی بھی پیروی کی جائے گی اور اس کا نام بھی سنت ہوگا۔ "فتح الباری" میں ہے:

"فان کان من الخلفاء الراشدین فهو سنة متبعة"۔ (ص٤٤٠ ج٢)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ما جاء عن الخلفاء الراشدین فهو من السنة"۔ (ص٢٩١ ج٢، ایضا)

غرض خلفائے راشدین کا قول و عمل مستقل سنت ہے۔ اور اہل سنت وہی قرار پائے گا جو کامل سنت پر عمل پیرا ہو، یعنی آنحضور اکرم ﷺ کی سنتوں کے ساتھ خلفائے راشدین

کی بھی سنت پر عمل کرنے والا ہو۔ (ارمغان حق، ص ٣٥ ج ١)

مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

لفظ سنت کا استعمال

حدیث اپنے عمل کے پہلو سے سنت کہلاتی ہے..... سنت کے لفظی معنی ''راہ عمل'' کے ہیں۔ اسے واضحہ (شاہراہ) کہا گیا ہے۔

''ایھا الناس قد سنت لکم السنن و فرضت لکم الفرائض وترکتم علی الواضحۃ''۔ (مؤطا امام مالک ص ٣٤٩، کتاب الحدود)

حضور ﷺ کی زبان مبارک سے

جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔ (صحیح بخاری ص ٢ ج ٧)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے طریق کو سنت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے، اور یہ بھی بتلایا کہ سنت اس لئے ہے کہ امت کے لئے نمونہ ہو اور وہ اسے سند سمجھیں، جو آپ ﷺ کے طریقے سے منہ پھیرے اور اسے اپنے لئے سند نہ سمجھے وہ آپ ﷺ کی جماعت میں سے نہیں ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے کسی کو حضرت عثمان بن مطعون رضی اللہ عنہ کے بلانے کے لئے بھیجا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے کہا: اے عثمان! کیا تم میری سنت سے ہٹنا چاہتے ہو؟ انہوں کہا: نہیں خدا کی قسم اے اللہ کے رسول، بلکہ میں آپ کی سنت کا طلب گار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لئے جاگتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور انہیں چھوڑتا بھی ہوں۔ (سنن ابوداؤد ص ٥١٣ ج ١)

حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد چھوڑ دی گئی ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی ہو، اور جس نے کوئی غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی موجود نہیں تو اسے تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے بوجھ میں کوئی کمی آئے۔ (ھذا حدیث حسن، جامع ترمذی ص٩٢ ج٢)

اس حدیث میں دین کی فروعی باتوں کو بھی سنت کہا ہے، اور انہیں زندہ رکھنے کی تقلین کی ہے۔

ناممکن ہے کہ کل مسلمان کسی سنت سے ناآشنا رہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نعلم ان المسلمین کلھم لا یجھلون السنة"۔ (کتاب الام ص٢٦٥ ج٧)

ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ سارے کے سارے مسلمان کبھی بھی سنت سے ناآشنا نہیں رہ سکتے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے بعد تم بہت سے اختلافات دیکھو گے اور لوگ نئی نئی باتیں نکالیں گے، تم میں سے جو ان حالات کو پائے اسے چاہئے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کو لازم پکڑے۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی صرف ان کی خلافت کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ان کے تعلق بالرسالۃ کی اساس پر تھی، ان کے اعمال اور فیصلوں میں حضور اکرم ﷺ کی تعلیم کی ہی جھلک اور آپ ﷺ کی بعض مجمل ہدایات کی ہی تفصیل اور تعمیل تھی۔

سوا آنحضرت ﷺ نے لفظ سنت کے اس استعمال کو صرف خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے لئے ہی خاص نہیں رکھا، اسے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف بھی نسبت فرمایا۔

سنت کی نسبت دوسرے صحابہ کی طرف

آپ ﷺ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کی اطلاع ملی، آپ ﷺ نے اسے ان الفاظ میں پروانۂ منظوری دیا:

''ان ابن مسعود سن لکم سنة فاستنوا بها''

بیشک ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تمہارے لئے ایک سنت قائم کی ہے تم اس پر چلو۔ (المصنف لعبدالرزاق ص ۲۲۹ ج ۲)

ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کے بارے میں فرمایا:

''ان معاذا سن لکم سنة کذلک فافعلوا''۔ (سنن ابی داؤد ص ۷۴ ج ۱)

بے شک معاذ رضی اللہ عنہ نے تمہارے لئے ایک سنت قائم کر دی ہے، اسی طرح تم اس پر عمل کرو۔

لفظ سنت کا استعمال صحابہ کی زبان سے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:

''ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا المتخلف لترکتم سنة نبیکم، ولو ترکتم سنة نبیکم لضلتم''۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)

اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو جیسا کہ یہ پیچھے رہ جانے والا کر رہا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے، اور تم نے اپنے نبی کی سنت چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

حصین بن المنذر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جب ولید کو حد مارنے کے لئے حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو میں وہاں موجود تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں، انہوں نے اپنی بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: وہ کوڑے لگائیں، انہوں نے عذر کیا تو پھر آپ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: وہ ولید پر حد جاری کریں، حضرت عبدللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گنتے جاتے تھے، جب چالیس ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس یہیں تک'' اور فرمایا:

''جلد النبی صلی الله علیه وسلم اربعین وابو بکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنة''

آنحضرت ﷺ نے (شراب پینے والے پر) چالیس کوڑوں کا حکم فرمایا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی چالیس کوڑوں کا ہی حکم دیتے رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑوں کا حکم دیا، اوران میں سے ہر ایک حکم سنت شمار ہوگا۔ (صحیح مسلم ص۷۲ ج۲)

سنت اور حدیث میں فرق

سنت کا لفظ عمل متوارث پر آتا ہے اس میں نسخ کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔ حدیث کبھی ناسخ ہوتی ہے کبھی منسوخ، مگر سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی، سنت ہے ہی وہ جس میں توارث ہو اور تسلسل تعامل ہو۔...... حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے کبھی صحیح، یہ صحت وضعف کا فرق ایک علمی مرتبہ ہے، ایک علمی درجے کی بات ہے، بخلاف سنت کے کہ اس میں ہمیشہ عمل نمایاں رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے مسلک کے لحاظ سے اپنی نسبت ہمیشہ سنت کی طرف کی ہے اور اہل سنت کہلاتے ہیں۔ حدیث کی طرف نسبت ہوئی اس سے ان کا محض ایک علمی تعارف ہوتا رہا ہے اور اس سے مراد محدثین سمجھے گئے ہیں۔ مسلکا اہلسنت شمار ہوتے ہیں۔ (آثار الحدیث ص٦٢ ج١)

مراجع

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	قرآن کریم..................	
۲	معارف القرآن.............	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ..........
۳	بخاری شریف............	امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ
۴	ترمذی شریف............	امام محمد بن عیسی بن سورۃ ترمذی رحمہ اللہ............
۵	مشکوۃ شریف............	شیخ ابوعبداللہ محمد ولی الدین خطیب عمری طبریزی رحمہ اللہ
۶	تحفۃ القاری...............	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم
۷	تفہیم البخاری.............	حضرت مولانا ظہور الباری اعظمی مدظلہم.............
۸	تحفۃ الالمعی..............	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم
۹	الرفیق الفصیح..............	حضرت مولانا مفتی فاروق صاحب میرٹھی مدظلہم....
۱۰	الشفا بتعریف حقوق المصطفی.	شیخ القاضی عیاض ابوالفضل عیاض بن موسی رحمہ اللہ.
۱۱	آثار الحدیث.............	حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہم...
۱۲	سیرۃ المصطفی ﷺ..........	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ
۱۳	حدیث اور سنت کا فرق.....	حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ
۱۴	علمی خطبات..............	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم
۱۵	رسالہ دوماہی ’’زمزم‘‘.......	حضرت مولانا ابوبکر صاحب غازیپوری رحمہ اللہ....
۱۶	فیروز اللغات.............	حضرت مولانا فیروز الدین صاحب رحمہ اللہ.......

بحث ونظر بر نقد ونظر

راقم کے رسالہ ''حدیث وسنت میں فرق'' کی طباعت کے بعد دار العلوم دیو بند کے استاذ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مد ظلہم نے ''نقد ونظر'' کے نام سے اس کا ردلکھا، اس کے جواب میں یہ عریضہ (جو بعد میں رسالہ کی شکل میں مرتب کیا گیا) لکھا گیا۔اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ سنت و حدیث میں فرق ہے،اوراس فرق کا انکارنہیں کیاجاسکتا۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

عرض مرتب

راقم الحروف نے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم اور حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کے افادات کو سامنے رکھ کر ایک رسالہ ''حدیث اور سنت میں فرق'' ترتیب دیا تھا، جس میں اس بات کو مثالوں سے واضح کیا گیا تھا کہ حدیث اور سنت میں فرق ہے، اور اس فرق کو نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے ایک طبقہ غلط فہمی کا شکار ہوا، اگر ان کے سامنے یہ فرق آجائے تو امید ہے کہ وہ اپنے مسلک پر نظر ثانی کرے۔

وہ رسالہ جب شائع ہوا تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہم (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند) نے اس کا رد بنام ''نقد ونظر'' تحریر فرمایا۔ مجھے نہ اپنے رسالہ کی طباعت کا علم ہوا اور نہ اس کے رد کا۔ اچانک ایک دن حضرت مولانا سلیم دھورات صاحب مدظلہم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے یہ رسالہ دکھایا اور فرمایا: اسے دیکھا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا، تو انہوں نے فرمایا کہ: یہ تیرے رسالہ کے رد میں ہے، اور مرتب مدظلہم نے میرے اور تیرے لئے ایک ایک نسخہ ہدیۃً ارسال فرمایا ہے۔ راقم نے اسے پڑھا تو بعض وجوہ سے یہ خیال آیا کہ اس پر کچھ بھی نہ لکھا جائے اور نہ ان کو کوئی جواب دیا جائے، مگر کچھ دوستوں کا کہنا تھا کہ: ایک مرتبہ موصوف کی خدمت میں جواب دینا چاہئے، اس لئے راقم نے بڑے ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں چند گذارشات ایک عریضہ میں لکھ دیں، اب اسی عریضہ کو رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالی اس رسالہ کو قبول فرمائے، اور غلط فہمیوں کو دور فرمائے، اور ہم سب کو حق کی اتباع اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور نفسانی خواہش اور عصبیت کے مہلک مرض سے بچا کر اسلامی اخوت اور اتحاد کی دولت سے مالا مال فرمائے، آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

از: مرغوب احمد لاجپوری، ڈیوز بری

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمة الله و برکاته

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میں بھی اللہ تعالی کے فضل وکرم سے خیریت سے ہوں اورآپ کی خیرو عافیت کا بارگاہ ایزدی میں خواہاں ہوں۔غرض تحریر اینکہ آنجناب کا رسالہ ''نقد ونظر'' موصول ہوا۔اس میں راقم کے رسالہ'' حدیث وسنت میں فرق'' کا رد ہے۔ مطالعہ کے بعد جو باتیں ذہن میں آئیں ان میں چند باتوں پر اظہار خیال ضروری سمجھتا ہوں:

(۱)......حضرت ! میرا علمی حدود اربعہ کچھ نہیں، ایک طفل مکتب ہوں، البتہ اپنے اکابر کی کتابوں کے مطالعہ کا کچھ شوق وذوق ضرور رکھتا ہوں۔

کیا کسی کے رد میں فوراً رسالہ شائع کردینا مناسب ہے؟

(۲)......حضرت ! میں بھی مسلک دیوبند ہی کا ایک ادنی فرد ہوں،اس لئے آپ کو اگر میری کسی بات میں کوئی فروگذاشت نظر آئی تو مناسب تھا کہ اولاً آپ مجھ سے براہ راست خط و کتابت فرماتے اور اپنے دلائل اور میرے نظریات پر جو اشکالات ہوتے ان کو تحریر فرمادیتے تاکہ میں خود ان کو پڑھ کر قابل اصلاح سمجھتا تو خود ہی رجوع کرکے مسئلہ کی وضاحت کردیتا۔ آپ نے بجائے اس کے رسالہ ہی شائع کردیا اور مجھے آپ کے اشکالات کو پڑھنے اور غور کرنے کا موقع نہیں دیا، میں اسے حضرت والا کا تسامح سمجھتا ہوں،

(٣)......آپ کی تحریر کا انداز ایسا لگا جیسے آپ کسی فرق باطلہ کے نظریات کے حامل سے مخاطب ہو رہے ہیں، میں نے دو بزرگوں کی تحقیق کے سلسلہ میں چند باتیں جمع کی تھیں، آپ کو اگر اس کا رد بھی کرنا تھا تو کم از کم یہ تو خیال فرماتے کہ میں اپنے ہی ہم مسلک کا جواب لکھ رہا ہوں۔

ہم مسلک اور گمراہوں کے رد میں فرق نہیں ہونا چاہئے؟

(۴)......کسی کا رد اگر آپ ایسے جملوں سے کریں، جن میں طنز آمیز جملے، اور مزاحیہ کلمات اور اس کی تحقیر پر مشتمل الفاظ اور موقع کی مناسبت سے اشعار وغیرہ ہوں تو وہ تحریر بجائے اصلاح کے ضد پیدا کرنے کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔

(۵)......حضرت والا! آپ تو دار العلوم جیسے ادارے کے استاذ حدیث ہیں، آپ کے قلم میں احتیاط کا پہلو از حد ہونا چاہئے۔

(٦)......انشاء اللہ میں پوری کوشش کروں گا کہ عریضہ میں آپ کے ادب و مرتبہ کا پورا پاس ولحاظ رکھوں، اللہ تعالی مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(٧)......مخالف کا رد بھی اس طریقہ سے کیا جانا چاہئے کہ وہ اپنی غلطی پر خالی الذہن ہو کر سوچنے پر مجبور ہو، نہ کہ جواب دہی اور جواب علی الجواب پر اتر آئے۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا قادیانیت کے رد میں بھی ناصحانہ طرز

(٨)......حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے رد قادیانیت پر اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''ختم نبوت''، تحریر فرمائی، اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس مرتبہ اہتمام کیا گیا کہ مناظرانہ عنوان چھوڑ کر ناصحانہ عنوان اختیار کیا گیا، تاکہ وہ لوگ جو کسی شبہ میں مبتلا ہو کر اس مسئلہ میں غلطی کا شکار ہوئے ہیں دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکیں،

اوران کے احساسات مجروح نہ ہوں، شاید اللہ تعالی اس کو ان کے لئے بھی ذریعۂ ہدایت بنادیں''۔

غور کرنے کا موقع ہے کہ قادیانی تک کو کس انداز سے حضرت نے مخاطب ہونے کی تصریح فرمائی ہے، ہم اپنوں سے اختلاف میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

(۹)......حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم (شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) اور مناظر اسلام حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی تحریر وتقریر سے میں نے جو سمجھا اس کو مثالوں سے واضح کر کے یہ رسالہ ترتیب دیا۔اور میں ابھی بھی اس رسالہ کے مضامین کو صحیح اور درست سمجھتا ہوں۔

حدیث اور سنت میں فرق نہ ہو تو کیا ان احادیث پر عمل کیا جائے گا؟

(۱۰)......حضرت! آپ بتلائے کہ حدیث اور سنت میں فرق نہ ہو تو کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جیسے حدیث ہے سنت بھی ہوگا؟ سنت پر تو عمل کی ترغیب دی جائے گی اور ترک سنت پر سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، تو کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ترغیب دی جائے گی؟ اور کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرنے پر وعید ہوگی؟ اور کیا وضو کے بعد بیوی کا بوسہ لینا حدیث ہے تو کیا سنت بھی ہے؟ اور اس پر عمل کی ترغیب دی جائے گی؟ اور روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا حدیث ہے، تو کیا سنت بھی کہا جائے گا؟ اور اس کی ترغیب دی جائے گی؟ اور جوتا پہن کر نماز پڑھنا حدیث ہے تو کیا سنت بھی ہوگا؟ اور اس پر عمل کی ترغیب دی جائے گی؟ اور آپ ﷺ نے منبر پر نماز پڑھی یہ حدیث ہے، تو کیا اسے سنت بھی کہا جائے گا؟ اور اس پر عمل کی ترغیب بھی دی جائے گی؟ اور آپ ﷺ نے بچّی کو اٹھا کر نماز پڑھی، یہ حدیث ہے، تو کیا اسے سنت بھی کہا جائے گا؟ اور اس پر عمل کی ترغیب بھی دی جائے

گی؟ایک کپڑے میں نماز پڑھنا حدیث میں آیا ہے،تو کیا اسے سنت بھی کہا جائے گا؟اور اس پر عمل کی ترغیب دی جائے گی؟اور آپ ﷺ نے عیدگاہ میں قربانی فرمائی، یہ حدیث ہے،تو کیا اسے سنت بھی کہا جائے گا؟اوراس پر عمل کی ترغیب دی جائے گی؟

کھڑے ہوکر پانی پینا حدیث ہے' سنت نہیں

آپ ﷺ نے کھڑے ہوکر پانی نوش فرمایا۔

(بخاری، باب الشرب قائما ، کتاب الاشربة ، رقم الحدیث:۵۲۲۹/۵۲۹۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے : کنّا نأکل علی عھد رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن نمشی ' ونشرب ونحن قیام۔

(ترمذی،باب ما جاء فی النھی عن الشرب قائما ، کتاب الاشربة ، رقم الحدیث:۱۸۸۰)

عمرو بن شعیب عن جدہ رضی اللہ عنہم کی حدیث میں ہے : رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یشرب قائما و قاعدا۔

(ترمذی، باب ما جاء فی الرخصة فی الشرب قائما ، کتاب الاشربة ، رقم الحدیث:۱۸۸۳)

اس کے برخلاف کئی روایات میں کھڑے ہوکر پانی پینے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے : ان النبی صلی الله علیه وسلم زجر عن الشرب قائما ۔اوردوسرے طریق میں الفاظ یہ ہیں:'' نھی ان یشرب الرجل قائما''۔(مسلم، باب کراھیة الشرب قائما ، کتاب الاطعمة ، رقم الحدیث:۲۰۲۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : لا یشربنّ احد منکم قائما فمن نسی فلیستقیء۔

(مسلم، باب کراھیة الشرب قائما ، کتاب الاشربة ، رقم الحدیث:۲۰۲۶)

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الشرب قائما۔

(ترمذی، باب ما جاء فی النھی عن الشرب قائما ، کتاب الاشربۃ ، رقم الحدیث:۱۸۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ: آپ ﷺ نے ایک آدمی کو کھڑے ہوکر پانی پیتے دیکھا تو فرمایا: قے کرلو، انہوں نے وجہ پوچھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو یہ پسند ہے کہ بلی تمہارے ساتھ پانی پیئے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: قد شرب معک من ھو اشر منہ الشیطان۔

(مسند احمد بن حنبل ص۳۰۱ ج۲، رقم الحدیث:۸۰۰۳)

جب کسی امر کے متعلق احادیث متعارض ہوجائیں تو اس میں عموماً تین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں: نسخ، ترجیح اور تطبیق، حضرات محدثین نے ان احادیث میں بھی یہی تین باتیں کہی ہیں:

(۱)...... چنانچہ ابو بکر اثرم رحمہ اللہ نے احادیث جواز کو احادیث نہی پر ترجیح دی ہے، اور کہا ہے کہ: احادیث جواز احادیث نہی کے مقابلے میں اقوی اور اثبت ہیں۔

(فتح الباری ص۱۰۳ ج۱۰)

(۲)......احادیث نہی، احادیث جواز سے منسوخ ہوگئی ہیں، یعنی پہلے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت تھی، لیکن بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہوگئی: ”فکان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشرب قائما، کما شرب فی حجۃ الوداع“۔

(فتح الباری ص۱۰۴ ج۱۰۔ عون المعبود ص۱۸۱ ج۱۰، باب فی الشرب قائما ، کتاب الاشربۃ)

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کے بالکل برعکس مسلک اختیار کیا ہے، اور کہا ہے کہ: احادیث جواز احادیث نہی سے منسوخ ہیں، یعنی پہلے اجازت تھی، پھر وہ اجازت منسوخ

ہوگئی۔(فتح الباری ص۱۰۴ ج۱۰،عمدۃ القاری ص۱۹۳ ج۲۱۔بذل المجہود ص۵۰ ج۱۶)

(۳)......اکثر علماء نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دی ہے،اور یہ تطبیق دوطرح سے دی گئی ہے:

(الف)......ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ: احادیث نہی سے تنزیہی مراد ہے' جو جواز کے منافی نہیں، یعنی کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، تاہم دوسری احادیث کی وجہ سے اس کا جواز ہے۔

(ب)......امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: احادیث نہی ضرر اور احادیث جواز اباحت شرعیہ پر محمول ہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ ''رد المحتار'' میں فرماتے ہیں:

''وجنح الطحاوی الی انه لا بأس به ، وان النهی لخوف الضرر لاغیر''۔

(رد المحتار ص۹۶ ج۱، مطلب : فی مباحث الشرب قائما ، کتاب الطهارة)

یعنی بسا اوقات کھڑے ہوکر پانی پینا مضر صحت ہوتا ہے، اس لئے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا، فهو امر ارشادی طبی لا شرعی۔(الابواب والتراجم ص۹۷ ج۲)

یہ تمام اختلافات کھڑے ہوکر پانی پینے کے جواز اور عدم جواز میں ہیں۔ باقی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیٹھ کر پانی پینا افضل ہے، اور حضور اکرم ﷺ کا طریقۂ معتاد بیٹھ کر ہی پانی پینے کا تھا۔''قال ابن القیم رحمه الله : فی زاد المعاد : وکان من هدیه صلی الله علیه وسلم ، و هذا کان هدیه المعتاد''۔

(زاد المعاد ص۲۲۹ ج۴۔کشف الباری ص۴۲۹، کتاب الاشربة)

وضو میں اعضاء کو ایک بار دھونا' دو بار دھونا حدیث ہے سنت نہیں

حدیث شریف میں ہے کہ: آپ ﷺ نے وضو میں اعضاء کو ایک بار دھویا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال : توضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ مرۃ۔

(بخاری، باب الوضوء مرۃ مرۃ ، کتاب الوضوء ، رقم الحدیث:۱۵۷)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ: آپ ﷺ نے وضوء میں اعضاء کو دو دو بار دھویا۔

عن عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضا مرتین مرتین۔(بخاری، باب الوضوء مرتین مرتین ، کتاب الوضوء ، رقم الحدیث:۱۵۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں آپ ﷺ کا اعضاء وضو کو تین تین بار دھونا آیا ہے۔(بخاری، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ، کتاب الوضوء ، رقم الحدیث:۱۵۷)

ان روایات میں تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ بتلانا یہ ہے کہ فرض ایک مرتبہ دھونا ہے اور سنت تین مرتبہ دھونا ہے، اور دو مرتبہ بھی جائز ہے۔(انعام الباری ص ۲۶۸ ج ۲)

اسی طرح جو احادیث منسوخ ہیں مثلاً: ما مست النار سے وضو کرنا، ابتدائے اسلام میں نماز میں بات کرنے کی احادیث، امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں، یہ حدیثیں ہیں، کیا ان کو سنت بھی کہا جائے گا؟ اور ان کو سنت کہہ کر ان پر عمل کی ترغیب دی جائے گی؟

اسی طرح آپ ﷺ کی خصوصیات کی حدیثیں، مثلاً: آپ ﷺ کا مسلسل روزے رکھنا' آپ ﷺ پر ہر حالت میں چاہے مال ہو چاہے نہ ہو' قربانی کا واجب ہونا' حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو نو ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت مرحمت فرمانا' آپ ﷺ کا چار سے زائد نکاح فرمانا وغیرہ حدیثیں ہیں، کیا ان کو سنت بھی کہا جائے گا؟ اور ان کو سنت کہہ کر ان پر عمل کی ترغیب دی جائے گی؟

حضرت! ''بخاری شریف'' کی اس روایت پر بھی نظر ڈالئے گا، جس میں صراحۃً آپ

ﷺ نے دومرتبہ ارشاد فرمایا کہ: ''صلّوا قبل المغرب ''مغرب کی نماز سے پہلے نماز پڑھو، پھر تیسری مرتبہ فرمایا: ''لمن شاء ''جو چاہے، یہ آپ ﷺ نے ''لمن شاء '' کیوں ارشاد فرمایا؟ راوی خود فرماتے ہیں کہ: ''کراھیة ان یتخذھا الناس سنة ''لوگ اس کو سنت نہ بنالیں۔(بخاری، باب الصلاة قبل المغرب ، رقم الحدیث:۱۱۸۳)

یہ روایت وضاحت سے بتارہی ہے کہ حدیث اور سنت میں فرق ہے۔

فجر کی سنت پڑھ کر لیٹنا حدیث ہے، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''سنت نہیں''

حدیث شریف میں صراحت ہے کہ: آپ ﷺ فجر کی سنت پڑھ کر تھوڑی دیر لیٹتے تھے۔مصنف ابن ابی شیبہ'' میں مستقل باب قائم کیا ہے:' باب الاضطجاع بعد رکعتی الفجر' (۳۸۵ ج۴، باب نمبر:۵۲۰) مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''یہ لیٹنا سنت نہیں'' حدیث تو ہے مگر سنت نہیں، کتنی صراحت سے فرماتی ہیں، حدیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱۱)......انّ عائشة رضی اللہ عنھا قالت : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا طلع الفجر یصلّی رکعتین خفیفتین ' ثم یضطجع علی شقه الأیمن' حتی یأتیه المؤذن فیؤذنه بالصلاة ، لم یضطجع لسنة ' ولکنّه کان یدأب لیله فیستروح۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۳ ج۳، باب الضجعة بعد الوتر و باب النافلة من اللیل ، رقم الحدیث: ۴۷۲۲)

ترجمہ:......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آپ ﷺ جب فجر طلوع ہوجاتی تو (سنت فجر کی) ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے، پھر دائیں پہلو پر لیٹتے تھے، یہاں تک کہ مؤذن آتے اور نماز (فجر) کے لئے اذان کہتے ،آپ ﷺ کا یہ لیٹنا (اور سونا) سنت کی وجہ سے

نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ کو رات (میں طویل تہجد اور قیام لیل کی وجہ سے جو) تکان ہوتا تھا (اس کو دور کرنے کی غرض سے تھوڑی دیر) آرام فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حدیث کو سنت سمجھنے پر سخت تنبیہ فرمانا

اور آگے سنئے! ایک قوم نے اس عمل کو حدیث کی وجہ سے سنت سمجھا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ تو بدعت ہے، دیکھئے حدیث کو سنت سمجھا تو کس قدر سخت جملہ ارشاد فرمایا۔

رأى ابن عمر رضى الله عنهما قوماً اضطجعوا بعد ركعتى الفجر' فأرسل اليهم فنهاهم' فقالوا : نريد بذلك السنة ، فقال ابن عمر : ارجع اليهم' فاخبرُهم انّها بدعة۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۸۸ ج ۴، من كرهه ، رقم الحديث: ۶۴۵۵)

ترجمہ:...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک قوم (اور جماعت) کو دیکھا کہ وہ فجر کی سنت پڑھ کر لیٹتی ہے تو آپ نے (ایک صاحب کو) ان کے پاس بھیجا اور منع فرمایا، انہوں نے کہا: ہم تو اس عمل سے سنت کا ارادہ کرتے ہیں (اور سنت سمجھ کر لیٹتے ہیں، انہوں نے حدیث کو سنت سمجھا) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (قاصد سے) فرمایا: (واپس) جاؤ، اور ان کو بتلاؤ کہ: یہ تو بدعت ہے۔

صحیح حدیث ہوتے ہوئے بھی اس کی سنت کا کوئی قائل نہیں

(۱۲)......عن ابى هريرة رضى الله عنه قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسكت بين التكبير وبين القراء ة اسكاتة ، قال احسبه قال هنيئة ، فقلت بابى انت و امى يا رسول الله ! اسكاتك بين التكبير والقراء ة ما تقول ؟ قال : اقول " اللهم باعد بينى و بين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب ، اللهم نقنى من

الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس ، اللھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد ''۔

(بخاری ص۱۰۳ج۱، باب ما یقول بعد التکبیر ، رقم الحدیث:۷۴۴۔مسلم ص۲۱۹ج۱، باب ما یقال بین تکبیرة الاحرام والقراء ة ، رقم الحدیث:۱۳۵۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کی حدیث ہے کہ: آپ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قراءت کے درمیان تھوڑی دیر چپ رہتے تھے ، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! (ﷺ) آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ اس تکبیر اور قراءت کے درمیان کی خاموشی کے دوران کیا پڑھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں پڑھتا ہوں:''اللھم باعد بینی و بین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب ، اللھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس ، اللّھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد ''۔

علامہ حلبی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

''وھو اصح من الکل و متفق علیه ، ومع ذلک انه لم یقل بسنیته عینا احد من الائمة الاربعة''۔(کبیری ص۲۹۵۔تجلیات صفدر ص۲۶ج۳)

یعنی چاروں اماموں میں سے کوئی امام بھی خاص اس دعا کے سنت ہونے کا قائل نہیں اگر چہ سند نہایت صحیح ہے۔

دیکھئے! یہاں حدیث صحیح ہوتے ہوئے بھی اس کی سنیت کا کوئی قائل نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ حدیث اور ہے' سنت اور ہے۔

سنت پر موت وحیات کی دعا منقول ہے' حدیث پر نہیں

(۱۳)...... یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ سنت پر مرنے کی دعا کی گئی ہے، کیا اسلاف میں کسی

سے یہ دعا بھی منقول ہے کہ: اے اللہ! مجھے حدیث پر موت دیجئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ سنت اور حدیث میں فرق ہے۔ اسلاف سے یہ دعا تو منقول ہے کہ: یا اللہ! مجھے خدمت حدیث پر قائم رکھئے اور حدیث کی خدمت ہی پر موت دیجئے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صفا پر یہ دعا فرماتے: ''اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ عَلٰی سُنَّةِ نَبِیِّکَ، وَتَوَفَّنِیْ عَلٰی مِلَّتِہٖ، وَاَعِذْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ''۔ (الدعاء المسنون ص ۴۰۶)

ترجمہ: ...... اے اللہ! مجھے اپنے نبی ﷺ کی سنت پر زندہ رکھئے، اور ان کی ملت پر وفات دیجئے، اور فتنوں کی گمراہی سے اپنی پناہ میں رکھئے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے عبدالرحمٰن! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! آپ کے فضل سے کرتا ہوں، اس کے بعد پھر میں نے کہا: اے رب! مجھے اسلام پر موت نصیب فرما، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وعلی السنة'' اسلام کے ساتھ سنت پر موت آنے کی بھی دعا اور تمنا کرو۔

عن الاوزاعی رحمہ اللہ قال : رأیت رب العزة فی المنام ، فقال لی : یا عبد الرحمن ! انت الذی تأمر بالمعروف و تنھی عن المنکر ؟ فقلت : بفضلک یا رب ، وقلت : رب ! امتنی علی الاسلام ، فقال : وعلی السنة۔

(تلبیس ابلیس ص ۹۔ فتاوی رحیمیہ ص ۳۸۹ ج ۱۰)

اس لئے حضرت! یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ حدیث اور سنت میں فرق ہے۔ اور اس فرق کو نہ کرنے کی وجہ سے ایک فرقہ اہل حدیث بن کر کس طرح احادیث کو ترک کر رہا ہے، اگر وہ

اس فرق کو سمجھ لیتے تو امت ایک بڑے تفرقہ سے بچ جاتی، اور حدیث کے نام پر اس جماعت کا وجود نہ ہوتا۔

یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے کہ اگر حدیث اور سنت کا یہ فرق سمجھ لیا جاتا تو چار مسالک بھی نہ ہوتے، اس لئے کہ ان مسالک میں کوئی تفرقہ نہیں، وہاں اختلاف ہے اور وہ رحمت ہے، اور یہاں تفرقہ اور خلاف ہے۔

اختلافی احادیث میں جو کتاب اللہ اور سنت کے موافق ہوں وہ میری ہیں

(۱۴)......عن ابی هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه و سلم قال: سيأتيكم عنى احاديث مختلفة ' فما جاء كم موافقا لكتاب الله و لسنتى فهو منى، وما جاء كم مخالفا لكتاب الله ولسنتى فليس منى۔

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب میری طرف سے تمہارے پاس کچھ اختلافی احادیث آئیں گی،، پس ان میں سے جو کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق ہوں تو سمجھو کہ یہ میری طرف سے ہیں اور جو کتاب اللہ اور میری سنت کے موافق نہیں تو سمجھو کہ یہ میری طرف سے نہیں ہیں۔

(سنن الدارقطنی، كتاب فى الاقضية والاحكام وغير ذلك، كتاب عمر الى ابى موسى الاشعرى، رقم الحديث:۴۴۲۷)

ظاہر ہے کہ احادیث تو ساری ہی آپ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی ہیں، (الا یہ کہ وہ موضوع ہوں) مگر اس حدیث مبارک میں ایک اصول بیان کیا گیا کہ: جو احادیث سنت کے موافق ہوں ان پر عمل کرنا اور جو سنت کے موافق نہ ہوں ان پر عمل نہ کرنا، گویا وہ میری طرف سے نہیں ہیں، یعنی عملا وہ میری طرف سے نہیں۔ اس حدیث میں واضح طور پر

حدیث اور سنت کا فرق بیان ہوا ہے۔

سنت اور حدیث کا فرق ''محاضرات حدیث'' سے

ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کے ''محاضرات'' میں ہے کہ:

(۱۵)......حدیث اور سنت کے بارے میں علماء کے ایک گروہ کی تو رائے یہ ہے کہ دونوں بالکل ایک مفہوم میں ہیں، جو حدیث ہے وہ سنت ہے اور جو سنت ہے وہ حدیث ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک بڑی تعداد کی رائے یہ ہے۔

کچھ اور حضرات کا کہنا ہے کہ: حدیث ایک عام چیز ہے اور سنت خاص ہے اور اس کا ایک حصہ ہے۔ حدیث تو ہر وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک سے منسوب ہوگئی، جس میں ضعیف احادیث بھی شامل ہیں اور موضوع احادیث بھی شامل ہیں، منکر اور شاذ احادیث بھی شامل ہیں.....اور سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جو احادیث صحیحہ کی بنیاد پر ثابت ہوتا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کا طے کیا ہوا طریقہ ہے جو آپ ﷺ نے اپنی امت کو سکھایا، جو قرآن پاک کے منشا اور معانی کی تفسیر وتشریح کرتا ہے اور جو دنیا میں قرآن پاک کے لائے ہوئے نظام کی عملی تشکیل کرتا ہے۔ اس طریقۂ خاص کا نام سنت ہے۔.....

علم حدیث کا الگ مفہوم ہے، اور علم سنت کا بالکل الگ مفہوم ہے۔ سنت کی تعریف جن لوگوں نے حدیث سے الگ کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: طریقہ متبعہ کا نام سنت ہے، یعنی وہ طریقہ جس کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا وہ سنت ہے۔

سنت کی اصطلاح اسلام سے پہلے سے چلی آرہی ہے اور حدیث کی اصطلاح اسلام نے دی ہے۔ حدیث کا لفظ تو ان اصطلاحی معنوں میں اور اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا تھا جو بعد میں اس لفظ کو دیا گیا، لیکن سنت کا لفظ قریب قریب انہی معنوں میں اسلام سے

پہلے سے چلا آرہا ہے۔اگرآپ نے جاہلی شاعری کا مطالعہ فرمایا ہوتو جاہلی شاعروں میں سے ایک مشہور شاعر ہیں جو معلقات کے شاعروں میں سے ایک ہیں ، لبید بن ربیعہ العامری، ایک شعر میں ان کا کہنا ہے کہ ؎

من معشر سنة لهم اباهم　　　ولكل قوم سنة و امامها

میرا تعلق اس گروہ سے ہے جن کے آباواجداد نے ایک سنت مقرر کی ہے، اور ہر قوم کی ایک سنت یعنی طریقہ متبعہ ہوتا ہے اور امام ہوتا ہے۔

یعنی میرے آباواجدادا تنے بڑے لیڈر تھے کہ ان کا طریقہ کار پورے عرب میں سنت بن گیا، اسلام سے پہلے کا طریقہ بن گیا (یہاں سنت لفظ آیا ہے جو اسلام سے پہلے اسی مفہوم میں استعمال ہوتا تھا)

محدثین کا یہ جملہ ’’یہ حدیث قیاس‘ سنت اوراجماع کے خلاف ہے‘‘ حدیث اور سنت کے فرق کی دلیل ہے

(۱۶)......آپ نے حدیث کی اکثر کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ:ایک محدث جب کوئی حدیث بیان کرتے ہیں اور اس حدیث پر روایت کے بعد درایت کے نقطہ نظر سے بحث کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ:’’ هذا الحديث مخالف للقياس والسنة والاجماع ‘‘ اس حدیث کے ظاہر پر ہم اس لئے عمل نہیں کریں گے کہ یہ قیاس‘ سنت اور اجماع کے خلاف ہے۔ایک طرف حدیث ہے اور ایک طرف سنت ہے، گویا سنت اور حدیث کو وہ متعارض معنوں میں لے رہے ہیں۔

یہ مثالیں میں نے یہ ظاہر کرنے کے لئے دی ہیں کہ محدثین کا ایک گروہ حدیث اور سنت کو الگ الگ مفہوم میں سمجھتا ہے۔(محاضرات حدیث ص۲۳ تا ۲۶ ملخص)

(۱۷)......حضرت مولانا! حدیث اور سنت کی تعریف میں الفاظ کا اختلاف تو ہوسکتا ہے اور ہے، بعض حضرات دونوں کی تعریف ایک کرتے ہیں اور بعض حضرات فرق کرتے ہیں، مگر حدیث اور سنت کا جو فرق ان مثالوں سے واضح کیا گیا ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دیکھئے! محدث عظیم ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''شرح نخبہ'' میں: حافظ، حجت اور حاکم کی تعریف اس طرح فرمائی ہے کہ: جس محدث کو ایک لاکھ روایتیں سنداً ومتناً وجرحاً وتعدیلاً یاد ہوتی ہیں، ان کو ''حافظ'' کہتے ہیں۔ اور: جس محدث کو تین لاکھ حدیثیں سنداً ومتناً وجرحاً وتعدیلاً یاد ہوں، ان کو ''حجت'' کہتے ہیں۔ اور: جس محدث کو تمام روایتیں سنداً ومتناً وجرحاً وتعدیلاً یاد ہوں، ان کو ''حاکم'' کہتے ہیں، مگر دوسرے حضرات نے ان تعریفات سے اختلاف فرمایا۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۲/۲۱۔ کشف الباری ص ۵ ج ۱)

تو تعریف کے الفاظ سے اختلاف کی گنجائش ہے، مگر کیا سارے القاب کے حاملین میں کوئی فرق نہ ہوگا؟ ظاہر ہے بغیر فرق کے ان محدثین پر یہ جملے کس طرح صادق آسکتے ہیں۔ اسی طرح حدیث اور سنت کی تعریف کے الفاظ میں اختلاف ہوسکتا ہے، مگر فرق تو ضرور ہی ماننا پڑے گا۔

سنت وحدیث کی تعریف میں فرق پر اکابر کی عبارتیں

(۱۸)......سنت وحدیث کا فرق تو متقدمین نے بھی مانا ہے، آپ نے خود بھی بعض عبارتیں نقل کی ہیں: مثلاً امام مہدی رحمہ اللہ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی علوم میں جامعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

الناس علی وجوہ، فمنهم من هو امام فی السنة وامام فی الحدیث، ومنهم من هو امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث، ومنهم من هو امام فی الحدیث لیس

بامام فی السنة ، فاما من هو امام فی السنة وامام فی الحدیث فسفیان الثوری۔

(تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، ص ۱۱۸)

علماء متعدد صفات کے حامل ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جو سنت میں امام ہیں اور حدیث میں بھی امام ہیں، اور ان میں بعض وہ ہیں جو سنت میں امام ہیں اور حدیث میں امام نہیں ہیں، اور ان میں بعض وہ ہیں جو حدیث میں امام ہیں سنت میں امام نہیں ہیں، تو جو سنت اور حدیث دونوں میں امام ہیں وہ سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ حدیث اور سنت کے فرق کے قائل ہیں

''محاضرات حدیث'' میں ہے:

جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث اور سنت کے دونوں الفاظ دو الگ الگ معانی میں استعمال ہوئے ہیں، ان میں سے ایک مشہور محدث امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ بھی ہیں۔ وہ امام مالک اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''سفیان الثوری امام فی الحدیث'' سفیان ثوری رحمہ اللہ حدیث کے امام ہیں،'' والاوزاعی امام فی السنة'' اور امام اوزاعی رحمہ اللہ سنت کے امام ہیں،'' ومالک امام فیھما'' اور امام مالک رحمہ اللہ دونوں کے امام ہیں، سنت کے بھی امام ہیں اور حدیث کے بھی امام ہیں۔ گویا انہوں نے ان دونوں کو بالکل الگ الگ مفاہیم میں سمجھا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ذکر ابن ملک فی '' شرح منار الاصول '' انّ السنة تطلق علی قول رسول الله صلی الله علیه وسلم وفعله' وسکوته' وطریقة الصحابة ، والحدیث والخبر مختصان بالاول۔ (ظفر الامانی ص ۲۴/ ۲۵)

سنت کا اطلاق رسول خدا ﷺ کے قول، فعل، سکوت، اور طریقۂ صحابہ پر کیا جاتا ہے، اور حدیث وخبر پہلے (یعنی قول رسول ﷺ) کے ساتھ خاص ہیں۔

محقق علاء الدین عبدالعزیز بخاری رحمہ اللہ (متوفی: ۷۳۰ھ) ''اصول بزدوی'' کی ایک عبارت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

السنة اعم من الحديث، لانها تتناول الفعل والقول، والحديث مختص بالقول۔ (کشف الاسرار ص۵۹ ج۱)

سنت، حدیث سے عام ہے، کیونکہ سنت فعل وقول (سب کو) شامل ہے، اور حدیث قول کے ساتھ خاص ہے۔ یہی تفصیل تلویح اور عضدی میں بھی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے تو سنت اور سنت کاملہ میں بھی فرق کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں: السنة هی الطريق المسلوک، فيشمل ذلک التمسک بما كان عليه هو وخلفاء الراشدين من الاعتقادات والاعمال والاقوال، وهذه هی السنة الكاملة۔ (جامع العلوم والحکم ص۱۹۱ ج۱)

سنت اس راہ کا نام ہے جس راہ پر چلا جائے، اور یہ اس (راہ کا) تمسک ہے جس پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین عامل تھے، عام اس سے کہ وہ اعتقادات ہوں یا اعمال واقوال، اور یہی سنت کاملہ ہے۔ (راہ سنت ص۳۱)

دیکھئے! سنت معمول بہا اعمال کو کہا گیا ہر حدیث کو نہیں۔

اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی: ۵۶۱ھ) نے اہل السنّت والجماعت کی تعریف میں یہ بات بیان فرمائی ہے کہ:

فالسنة ما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (غنیۃ الطالبین ص۱۹۵، طبع لاہور)

سنت وہ چیز ہے جو آنحضرت ﷺ نے (قولاً وفعلاً) مسنون قرار دی۔ (راہ سنت ص ۱۳۱)

یہاں بھی سنت' آپ ﷺ نے مسنون قرار دیا ہوا سے کہا گیا نہ کہ ہر حدیث کو۔

سنت تو وہی ہے جس پر آپ ﷺ نے ہمیشہ عمل فرمایا

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ایک کام آنحضرت ﷺ کا اکثری معمول تھا، مگر دوسرا کام آپ ﷺ نے کبھی ایک آدھ مرتبہ کیا، اس صورت میں اصل ''سنت'' تو آپ ﷺ کا اکثری معمول ہوگا، مگر دوسرے کام کو بھی جو آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے کیا ''بدعت'' کہنا صحیح نہیں ہوگا، اسے جائز کہیں گے اگرچہ اصل سنت تو وہی ہے جس پر آپ ﷺ نے ہمیشہ عمل فرمایا۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص ۸۰ ج ۱)

حضرت موصوف رحمہ اللہ نے ایک اور جگہ کتنی عمدہ بات تحریر فرمائی کہ:

اول تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات سے واضح ہے کہ انہوں نے (اپنی اپنی استعداد کے مطابق) آنحضرت ﷺ کے اقوال واعمال اور احوال کو اپنے اندر ایسا جذب کرلیا تھا کہ ان کی سیرت جمال نبی ﷺ کا آئینہ بن گئی تھی، اور پھر وہ سنت کے ایسے عاشق تھے کہ ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی ایک ایک سنت دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی تھی، اور آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خصوصا حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی اقتداء کے بارے میں جو وصیتیں اور تاکیدیں بیان فرمائی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں، ان وجوہ کے پیش نظر سنت ثابتہ وہی ہے جس پر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین رحمہم اللہ کا تعامل رہا، اور جو روایت ان کے تعامل کے خلاف ہو وہ یا تو منسوخ کہلائے گی، یا اس میں تاویل کی ضرورت ہوگی۔ ایسی روایات جو تعامل سلف

کے خلاف ہوں، صدر اول میں ''شاذ'' شمار کی جاتی تھیں، اور جس طرح متاخرین محدثین کے نزدیک اصطلاحی ''شاذ'' روایت حجت نہیں، اسی طرح متقدمین کے نزدیک بھی ایسی شاذ روایات حجت نہیں تھیں۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو تعامل ہی کی برکت سے ہمارے دین کا نصف حصہ عملا متواتر ہے، اور تعامل ہی تعلیم وتعلیم کا قوی ترین ذریعہ ہے، اگر تعامل کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو محض روایات کو سامنے رکھ کر کوئی شخص نماز کا مکمل نقشہ بھی مرتب نہیں کرسکتا جو دن میں پانچ بار پڑھی جاتی ہے، چہ جائیکہ پورے دین کا نظام مرتب کر دیا جائے۔ اس لئے صحیح طرز فکر یہ ہے کہ اکابر صحابہ وتابعین کے تعامل اور روایات کو بیک وقت پیش نظر رکھ کر دونوں کے درمیان تطبیق دی جائے، اور یہی وہ کارنامہ ہے جو ائمہ احناف رحمہم اللہ نے انجام دیا، انہوں نے کسی مسئلہ میں بھی صحابہ وتابعین کے تعامل سے صرف نظر نہیں کیا، بعد کے فقہاء و محدثین کو اس معیار کا قائم رکھنا مشکل تھا، اس لئے انہوں نے روایات کی صحت وضعف کو اصل معیار قرار دیا۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص ۳۶۰ ج ۲)

سنت وحدیث کا فرق صرف اصطلاحی نہیں، بلکہ عملاً بھی ہوگا

(۱۹)...... لفظ سنت وحدیث کے درمیان استعمال کا یہ فرق صرف اصطلاح ہی کی حد تک نہیں جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے، بلکہ عمل میں بھی اس کا فرق ظاہر ہوگا، ہر حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا اور ہر سنت پر عمل ہوگا، جیسا کہ آگے حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا ابو بکر غازیپوری رحمہ اللہ کی عبارتوں میں اس کی تصریح آرہی ہے۔ اور یہ ظاہر بھی ہے، اس لئے کہ کیا آپ ﷺ کے نکاح والی حدیث پر عمل کیا جائے گا، اور کوئی گیارہ عورتوں سے نکاح کے جواز کا حکم دے گا؟ اسی طرح بکثرت مثالیں ہیں جو

حدیث ہیں اور ان پر عمل جائز نہیں، کیونکہ یا تو وہ منسوخ ہیں، یا وہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا سنت کی اصطلاح استعمال کرنا

(۲۰)......امام بخاری رحمہ اللہ نے سنت کی اصطلاح استعمال کی اور سنت کے معنی میں بہت ساری عبارتیں ذکر کی ہیں۔

(الف)......**باب سنة العيدين لاهل الاسلام** ، (قبل حديث:۹۵۱)۔حدیث شریف کے لفظ سے ہی عیدین کی سنیت ثابت کی ہے، حدیث کے آخر میں لفظ ہے: **فمن فعل فقد اصاب سنتنا**،(حديث :۹۵۱)

(ب)......**باب ماجاء فى سجود القرآن و سنتها** ،(قبل حديث :۱۰۶۷)ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سجدۂ تلاوت کی سنیت کے قائل ہیں، وجوب کے نہیں جیسا کہ ان کے ترجمۃ الباب (قبل حدیث :۱۰۷۷) سے پتہ چلتا ہے، جبکہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: **ان المقصود من قوله سنتها طريقتها** ، (الابواب والتراجم ص۳۹ج۳) **وان البخارى يراها واجبة معتمدا على الترجمة الثانية** ،(الابواب و التراجم ص۴۲ج۳)

(ج)......اسی طرح لفظ سنت سے **الطريقة المشروعة فى العمل** بھی مراد لیا ہے، اس میں واجب، سنت اور مندوب بھی شامل ہے، **باب سنة الجلوس فى التشهد** کے ضمن میں ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **أى السنة فى الجلوس : الهيئة الآتى ذكرها ، ولم يرد ان نفس الجلوس سنة ، ويحتمل ارادته على ان المراد بالسنة الطريقة الشرعية التى هى اعم من الواجب والمندوب**، (فتح البارى ص۳۰۵ج۲)

(د)......باب سنة الصلاة على الجنائز کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ شیخ زین بن المنیر رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں: المراد بالسنة ما شرعه النبی صلی الله علیه وسلم فیها ، یعنی فهو اعم من الواجب والمندوب ، ومراده بما ذکره هنا من الآثار والاحادیث ان لها حکم غیرها من الصلوات والشرائط والارکان ، ولیست مجرد دعاء فلا تجزی بغیر طهارة مثلا ، (فتح الباری، ص۱۹۰ج۳)

(امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقۂ استدلال واستنباط ص۳۷۴)

ان سے معلوم ہوا کہ اکابر نے سنت کے معانی مختلف مراد لئے ہیں۔

(۲۱)......حضرت والا اور آپ کے ساتھ کچھ آپ کے حامی حضرات نے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کے رد میں پہلے بھی کچھ تحریریں شائع کی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات کو خود ہی ان پر نظر ثانی کرنی چاہئے۔

(۲۲)......تعبیر سے ممکن ہے کہ اختلاف کیا جا سکے کہ حدیث حجت نہیں اور سنت حجت ہے، میں نے پورے رسالہ میں کہیں بھی اس طرح کا جملہ نہیں لکھا کہ حدیث حجت نہیں اور سنت حجت ہے، آپ نے خواہ مخواہ میرے رد میں مجھ پر بھی یہ الزام عائد کر دیا کہ گویا میں حدیث کو حجت نہیں مانتا۔

کیا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم حدیث کو حجت نہیں مانتے ؟

(۲۳)......اور میں تو حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم کے بارے میں بھی یہ یقین نہیں کر سکتا کہ موصوف حدیث کو حجت نہیں مانتے۔ مولانا! آپ نے کبھی غور نہیں فرمایا کہ دار العلوم کا محدث اور استاذ حدیث ہی نہیں شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے مناصب جلیلہ کا حامل' حدیث کو حجت نہ مانے، اگر واقعی بات یہ ہے تو آپ

حضرات پر فرض عائد ہوتا ہے کہ آپ ایسے حضرات کو دارالعلوم میں کسی قیمت پر رہنے ہی نہ دیں۔ کیا کوئی حدیث کو حجت نہ ماننے والا ''بخاری شریف'' اور ''ترمذی شریف'' کی شرح لکھے گا، وہ تو حدیث کو حجت ہی نہیں مانتا تو اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ احادیث کی تشریح میں ہزاروں صفحات سیاہ کریں۔ اور مولانا! خود حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے اپنی تصنیف میں اس پر کھل کر بحث فرمائی ہے کہ حدیث حجت ہے اور منکرین حدیث کا رد کیا ہے۔ کیسے آپ حضرات نے یقین کرلیا کہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم حدیث کو حجت نہیں مانتے۔ میں نے عرض کیا تعبیر میں کچھ تسامح ہوسکتا ہے اور اس سے بہتر تعبیر کی جاسکتی ہے اور کرنی چاہئے، مگر اتنی بات پر ایک محدث اور دارالعلوم کے ایک مؤقر استاذ کے خلاف محاذ کھول دینا اور حدیث کو حجت نہ ماننے کا الزام لگا دینا' کیا آپ حضرات اساتذۂ دارالعلوم کو زیب دیتا ہے؟ اور آپ اس طرح کے رسائل لکھ کر کن کو بدنام کررہے ہیں، خود دارالعلوم کو کہ دارالعلوم دیوبند میں ایسا استاذ ہی نہیں بلکہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہے جو حدیث کی حجیت کا منکر ہے، اور بالفاظ دیگر دارالعلوم کی شوریٰ اور ذمہ داروں نے اس شخص کو ''بخاری شریف'' جیسی اہم کتاب کی تدریس کا اہل قرار دیا' جسے حدیث اور سنت کی تعریف بھی معلوم نہیں۔

حدیث کی حجیت پر مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم کی تحریر

(۲۴)...... یہاں حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہم نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ'' میں جو مختصر بحث' حدیث کی حجیت پر فرمائی ہے جی چاہتا ہے اسے نقل کردوں، آپ تحریر فرماتے ہیں:

علوم شرعیہ میں سب سے بلند مرتبہ علم حدیث کا ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ سب

سے بلند مرتبہ تو علم تفسیر کا ہونا چاہئے، کیونکہ فن تفسیر کلام ربانی کی تبیین وتشریح ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ ''کلام الملوک ملوک الکلام'' (شاہوں کا کلام' کلام کا شاہ ہوتا ہے) پس اللہ تعالی کے کلام کا مرتبہ بہر حال بلند وبالا ہونا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: ......فن تفسیر تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے: (۱): کلام پاک، (۲): تشریحات نبوی اور تفسیرات صحابہ وتابعین، (۳): مفسرین کرام کی وضاحتیں۔ ان تینوں میں سے اول تو کوئی فن نہیں، بلکہ کلام ربانی تو تمام فنون دینیہ کا سرچشمہ ہے، اور دین وشریعت کی اصل واساس ہے، اور دوسری چیز فن حدیث میں داخل ہے، اب رہ گئی تیسری تو وہ فن حدیث سے برتر تو کیا مساوی بھی نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ مفسرین کا کلام ہے، اس لئے مصنف رحمہ اللہ کا ارشاد بجا ہے کہ علوم شرعیہ میں سب سے بلند مرتبہ فن حدیث کا ہے۔

قدیم زمانہ سے ایک گمراہی یہ چلی آرہی ہے کہ کچھ لوگ صرف قرآن کریم کو حجت مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: رسول کا کام بس قرآن کو پہنچانا ہے اور قرآنی احکام ہی کی تعمیل ضروری ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز حجت نہیں، حتی کہ رسول کا قول وفعل بھی حجت اور واجب الاتباع نہیں۔

یہ فرقہ اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' کہتا ہے، مگر حقیقت میں یہ منکرین حدیث ہیں۔ یہ لوگ حدیث شریف کی تاریخی حیثیت کا انکار نہیں کرتے، بلکہ اس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس گمراہ فرقہ کے وجود کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ یہ ارشاد پاک نقل کرتے ہیں کہ:

ہرگز تم میں سے کسی کو اپنے چھپر کھٹ پر ٹیک لگائے نہ پاؤں، جسے میرے اوامر میں سے کوئی امر پہنچے، یا نواہی میں سے کوئی نہی پہنچے، پس وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، ہم جو

احکام قرآن میں پاتے ہیں ان کی پیروی کرتے ہیں۔

(مشکوۃ شریف، حدیث:۱۶۲، باب الاعتصام، فصل:۲)

اور حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد پاک مروی ہے کہ:

الا انی اُوتیتُ القرآن و مثله معه ، ألا یوشکُ رجل شعبان علی اریکته یقول : علیک بهذا القرآن ، فما وجدتم فیه من حلال فأحِلّوه ، وما وجدتم فیه من حرام فحرِّمُوه ، وان ما حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم کما حرم الله۔

(مشکوۃ حدیث:۱۶۳)

سنو! میں قرآن کریم دیا گیا ہوں اور اس کے مانند اس ساتھ (دیا گیا ہوں) سنو! ایک شکم سیر آدمی اپنے چھپر کھٹ پر بیٹھا کہے گا کہ: تم یہ قرآن مضبوط پکڑو، جو اس میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو، حالانکہ جو چیزیں اللہ کے رسول (ﷺ) نے حرام کی ہیں وہ بھی ویسی ہی حرام ہیں جیسی اللہ تعالی نے حرام کی ہیں۔

اور حضرت عرباض بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

أیحسب احدُکم متکئًا علی أریکته ، یظن ان الله لم یحرِّمْ شئیا الا مافی هذا القرآن ، ألا ! انی والله قد امرتُ و وعظتُ ونهیت عن اشیاء ، انها لمثل القرآن أو اکثر۔ (مشکوۃ حدیث:۱۶۴)

کیا تم میں سے ایک شخص اپنے چھپر کھٹ پر ٹیک لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے بس وہی چیزیں حرام کی ہیں جو اس قرآن میں حرام ہیں؟ سنو! میں نے بھی احکامات دیئے ہیں، اور نصیحتیں کی ہیں اور بہت سی باتوں سے روکا ہے بیشک وہ قرآن کے بقدر ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔

دراصل حجیت حدیث کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو رسول (اللہ ﷺ) کی حیثیت سے واقف نہیں ہیں، اور ان کا صحیح مقام نہیں پہچانتے۔قرآن کریم میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت صرف ایک پیغامبر کی نہیں ہے، بلکہ وہ مطاع' متبوع' امام' ہادی' قاضی' حاکم اور حکم وغیرہ بہت سی صفات کے حامل ہیں، اس لئے ماننا پڑے گا کہ دین کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ہر امر ونہی' ہر حکم وفیصلہ اور ہر قول وعمل ناطق' واجب التسلیم اور لازم ہے۔(رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ،۶۹ ج۱)

اسی طرح حضرت مولانا مدظلہم نے ''تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی'' میں بھی حجیت حدیث پر بحث فرمائی ہے۔طوالت کے خوف سے اسے نقل کرنا مشکل ہے۔

حضرت ! کیا کوئی اس عبارت کو پڑھ کر یقین کرے گا کہ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم حدیث کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، یا حدیث کو حجت نہیں مانتے ؟ مجھے یقین ہے کہ آپ حضرات کو بھی اس بات کا پورا یقین ہے کہ موصوف ہر گز حدیث کی حجیت کے منکر نہیں ہیں، اگر آپ حضرات کو اس بات کا یقین ہوتا کہ واقعی یہ آدمی حدیث کو حجت نہیں مانتا تو کیا آپ ان کے خلاف دارالافتاء سے فتوی حاصل نہ کرتے؟ اور نہ جانے ارباب افتاء ان پر کیا کیا حکم لگاتے ؟بس خواہ مخواہ ایک لفظی تعبیر سے مخالفت کا ایک محاذ کھول دیا گیا ہے۔اللہ کرے دارالعلوم اور ارباب دارالعلوم اور اساتذۂ دارالعلوم ان قسم کی حرکتوں سے محفوظ رہیں۔

کیا حدیث اور سنت میں فرق کرنے والے مفتی سعید صاحب اکیلے ہیں

(۲۵)......پھر حدیث اور سنت میں فرق کرنے والے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم اکیلے نہیں ہیں، حجۃ اللہ فی الارض' وکیل اہل سنت والجماعت'

ترجمان احناف، امام المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ جیسی مثالی شخصیت بھی ہیں، حضرت رحمہ اللہ کا اس موضوع پر مستقل ایک وعظ ہے جو رسالہ کی شکل میں مطبوعہ ہے۔

اہل حدیث عالم کا بیان کہ حدیث اور سنت کے فرق نے ہماری کمر توڑ دی

(۲۶)......اس کے علاوہ ''خطبات صفدر'' کی پہلی جلد میں اس کے متعلق کئی جگہ کلام ہے۔

ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے لاہور میں اس موضوع پر تقریر فرمائی کہ حدیث اور سنت میں فرق ہے اور اس کو مختلف مثالوں سے واضح کیا، تو غیر مقلدوں کے بڑے عالم مولانا احسان الٰہی ظہیر بھی تقریر سن رہے تھے، انہوں نے مولانا ضیاء القاسمی صاحب رحمہ اللہ سے (جوان کے دوست تھے) کہا کہ: یہ مولانا محمد امین صاحب نے جو سنت اور حدیث کا فرق بیان کیا ہے، اس نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی، کیونکہ ہم حدیث ہی کے نام پر لوگوں کو سمجھاتے تھے، مگر اس نے جو فرق بیان کیا وہ ہمارے لئے مصیبت بن گیا۔

(خطبات صفدر ص ۳۰۴ ج ا ملخص)

نوٹ:......کوئی صاحب ذوق اس موضوع پر حضرت مولانا محمد امین صاحب رحمہ اللہ کا بیان پڑھنا چاہے تو ''خطبات صفدر'' جلد اول کا مطالعہ کرے، اس میں بڑی دلچسپ معلومات ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب مدظلہم بھی حدیث اور سنت کا فرق کرتے ہیں

(۲۷)......مفکر اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہم کو میں نے اپنا رسالہ ''حدیث اور سنت میں فرق'' دکھایا تو حضرت نے من وعن پڑھا اور پوری تائید فرمائی، اور یہاں تک فرمایا کہ: میری صحت اچھی رہی تو بطور تقریظ وتائید کچھ سطریں لکھ بھی دوں گا۔

(۲۸)......اور حضرت موصوف مدظلہم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت کے مواعظ میں آپ نے خود اس فرق کو بیان فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیں، حضرت فرماتے ہیں کہ:

''آپ نے کبھی لفظ سنت پر بھی غور کیا ہے، نبی پاک ﷺ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ فرمایا تھا: ''ترکت فیکم امرین ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں: ''کتاب اللہ و سنۃ رسولہ '' اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت۔ تو حضور ﷺ نے جاتے ہوئے کون سی چیز دی؟ سنت یا حدیث۔ یہ نہیں کہا کہ: حدیث پر عمل کرنا، سنت پر عمل کرنا لازمی ٹھہرایا۔

سنت اور حدیث میں فرق کیا ہے؟ حدیث ایک علمی ذخیرہ ہے، حدیث جب تک سنت کے درجے کو نہ پہنچے اس پر عمل نہیں، یہ جو آپ کے سامنے حدیث کی بڑی بڑی کتابیں ہیں، ان حدیث کی کتابوں میں بڑا علمی ذخیرہ ہے، اور اختلافات بھی بہت ہیں، ان میں وہ روایتیں بھی ہیں جو رفع یدین کرنے کی ہیں، وہ بھی ہیں جو نہ کرنے کی ہیں، وہ بھی ہیں جو ہاتھ سینے پر باندھنے کی ہیں، وہ بھی ہیں جو ناف کے نیچے باندھنے کی ہیں، علم کا ذخیرہ جب تحقیق کے بعد سنت کے درجے میں نہ آئے تو لائق عمل نہیں ہوتا ہے۔

تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ: میرے بعد کتاب اور سنت پر عمل کرنا، حدیث پر عمل کرنے کی وصیت نہیں فرمائی تھی.....آپ جب حدیث کا مطالعہ کریں تو دیکھو کہ حدیث سنت کے درجے میں آئی یا نہیں؟ جب تک حدیث سنت کے درجے میں نہ آئے، عمل نہ کریں۔

سنت اور حدیث کا دوسرا فرق ...... حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے، اور سنت کبھی ضعیف نہیں ہوتی۔ حدیث کبھی منسوخ ہوتی ہے اور سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی۔

(خطبات خالد ص ۱۴۱ ج ۲، ملخص)

(۲۹)...... میرے استاذ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہم نے بھی اس رسالہ کومن وعن ملاحظہ فرمایا اور تقریظ بھی تحریر فرمائی۔ تعجب ہے کہ آپ نے رسالہ کے رد میں ان کی تقریظ اور تائید پر ایک جملہ بھی تحریر نہیں فرمایا۔

حضرت! کیا بات ہے کہ: گجراتی عالم کی مخالفت تو کی گئی، مگر اعظمی عالم کے رد میں قلم چلانا مناسب نہیں سمجھا گیا۔

سنت کا مفہوم

(۳۰)...... میں نے اپنے استاذ حضرت مولانا ابوبکر غازیپوری رحمہ اللہ کا یہ اقتباس نقل کیا تھا کہ:

(۳۱)...... شریعت میں جب سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ کا وہ عمل جس پر آنحضور ﷺ سے مواظبت یا کم از کم اکثر اوقات میں اس کا کرنا ثابت ہو، اور بعد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو اپنا معمول بنایا ہو، کبھی کبھار یا اتفاقیہ طور پر آپ ﷺ نے اگر کسی کام کو کیا ہے تو اس عمل کو سنت نہیں کہا جاتا۔ اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے....... مگر کوئی عاقل مسلمان کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو سنت نہیں کہہ سکتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ کی حالت میں بعض ازواج کا بوسہ لیا....... مگر کسی عاقل سے اس کی توقع نہ رکھیں کہ وہ روزہ کی حالت میں بیوی کے بوسہ لینے کو سنت کہے گا۔ کبھی کسی عارض کی وجہ سے یا بیان جواز کے لئے آپ ﷺ کوئی کام کرتے تھے، اس کو شرعی سنت نہیں کہا جاتا۔ (دوماہی ''زمزم'' رمضان وشوال ۱۴۲۰ھ، ص ۶۴)

اس کے جواب میں آپ نے مولانا مرحوم کا رجوع فرمانا تحریر فرمایا، مجھے اس کا علم

نہیں۔البتہ ''ارمغان حق'' کا ایک اقتباس پڑھ لیجئے!

''صرف حدیث ہی کو دیکھ کر کسی کو دین سیکھنا ہے تو وہ عصر بعد دو رکعت پڑھے، مگر امت میں کوئی اس کا قائل نہیں ہے، اس لئے کہ ہمیں صحابہ کرام سے معلوم ہوا کہ یہ آنحضور ﷺ کی خصوصیت تھی، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں تھے انہوں نے جب عصر بعد ان دو رکعتوں کا معمول بنایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ سختی کرنی پڑی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

قد كان عمر رضى الله عنه يعزر على الصلوة بعد العصر مع ان جماعة فعلوه' لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه فعله وداوم عليه ، لكن لما كان من خصائصه وكان النبى صلى الله عليه وسلم قد نهى عن الصلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس و بعد الفجر حتى تطلع الشمس ' كان عمر رضى الله عنه يضرب من فعل هذه الصلوة ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عصر بعد نماز پڑھنے پر سزا دیتے تھے، حالانکہ ایک جماعت کا اس پر عمل رہا، ان کی دلیل تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے بعد عصر (دو رکعت) نماز پر مداومت کی ہے، لیکن چونکہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، اور آپ نے فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو عصر بعد نماز پڑھتا تھا اس کو سزا دیتے تھے۔

آنحضور ﷺ سے کہیں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ نے عصر کے بعد دو رکعتوں کو اپنی خصوصیت فرمایا ہو، مگر صحابہ کرام کو اور خصوصاً جو آنحضرت ﷺ سے بہت قریب صحابہ کرام تھے ان کو یہ معلوم رہا کرتا تھا کہ آپ کا کون کام محض اپنے لئے ہے اور کون کام تمام امت کے لئے ہے، اس لئے ان صحابہ کرام کی رہنمائی کے بغیر صحیح سنت کا علم ہو ہی نہیں سکتا

تھا۔(ارمغان حق ص۲۵۳ج۱)

حدیث پر عمل کے لئے اور بھی شرائط ہیں

(۳۲)......اور کیا ساری احادیث عمل کے لئے ہیں یا صرف سنت عمل کے لئے ہیں، اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

صحیح حدیث ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہو، حدیث پر عمل کرنے کے لئے صحت حدیث کے ساتھ ساتھ مجتہدین ائمہ کرام اور بھی بہت سی چیزوں کو نگاہ میں رکھتے ہیں، مثلاً یہ کہ وہ منسوخ نہ ہو یا یہ کہ وہ عام متواتر عمل رسول کے خلاف نہ ہو، یا یہ کہ اس کا تعلق کسی اتفاقی حادثہ سے نہ ہو، ان کے علاوہ اور بہت سی چیزوں پر مجتہدین ائمہ کی نگاہ ہوتی ہے۔(ارمغان حق ص۳۳۱ج۱)

حضرت! ان عبارات سے تو مرحوم کا رجوع نہیں ہے۔

(۳۳)......آپ نے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلھم کے اس بجا چیلنج پر (بیجا چیلنج پر) نہیں کئی سطریں لکھیں، کیا اس سے بہتر نہ ہوتا کہ کوئی ایک حدیث تلاش کر کے حضرت کے چیلنج کا جواب مرحمت فرما دیتے۔ رہا اس پر یہ عقلی استدلال کہ:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت قرآن مجید میں منصوص ہونے کی بنا پر قطعیت الثبوت ہے، اس لئے اس کا منکر خارج اسلام باور کیا جاتا ہے۔ اب فرض کیجئے ان کی صحابیت کا منکر کہے کہ: ایک چیلنج دیتا ہوں اور قیامت کی صبح تک دیتا ہوں کہ قرآن کی کوئی ایسی آیت لاؤ کہ اللہ نے ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو صحابی کہا ہے، تو کیا اس کا یہ چیلنج علمی اعتبار سے قابل سماعت ہوگا؟

جب آپ خود تحریر فرما رہے ہیں کہ ”قرآن مجید میں منصوص ہونے کی بنا پر“ تو اس کے

چیلنج پر قرآن کریم کی آیت پیش فرمانے میں کیا حرج ہے؟ اور ﴿اذ قال لصاحبه لاتحزن﴾ اس آیت کے پیش کرنے سے اس کے چیلنج کی کیا حقیت رہے گی؟۔

(۳۴)......آخر میں مؤدبانہ عرض ہے کہ میری تحریر کے کسی جملے یا سطر سے حضرت کو تکلیف پہنچی ہوتو خدارا معاف فرمادیں، پوری کوشش کی گئی ہے کہ اپنی بات عرض کرنے میں آنجناب کی ادنی بھی توہین نہ ہو، تاہم انسان ہوں، غلطی سے بری نہیں ہوں۔

(۳۵)......خط کے آخر میں اس بات کا اظہار بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ آئندہ اس موضوع پر آپ کے رد میں اور کوئی تحریر نہ لکھوں گا، جواب اس پر پھر جواب' پھر جواب کے چکر کو پسند نہیں کرتا، جو میں نے لکھنا مناسب سمجھا بلا تکلف لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالی مجھے بھی اور آپ کو بھی حق کا اتباع نصیب فرمائے، آمین۔ فقط طالب دعا:

مرغوب احمد لاجپوری

۴؍رجب المرجب ۱۴۳۷ھ، مطابق: ۱۲؍اپریل ۲۰۱۶ء

بروز منگل

الرسالة فی تحقیق

الاحادیث الثلا ثة

اس رسالہ میں تین احادیث:''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل''اور ''حب الوطن من الایمان''اورالفاظ حدیث''خیر القرون قرنی'' کی تحقیق محدثین کےاقوال اورحوالوں سے کی گئی ہے

مرغوب احمد لاجپوری

عرض مرتب

یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ مختلف اوقات میں لکھے گئے تین مضامین کا مجموعہ ہے جو تین احادیث کی تحقیق کی غرض سے لکھے گئے تھے۔ان اغراض کو ہر مضمون میں ظاہر کردیا گیا ہے۔وہ احادیث یہ ہیں:

(۱)......علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

(۲)......حب الوطن من الایمان۔

(۳)......خیر القرون قرنی۔

احادیث کے سلسلہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔اس میں بے احتیاطی پر سخت وعید آئی ہے۔ہمارے اسلاف صحابۂ کرام اور محدثین کے واقعات اس باب میں امت کے لئے قابل اتباع ہیں۔

وضع احادیث کا سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی شروع ہو چکا تھا کہ گمراہ فرقے اپنی تائید میں احادیث کو وضع کرتے ،مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے سند مانگ کر ان کی چوری کو پکڑ لیا کرتے۔

محدثین نے اس موضوع پر بیشمار کتابیں لکھیں ،اور عربی میں قیمتی ذخیرہ وجود میں آیا،مگر اردو زبان میں اس موضوع پر نا قابل ذکر کام ہوا،اللہ کرے کوئی صاحب ذوق اس موضوع پر قلم اٹھائے۔

اللہ تعالی ان اوراق کو قبول فرمائے اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری

۱۹/محرم ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰/مارچ ۲۰۰۴، بدھ

تقریظ: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی بستوی مدظلہ

بسم الله الرحمن الرحيم

رسول اکرم ﷺ کی طرف کسی چیز کی نسبت کرنا بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ اس میں پوری احتیاط و تحقیق سے کام لینا چاہئے، لیکن آج کل اس میں بڑی سہل انگاری اور بے احتیاطی ہونے لگی ہے۔ عوام ہی نہیں علماء اور واعظین بھی بے تحقیق و ثبوت کے بغیر بہت سی روایات خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی طرف منسوب کرتے رہتے ہیں۔ بہت محدثین نے زبان زد روایات کی تحقیق پر مشتمل کتابیں لکھی ہیں جن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بہت سی روایات جن کے حدیث نبوی ہونے کی شہرت ہے وہ واقعۃً احادیث نبویہ نہیں ہیں۔ امام سخاوی رحمہ اللہ کی ''المقاصد الحسنة'' اور عجلونی ''کشف الخفا ومزيل الالباس'' اس موضوع پر اہم کتابیں ہیں۔

زیر نظر رسالہ ''الرسالة فی تحقيق الاحاديث الثلاثة'' اسی سلسلہ کی ایک مفید کڑی ہے۔ اس رسالہ کے مؤلف جناب مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری (ڈیوزبری، برطانیہ) زید مجدہم نے تین روایات جو زبان زد اور مشہور ہیں ان کے بارے میں فنی تحقیق قلمبند کی ہے، اور ان روایات کی فنی حیثیت واضح کی ہے۔ نظر ثانی کے نام پر اس ہیچمداں کو بھی کار ثواب میں شریک کرلیا ہے۔ اللہ کرے ان کا اشہب قلم رواں دواں رہے، اور ان کے دوسرے رسائل کی طرح یہ رسالہ بھی امت مسلمہ کے لئے نفع بخش ہو۔

عتیق احمد قاسمی بستوی

خادم تدریس دارالعلوم ندوۃ العلماء، سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

۲۰۰۵/۶/۲۳ء

بسم الله الرحمن الرحيم

''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل)) ح'' دیث ہے؟

''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل''

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔

یہ حدیث محدثین کی تصریح کے مطابق صحیح نہیں۔محدثین کی ایک بڑی جماعت نے صراحت کی ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔بعض نے اسے موضوع کہا ہے۔شاذ ہی کسی نے اس کوضعیف قرار دیا ہے۔

اکثر مقررین اپنے وعظ و بیان میں علماء کی فضیلت کو ظاہر کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کرتے ہیں،اور بعض مرتبہ اکابر علماء سے بھی یہ تسامح ہو جاتا ہے۔

میرے ایک معزز بزرگ اور جید عالم دین (جن کی قدر وعظمت میرے قلب میں ہے) نے بھی ایک مرتبہ وعظ میں یہ روایت بیان فرمادی۔میں نے ادب سے ان کی خدمت میں ایک مختصر عریضہ لکھا جس میں چند حوالجات سے اس حدیث کا صحیح نہ ہونا ظاہر کیا۔

یہ حضرت موصوف مدظلہ کی عظمت کی بات ہے کہ انہوں نے راقم کے نام جواب میں تحریر فرمایا:

''گذشتہ کل آپ نے حدیث شریف کے بارے میں جو بات تحریر فرما کر یاد دہانی فرمائی اس سے مسرت ہوئی۔اللہ تعالی علم وعمل میں مزید برکت عطا فرماوے۔(پھر علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی عبارت نقل فرما کر تحریر فرمایا:) بہرحال ہم لوگوں کے لئے احتیاط اسی میں ہے کہ بے اصل روایات نہ بیان کریں۔اللہ تعالی آپ کو جزاء خیر عطا فرمائیں اور بندے کو

معاف فرماوے، آمین''۔

غرض تحریر

اسی دوران ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں ایک مضمون پڑھا۔اس کے صفحہ ۴۴ر پر ''علماء کرام کے فرائض'' کے عنوان کے تحت یہ حدیث نظر سے گذری، تو دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس حدیث کے متعلق ایک مختصر سا ایسا مضمون لکھا جائے جس میں حوالوں کے ساتھ محدثین کے نزدیک اس حدیث کا مرتبہ ومقام کیا ہے اس کا بیان آجائے۔ چنانچہ ذیل میں چند محدثین کی عبارت پیش کی جاتی ہیں:

محدثین کی تصریحات

(۱)......علامہ سخاوی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

" قال شيخنا ومن قبله الدميری والزركشی : انه لا اصل له ، زاد بعضهم ولا يعرف فی كتاب معتبر ، وقد مضى فی " اكرموا حملة القرآن ،كاد حملة القرآن ان يكون انبياء الا انهم لايوحی اليهم " ولابی نعيم فی فضل العالم العفيف بسند ضعيف عن ابن عباس رفعه " اقرب الناس من درجة النبوة اهل العلم والجهاد "۔

(المقاصد الحسنة ص۴۵۹، رقم الحديث:۷۰۲)

خلاصۂ ترجمہ: ......ہمارے شیخ اور ان سے پہلے علامہ دمیری اور علامہ زرکشی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا تذکرہ بھی نہیں ہے، اور اس کی تفصیل ''اكرموا حملة القرآن'' کے ذیل میں گذر چکی ہے۔اسی طرح ابونعیم نے ضعیف روایت ''فضل العالم العفيف'' کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ ''نبوت کے درجہ سے لوگوں میں سب سے زیادہ

قریب اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔

(۲)......ملا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''قال الدميری والعسقلانی : لا اصل له ، وكذا قال الزركشی وسكت عنه السيوطی''۔(الموضوعات الكبرى ص۱۵۹، رقم الحديث:۶۱۴)

یعنی علامہ دمیری اور علامہ عسقلانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اسی طرح زرکشی رحمہ اللہ کا قول ہے اور علامہ سیوطی نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔

(۳)......لا يعرف له اصل۔

(اللألی المنثورة فی الاحاديث المشهورة المعروف ب " التذكرة فی الاحاديث المشتهرة''ص ۱۶۷)

یعنی''اللألی المنثورة''میں ہے کہ: اس کی کوئی اصل نہیں۔

(۴)......''قال الدميری والزركشی وابن حجر : انه لا اصل له''۔

(تمييز الطيب من الخبيث فيما يدور على السنة الناس من الحديث ص۱۲۱، رقم الحديث: ۸۷۱)

یعنی علامہ دمیری، علامہ زرکشی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ: اس کی کوئی اصل نہیں۔

۵:......حديث :" علماء امتی كانبياء بنی اسرائيل " موضوع لا اصل له ، كما قاله غير واحد من الحفاظ ، و يذكره كثير من العلماء فی كتبهم غفلة عن قول الحفاظ''۔(اسنى المطالب فی احاديث مختلفة المراتب ص۱۵۱، رقم الحديث:۸۸۹)

یعنی یہ حدیث موضوع ہے اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ متعدد حفاظ حدیث نے

صراحت کی ہے، اور بہت سے علماء حفاظ حدیث کے قول سے عدم واقفیت کی بناپر اس کو ذکر کردیتے ہیں۔

(۶)......لا اصل له کما قال الدمیری والزرکشی والعسقلانی۔

(المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع ص۱۲۳، رقم الحدیث :۱۹۶)

(۷)......لا اصل له۔

(الدرر المنتثرة فی الاحادیث المشتهرة ص۱۸۸، رقم الحدیث:۲۹۳)

(۸)......قال ابن حجر والزرکشی لا اصل له۔

(الفوائد المجموعة فی الاحادیث الضعیفة والموضوعة ص۸۹۸ ج۲، رقم الحدیث:۴۷)

(۹)......فائدة : سئل الحافظ العراقی عما اشتهر علی الالسنة من حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" فقال :لااصل له ولا اسناد بهذا الفظ۔

(فیض القدیر ص۵۰۴ ج۴، تحت رقم الحدیث:۵۷۰۳ "العلماء مصابیح الارض")

ان حوالجات سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن حجر، علامہ دمیری، علامہ زرکشی، حافظ عراقی وغیرہ محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں۔

شیخ محمد بن درویش الحوت (تلمیذ رشید علامہ شامی رحمہ اللہ) نے صراحت فرمائی ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

شیخ ابراہیم ناجی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے اور اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا ہے۔ "**وانکره ایضا الشیخ ابراهیم الناجی والف فی ذلک جزئا**"۔

(کشف الخفاء ص۶۰ ج۲)

"کشف الخفاء" کی عبارت سے اس کا مرفوع ہونا ثابت ہوتا ہے، اور بعض حضرات

نے ''روی بسند ضعیف '' کہا ہے، جس سے اس حدیث کا ضعیف ہونا معلوم ہوتا ہے، مگر محدثین کی بڑی جماعت کی اس صراحت کے بعد کہ ''لا اصل لہ '' اور صاحب اسنی المطالب کی عبارت ''حدیث موضوع '' کی وجہ سے اہل علم حضرات کو اس حدیث کے بیان کرنے یا تصنیف تالیف میں ذکر کرنے سے احتیاط ہی کرنا چاہیئے، اور علامہ حوت رحمہ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ: بعض اہل علم حفاظ اور محدثین کی قول پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے اپنی کتابوں میں لکھ دیتے ہیں۔

''خیر الفتاوی'' میں ''تذکرۃ الموضوعات اور ''موضوعات کبیر'' کی عبارت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ:

''یہ روایت ضعیف ہے، اور بقول بعض (راقم کہتا ہے کہ: بقول اکثر) اس کی کوئی اصل نہیں''۔(خیر الفتاوی ص۳۰۰ ج۱)

علامہ عبدالرؤف مناوی صاحب فیض القدیر رحمہ اللہ کے بقول حافظ عراقی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو صاف فرمادیا کہ: اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

نوٹ:...... یہ مضمون ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الاول ۱۴۲۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

’’حب الوطن من الایمان‘‘ حدیث ہے؟

عوام وخواص میں بہت مشہور ہے کہ:’’ حب الوطن من الایمان ‘‘یعنی وطن کی محبت ایمان کی علامت ہے، حدیث نبوی ہے۔ واعظین ومقررین بھی دوران بیان اسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کردیتے ہیں۔

بعض اہل علم کو اصرار ہے کہ یہ حدیث ہے، حالانکہ ان کی تحقیق میں یہ بات آچکی ہے کہ محدثین نے اس جملہ کے متعلق صراحت فرمادی کہ یہ حدیث نہیں ہے، اور راقم نے عصبیت پسند حضرات سے اپنی حب وطنی پر اس حدیث کو استدلال میں سنا، بلکہ فخریہ انداز اپناتے دیکھا ہے’’اعاذنا الله‘‘۔

لہذا مناسب معلوم ہوا کہ اس جملہ کے متعلق محدثین کی عبارات کو جمع کروں! کیا بعید ہے اللہ تعالی اس مختصر مضمون کو ذخیرۂ نجات بنادے۔

محدثین کی تصریحات

شیخ محمد ابن سید درویش الحوت رحمہ اللہ(م ۱۲۷۶ھ تلمیذ علامہ شامی رحمہ اللہ) تحریر فرماتے ہیں:’’حب الوطن من الایمان))حدیث موضوع‘‘۔

(اسنی المطالب فی احادیث مختلفة المراتب ۱۰۳، رقم الحدیث:۵۵۱)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

’’حدیث ”حب الوطن من الایمان “ قال الزرکشی : لم اقف علیه ، وقال السید معین الدین الصفوی : لیس بثابت ، وقیل : انه من کلام بعض السلف ، وقال السخاوی : لم اقف علیه ومعناه صحیح‘‘۔

(الموضوعات الکبری ص۱۰۰، رقم الحدیث:۴۱۳)

علامہ منوفی رحمہ اللہ نے اس پر اعتراض کیا ہے:

''قال المنوفی ماادعاہ من صحة معناه عجیب''(والبسط فی الموضوعات)

مگر ملا قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''ومعناه صحیح''اس کا معنی صحیح ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:

'' ثم الاظهر فی معنی الحدیث ان صح مبناه ای یحمل علی ان المراد بالوطن الجنة''۔(الموضوعات الکبری ص۱۰۰، رقم الحدیث:۴۱۳)

یہ بھی ممکن ہے کہ وطن سے مراد جنت ہو۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''واما حدیث " حب الوطن من الایمان " فموضوع وان کان معناه صحیحا لا سیما اذا حمل علی ان المراد بالوطن الجنة فانها المسکن الاول''۔

(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح ص۵ ج۴، تحت حدیث " کن فی الدنیا کانک غریب ")

صاحب کشف الخفاء تحریر فرماتے ہیں:

''حب الوطن من الایمان ' قال الصغانی : موضوع''۔

(کشف الخفاء ص۳۴۵ ج۱، رقم الحدیث :۱۱۰۰)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث " حب الوطن من الایمان " لم اقف علیه''۔

(الدرر المنتشرة فی الاحادیث المشتهرة ص۷۴)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''لم اقف علیہ''۔(المقاصد الحسنۃ ص۱۸۳، رقم الحدیث:۳۸۶)

علامہ عبدالرحمٰن الشیبانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث ''حب الوطن من الایمان'' قال شیخنا : لم اقف علیہ ومعناہ صحیح''

(تمییز الطیب من الخبیث فیما یدور علی السنۃ الناس من الحدیث ص۷۷، رقم الحدیث:

۵۰۸)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی صاحب فتاوی محمودیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اس جملہ کا حدیث ہونا ثابت نہیں، ہر شخص کو اپنے وطن سے محبت ہوا ہی کرتی ہے، اس اعتبار سے اس کے معنی کو صحیح کہا ہے۔

حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور تحریر فرماتے ہیں:

''حب الوطن من الایمان ''زبان زد ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ایک مقام پر حدیث کر کے لکھا ہے، لیکن یہ لفظ ثابت نہیں۔

(ماخوذ از: مکتوب بنام: مولانا محمد ایوب سورتی صاحب)

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حب الوطن من الایمان ''یعنی وطن کی محبت علامت ایمان کی ہے۔ حدیث نہیں ہے، بعض سلف صالحین کا کلام ہے، چونکہ حب وطن حضور ﷺ میں بھی پائی گئی ہے، اور آپ ﷺ نے مختلف مواقع میں وطن کی محبت متعدد احادیث میں ظاہر فرمائی ہے، اس لئے اس صفت کا محمود ہونا اور منجملہ علامات واخلاق ایمانی ہونا یقینی ہوا۔

مکہ مکرمہ سے آپ ﷺ کا خطاب

مکہ معظّمہ کو خطاب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا:

’’تو نہایت ہی مبارک شہر ہے، اور مجھے نہایت ہی محبوب ہے، اگر میری قوم مجھ کو یہاں سے نہ نکالتی تو تیرے سوا دوسرے شہر میں نہ رہتا‘‘۔

یہ بھی فرمایا کہ:

’’تو خدا تعالی کی تمام زمینوں سے بہتر ہے اور تمام زمینوں سے مجھ کو زیادہ محبوب ہے‘‘

صحابہ میں بھی اس صفت کی کمی نہ تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد عرصہ تک حسرت کے ساتھ وطن کو یاد کرتے رہے، آخر رسول اللہ ﷺ کی دعا سے مدینہ منورہ کی محبت سب کے قلوب میں اصلی وطن کے برابر ہو گئی۔

اور بعض علماء نے اس مقولہ کے معنی میں بہت تکلف کیا ہے، یعنی وطن سے مراد عالم آخرت یا جنت ہے جو اصل مقام و مسکن ہے، جس کے بھول جانے پر مولانا جامی رحمہ اللہ تعجب سے تنبیہ فرماتے ہیں ؎

توئی آں دست پرور مرغ گستاخ — کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ

چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی — چو دوناں مرغ ایں ویرانہ گشتی

اور واقعی اشتیاق اس عالم کا اور تمنا و محبت جنت کی اہل ایمان ہی کا حصہ ہے، کیونکہ وہ محل دیدار جناب حق سبحانہ وتعالی ہے جو غایت مقصود اہل ایمان ہے۔

(نا قابل اعتبار روایات ص۳۴)

وطن سے محبت فطری چیز ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وطن ہر کسی کو عزیز ہوتا ہے جس سے انبیاء علیہم السلام تک بھی مستثنیٰ نہیں رہے۔ بوقت ہجرت آپ ﷺ نے وطن عزیز مکہ مکرمہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

’’ما اطیبک من بلد و احبک ، ولولا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت

غیرک‘‘۔(ترمذی ص۲۳۰ ج۲، باب فضل مكة)

یعنی تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھے کس قدر عزیز ومحبوب ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

مکہ مکرمہ سے آپ ﷺ کا خطاب

﴿لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ﴾ کا شانِ نزول

مفسرین نے ﴿اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ﴾۔

(سورۂ قصص، آیت: ۸۵)

یعنی جس خدا نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو آپ کے اصلی وطن میں پھر پہنچا دے گا۔ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا، کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے، جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے، اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا، اسی وقت حضرت جبرئیل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے، جس میں بشارت دی گئی ہے کہ: مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چندروزہ ہے، اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائے گا، جو فتح مکہ کی بشارت تھی۔ اس واقعہ سے بھی آپ ﷺ کی حب وطنی کا پتہ چلتا ہے۔(معارف القرآن ص۶۵۹ ج۶)

محدثین نے اس حدیث کی تحقیق کے ذیل میں وطنی محبت کے متعلق کچھ اقوال نقل کئے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

تین حیوانوں میں تین خصلتیں

(۱)...... ہندہ کا قول ہے کہ: تین قسم کے حیوانوں میں تین خصلتیں ہوتی ہیں:

اونٹ اپنے ٹھہرنے کی جگہ کا عاشق ہوتا ہے اگر چہ اس کا نگران دور ہو، اور پرندے اپنے گھونسلے کی طرف رغبت رکھتے ہیں اگر چہ وہ بنجر ہو، اور انسان اپنے وطن کا راغب ہوتا ہے اگر چہ دوسری جگہ اس سے زیادہ نفع ہو۔

''قالت الهند : ثلاث خصال فی ثلاث اصناف من الحیوان : الابل تحن الی اوطانها وان کان عهدها بعیدا ، والطیر الی وَکُره وان کان موضعه مُجُدِباً ، وانسان الی وطنه وان کان غیره اکثرله نفعا''۔

(المقاصد الحسنة ص۲۹۷، تحت رقم الحدیث:۳۸۶۔کشف الخفاء ص۳۰۹ ج۱، تحت رقم الحدیث:۱۱۰۱)

آدمی کے پہچان کی علامتیں

(۲)......ایک اعرابی کا مقولہ ہے: جب تو کسی آدمی کو پہچاننا چاہے تو دیکھ! کہ وہ اپنے وطن کا کیسا مشتاق ہوتا ہے، اور اپنے بھائیوں سے ملاقات کا کتنا خواہش مند ہوتا ہے، اور اپنے گذرے ہوئے زمانہ پر کتنا روتا ہے۔

''عن الاصمعی سمعت اعرابیا یقول : اذا اردت ان تعرف الرجل فانظر کیف تحننه الی اوطانه ، وتشوقه الی اخوانه ، وبکائه علی مامضی من زمانه''۔

(المقاصد الحسنة ص۲۹۷، تحت رقم الحدیث:۳۸۶۔کشف الخفاء ص۳۰۹ ج۱، تحت رقم الحدیث:۱۱۰۱)

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب کا فتوی

راقم کے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے فتاوی ''مرغوب الفتاوی'' میں ہے:

سوال:...... ''حب الوطن من الایمان'' حدیث ہے یا نہیں؟

جواب:...... حدیث نہیں، فقط، واللہ تعالی اعلم۔

نوٹ:......راقم کا یہ مضمون ماہنامہ ''اذان بلال'' آگرہ محرم ۱۴۲۳ھ مطابق مارچ ۲۰۰۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

’’خیر القرون قرنی‘‘ حدیث کے الفاظ ہیں؟ تحقیق کی وجہ

راقم الحروف اپنے جد بزرگوار حضرت مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کے فتاوی ’’مرغوب الفتاوی‘‘ کی ترتیب تحقیق وتحشیہ کا کام کررہا تھا کہ ایک استفتاء کے جواب میں ’’خیر القرون قرنی ‘‘ کے مشہور الفاظِ حدیث پر نظر پڑی جسے عموماً جمعہ کے خطبہ میں سننے کا موقع ملتا ہے۔

اندازہ تھا کہ ان الفاظ سے یہ حدیث مختلف کتب احادیث میں مل جائے گی، مگر تتبع کے وقت دس سے زائد کتب حدیث کی ورق گردانی کے باوجود ایک جگہ بھی نہ ملی تو تعجب کی انتہاء نہ رہی کہ اتنی مشہور حدیث اور کہیں نہیں۔

اہل علم وارباب افتاء کی صراحت

چنانچہ راقم نے مختلف اکابر وارباب افتاء کی خدمت میں ان الفاظ کی تحقیق کے لئے ایک عریضہ استفتاء کی شکل میں ارسال کیا، جن حضرات کے جوابات موصول ہوئے سب نے یہی لکھا کہ ہمیں بھی ان الفاظ سے یہ روایت باوجود تلاش کے نہیں ملی۔

دوسرے الفاظ سے یہ حدیث ثابت ہے

اگرچہ صحاح وغیرہ حدیث کی کئی کتابوں میں یہ روایت مختلف الفاظ سے منقول ہے، مثلاً ’’بخاری شریف‘‘ میں ہے:

’’ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : خیرکم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم‘‘ الخ۔(بخاری ص۳۶۲ ج۱، باب لا یشھد علی شھادۃ جور اذا اشھد ،کتاب الشھادۃ)

’’بخاری‘‘ہی میں دوسری جگہ اس طرح سے یہ روایت مروی ہے:

’’خیر امتی قرنی‘‘اور’’خیر الناس قرنی‘‘۔

(بخاری ص۵۱۵ ج۱، باب فضائل اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم ، کتاب المناقب ، رقم الحدیث:۳۶۵۰/۳۶۵۱)

’’صحیح مسلم شریف‘‘میں بھی مختلف الفاظ سے یہ حدیث آئی ہے:

(۱)......سئل رسول الله صلی الله علیه وسلم ای الناس خیر؟ قال : قرنی ثم الذین یلونهم۔

(۲)......خیر الناس قرنی۔

(۳)......خیر امتی القرن الذی بعثت فیهم۔

(۴)......ان خیرکم قرنی۔

(۵)......خیر هذه الامة القرن الذی بعثت فیهم۔

(۶)......ایّ الناس خیر ؟ قال : القرن الذی انا فیه۔

(مسلم ص۳۰۹ ج۳، باب فضل الصحابة ثم الذین الخ ، کتاب الفضائل)

’’مشکوۃ شریف‘‘میں بھی یہ حدیث موجود ہے:’’خیر الناس قرنی‘‘۔

(مشکوۃ ص۳۲۷، باب الاقضیة والشهادات ،کتاب الامارة والقضاء)

دوسری جگہ ہے:

’’خیر امتی قرنی‘‘۔(مشکوۃ ص۵۵۲، باب مناقب الصحابة)

ایک جگہ ہے:’’اکرموا اصحابی فانهم خیارکم‘‘۔

(مشکوۃ ص۵۵۴، باب مناقب الصحابة)

شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

" ورواہ احمد والترمذی ، ورواہ الطبرانی عنه بلفظ :" خیر الناس" الخ ، وروی الطبرانی والحاکم فی مستدرکه عن جعدة بن هبیرة و لفظه : "خیر الناس قرنی" الخ ، (مرقاۃ ص۲۵۶ ج۷)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

" وروی احمد والشیخان والترمذی عن ابن مسعود رضی الله عنه و لفظه : "خیر الناس" الخ"۔(مرقاۃ ص۲۷۷ ج۱۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوۃ میں کوئی ایک حوالہ بھی "خیر القرون قرنی " کے الفاظ کا نہیں دیا، لہذا معلوم ہوا کہ انہیں بھی ان الفاظ سے یہ روایت نہیں ملی، مگر اپنی ایک اور تصنیف میں "خیر القرون قرنی " کے الفاظ سے یہ روایت نقل فرمادی، اور کوئی حوالہ نہیں دیا۔(شرح فقہ اکبر ص۱۰۲)

"ترمذی شریف" کی روایت میں "خیر الناس" کا لفظ ہے۔

(ترمذی ص۲۲۵ ج۲، باب ما جاء فی فضل من رأی النبی صلی الله علیه وسلم و صحبه ، ابواب المناقب ، رقم الحدیث:۳۸۵۹)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ اور علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ نے بھی "خیر الناس "اور "خیر امتی " کے الفاظ سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(جامع الصغیر ص۹ ج۲۔فیض القدیر ص۶۳۶۷/۶۶۸/۶۶۹/۶۴۴ ج۳، رقم الحدیث: ۴۰۳۳/۴۰۳۴/۴۰۳۵/۴۰۳۶/۴۰۳۷/۴۰۵۳)

شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے بھی "خیر الناس "اور "خیر امتی "اور "خیرکم قرنی " کے

الفاظ سے چندروایات نقل کی ہیں۔

(کنز العمال ص۵۲۶ ج۱۱، باب فی ذکر الصحابة و فضلهم ، رقم الحدیث:۳۲۴۴۹/۳۲۴۵۰/ ۳۲۴۵۱/۳۲۴۵۲/۳۲۴۵۳/۳۲۴۵۴/۳۲۴۵۷)

’’خیر القرون ‘‘قرنی کے الفاظ ثابت نہیں

ان حوالجات سے معلوم ہوتا ہے کہ’’خیر القرون قرنی ‘‘کے الفاظ حدیث میں منقول نہیں ہے۔غالبا یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے خطبات میں’’خیر امتی قرنی ‘‘کے الفاظ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

(خطبات الاحکام ص۸۰)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی تحقیق

راقم الحروف اس حدیث کے الفاظ کی تحقیق کر چکا تھا کہ حسن اتفاق سے عالم اسلام کے عظیم محدث و محقق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کی صراحت بھی مل گئی۔انہوں نے صاف لکھ دیا کہ: مجھے بھی’’خیر القرون قرنی ‘‘کے الفاظ نہ تو صحیحین میں اور نہ دیگر کتب حدیث میں ملے:

’’ هذا اللفظ (ای خیر القرون قرنی) لم اجده فی الصحیحین أو غیرهما مما رجعت الیه من المصادر الحدیثیة ‘‘۔(الاجوبة الفاضلة للاسئلة العشرة الكاملة ص۲۷)

خطبہ میں حدیث سے ثابت شدہ الفاظ ہی پڑھنے چاہئے

لہذا ائمۂ مساجد کی خدمت میں درخواست ہے کہ خطبۂ جمعہ میں،اسی طرح مقررین و مصنفین کو بھی چاہئے کہ اپنی تقریروں اور تصانیف میں’’خیر القرون قرنی ‘‘کے بجائے

ان الفاظ کا استعمال کریں جو مختلف کتب احادیث میں صحیح سند سے ثابت ہیں۔

راقم نے اپنے استفتاء میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر یہ روایت ان الفاظ سے ثابت نہ ہوتو جو الفاظ مشہور وزبان زد ہے ان کا خطبہ میں پڑھنا کیسا ہے؟ اور روایت بالمعنی کا کیا مطلب ہے؟ اور اس کا استعمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جن حضرات کے جوابات موصول ہوئے ان میں ہے کہ: وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئے جو احادیث میں منقول ہیں۔

جن حضرات کے جوابات موصول ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

ارباب افتاء کے فتاوی

مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ کا فتوی

الجواب:......وباللہ التوفیق: یہاں بھی کافی تلاش وجستجو کی گئی مگر کسی روایت میں ”خیر القرون قرنی “ کے الفاظ نہیں ملے، گو کہ مفہوم کے لحاظ سے یہ الفاظ صحیح ہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ صحیح ثابت شدہ الفاظ ہی خطبہ وغیرہ میں پڑھے جائیں۔ الفاظ حدیث پر کامل معرفت رکھنے والے شخص کے لئے روایت بالمعنی کی اجازت ہے، مگر اسے بھی اخیر میں ”أو کما قال“ جیسے الفاظ کہہ دینے چاہئیں۔

” وقد قدمناه فی الفصول السابعة الخلاف فی جواز الروایة بالمعنی لمن هو کامل المعرفة ، قال العلماء : و یستحب لمن روی بالمعنی ان یقول بعده : ” أو کماقال “ أو نحو هذا ، کما فعلته الصحابة فمن بعدهم ، والله اعلم۔

(النووی علی مسلم،۱/۸)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند کا فتوی

الجواب:...... حامدا و مصلیا: عام کتب حدیث میں ''خیر امتی قرنی'' کے الفاظ ہیں۔ بعض روایات میں ''خیر الناس قرنی'' کے الفاظ ہیں۔ ''خیر القرون قرنی'' کے الفاظ سند کے ساتھ کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ملے، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں ایک اشکال کا جواب دیتے ہوئے یہ روایت ''خیر القرون قرنی'' کے الفاظ کے ساتھ پیش کی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو پہنچی ہے ''وھذا الاشتباہ مندفع بصریح قولہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر القرون قرنی'' الخ۔ (فتح الباری ص۵ ج۷)

پس بہتر یہ ہے کہ ''خیر امتی'' کے الفاظ ادا کئے جائیں، اگر کوئی ''خیر القرون'' کے الفاظ کہتا ہے تو یقین کے ساتھ اس کو غلط نسبت نہیں کہا جا سکتا، فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد: محمد طاہر

الجواب صحیح — حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح — ظفیر الدین عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی کا فتوی

الجواب: ......حامدا و مصلیا: 'خیر القرون قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم' کے بعینہ الفاظ کافی تلاش وجستجو کے بعد ہمیں بھی کسی حدیث میں نہیں ملے، لہذا خطبہ میں یہ الفاظ پڑھنے کے بجائے وہ الفاظ پڑھنے چاہئے جو کتب احادیث میں سند سے ثابت ہیں۔

روایت بالمعنی کا مطلب یہ ہے کہ منقول الفاظ کی پابندی نہ کی جائے، بلکہ حدیث کے مفہوم کو اس کے مترادف الفاظ سے بیان کیا جائے، اور روایت بالمعنی اس وقت بیان کی

جاتی ہے جب راوی کو حدیث کے الفاظ صحیح طور پر یاد نہ ہوں البتہ اس کا مفہوم ذہن میں ہو،

ان لم یکن عالما بالالفاظ ومقاصدها خبیرا بما یحیل معانیها لم تجز له الروایة بالمعنی بلا خلاف، ....فان کان عالما بذالک فقالت طائفة : لا تجوز الا بلفظه، ....وقال جمهور السلف والخلف من الطوائف : یجوز بالمعنی فی جمیعه اذا قطع بأداء المعنی اه ۔(تدریب الراوی ۱/۹۸)

اماالروایة بالمعنی فالخلاف فیها شهیر ...ولا شک ان الاولی ایرادالحدیث بالفاظه دون التصرف فیه ، قال القاضی عیاض : ینبغی سد باب الروایة بالمعنی لئلا یتسلط من لا یحسن ممن یظن انه یحسن کما وقع بکثیر من الرواة قدیما و حدیثا اه۔ (شرح نخبة الفکر ص۲۲) والله سبحانه اعلم بالصواب۔

محمد یعقوب عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح — احقر: محمود اشرف غفر اللہ لہ

الجواب صحیح — بندہ: عبدالرؤف

مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کا فتوی

الجواب:......باسم الوهاب: بخاری، مسلم، ترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی، المعجم الکبیر، جامع صغیر وغیرہ میں "خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم "الخ اور "خیر امتی الذی بعثت فیه ثم الذین یلونهم "الخ اور "خیر امتی قرنی ثم الذین یلونهم " کے الفاظ تو موجود ہیں اور طبرانی کی ایک روایت میں صرف "خیر القرن قرنی" بھی وارد ہے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ص۲۱۱ ج۲۴)

لیکن "خیر القرون قرنی "جو خطبہ میں بصیغۂ جمع ہے، باوجود تلاش کے نہیں مل سکا اور

چونکہ نہ ملنے کے لئے ثابت نہ ہونا لازم نہیں، اس لئے نسبت کے غلط ہونے کا حکم قطعی نہیں لگایا جا سکتا، بالخصوص جب کہ "خیرا لقرن قرنی" بھی وارد ہے۔

نیز الفاظ حدیث کو اکثر اصولیین نے ضروری بھی قرار نہیں دیا، بلکہ روایت بالمعنی کی بھی گنجائش دی ہے، اس لئے نسبت کو غلط بھی نہیں کہا جا سکتا۔

بہتر یہی ہے کہ حضور ﷺ کے الفاظ بلا کسی تصرف کے ہو بہو نقل کئے جائیں۔

قال الحافظ : اما الرواية بالمعنى فالخلاف فيه شهير ، والاكثر على الجواز (الى ان قال :) ولا شک ان الاولى ايراد الحديث بالفاظه دون التصرف فيه ، والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب۔

کتبہ: محمود عالم اطہری

الجواب صحیح	الجواب صحیح والرأی صحیح
محمد امین غفرلہ	اطہر حسن غفرلہ

مظاہر علوم سہارنپور کا فتوی

الجواب:......حامدا مصليا : " خير القرون قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم " بعینہ ان الفاظ کے ساتھ تو یہ حدیث تتبع کے باوجود مل نہ سکی، البتہ اس کے قریب قریب الفاظ کے ساتھ کتب احادیث میں منقول ہے، چنانچہ "معجم کبیر للطبرانی" میں ہے:

"ان النبى صلى الله عليه وسلم قال خير القرن قرنى "۔(معجم کبیر للطبرانی ص۲۱۰ ج۲)

اور "مجمع الزوائد" میں ہے:

" خير القرون امتى ثم الذين لونهم "۔(مجمع الزوائد ص۲۰ ج۱۰)

اور "مجمع الزوائد" میں ہے:

’’خیر القرن الذی انا فیہ ثم الثانی ثم الثالث ثم الرابع‘‘۔(مجمع الزوائد ص۱۹ ج۱۰)

اور’’مسلم شریف‘‘میں ہے:

’’خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم‘‘۔(مسلم ص۳۰۹ ج۲)

اور’’مسلم شریف‘‘کے صفحۂ مذکورہی پر ہے:

’’ خیر القرن الذی بعثت فیھم ثم الذین یلونھم‘‘۔(مسلم ص۳۰۹)

غالب گمان یہ ہے کہ مطبوعہ خطبات میں اس حدیث کی روایت بالمعنی کی گئی ہے، اور حدیث کو بالمعنی روایت کرنا بھی صحیح ہے، اس لئے ’’خیرا لقرو ن قرنی‘‘ کے الفاظ کہنے سے حضور ﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا لازم نہ آئے گا، اور ایسا شخص حدیث:’’ من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار ‘‘ کی وعید میں داخل نہ ہوگا، لیکن بہر حال اولی اور بہتر حدیث کو منقول الفاظ کے ساتھ پڑھنا ہی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

العبد: محمد اسرار

الجواب صحیح: مقصود

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی کی تحقیق

’’خیر القرون‘‘ والی حدیث بلاشبہ’’خیر الناس‘‘یا’’خیر امتی‘‘ کے الفاظ سے کتابوں میں مذکور ہے، لیکن مطلب اس کا یہی ہے کہ میرا زمانہ بہتر ہے، اور معلوم ہے کہ آپ ﷺ کی امت سب سے بہتر امت ہے، اور آپ ﷺ کی امت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے بہتر ہیں۔اس لئے’’خیرا لناس ‘‘اور’’خیر امتی ‘‘میں کوئی تعارض نہیں۔

اسی طرح قرن ایک زمانہ کے لوگوں کو کہتے ہیں، تو صحابۂ کرام کا زمانہ’’خیر القرون‘‘

ہوا، اس لئے روایت بالمعنی کے طور پر ''خیر القرون قرنی'' والی حدیث ''خیر الناس'' اور ''خیر امتی'' کے ہم معنی ہے، اور روایت بالمعنی کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ لفظ بدل جائے معنی نہ بدلے اور روایت بالمعنی جائز ہے۔

حضرت ﷺ نے ''خیر الناس'' یا ''خیر امتی'' میں سے کوئی لفظ فرمایا ہوگا، لیکن دونوں لفظ روایتوں میں موجود ہیں، اور اگر ایک صحابی کی روایت لیجئے تو حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری میں ''خیر کم قرنی'' (بخاری ص۳۶۲) سے مذکور ہے اور یہی حدیث ''خیر امتی قرنی'' کے لفظ سے مذکور ہے، صرف راویوں کے بدلنے سے لفظ بدل گیا ''خیر کم'' کے بجائے ''خیر امتی'' ہوگیا۔ (بخاری ص۵۱۵ ج۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''التلخیص الحبیر'' میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی ہی حدیث ''خیر القرون قرنی'' کے لفظ سے نقل کی اور ''متفق علیه'' کہا، حالانکہ ''بخاری'' و ''مسلم'' میں یہ لفظ نہیں، یہ روایت بالمعنی ہے۔ لطف یہ ہے کہ ''بلفظ خیر القرون'' کہا۔ (التلخیص الحبیر ص۲۰۴ ج۴)

''بخاری شریف'' میں ہے:

''بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منه''۔ (بخاری ص۵۰۳ ج۱)

اس سے آپ ﷺ کا خیر القرون ہونا معلوم ہوا۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہا کی روایت ''مسند احمد'' سے نقل کی جس میں:

'' خیر ھذہ الامة القرن الذین بعثت فیھم '' نقل کیا، اس سے بھی مقصود حاصل ہوگیا۔ (فتح الباری ص۶ ج۷)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''الموضوعات الکبری ''یعنی ''الاسرار المرفوعة ''میں ''خیر القرون قرنی '' کے لفظ سے یہ حدیث نقل کی۔

(الموضوعات الکبری ص۱۷۸، حدیث نمبر:۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کی زبان پر اس طرح یہ حدیث مشہور ہے، اس لئے خطبہ میں آگئی، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحیح حدیثوں میں جو الفاظ ہیں انہی کو کہنا اولی اور بہتر ہے، واللہ اعلم۔

نوٹ:...... یہ مضمون ماہنامہ ''اذان بلال'' آگرہ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ مطابق جون ۲۰۰۱ء۔ میں شائع ہو چکا ہے۔

مقدمہ اصول حدیث

اصول حدیث کی تعریف، اصول حدیث کا موضوع وغرض اور غایت، اصول حدیث کی تدوین، ’’نخبة الفكر‘‘ کی اہمیت، ’’نخبة الفكر فى مصطلح اهل الاثر‘‘ کا معنی، شروح وحواشی ’’نخبة الفكر‘‘ صاحب نخبہ: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے مختصر حالات، لفظ ’’مقدمہ‘‘ کی تحقیق اور چند بحثیں، وغیرہ امور پر مشتمل مختصر اور مفید رسالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوٹ:...... یہ مختصر رسالہ اصول حدیث کا ایک مقدمہ ہے، اس لئے رسالہ کے شروع میں ''مقدمہ'' کی تحقیق بھی مناسب سمجھی گئی۔

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند بحثیں

مقدمہ:...... سے مراد وہ تمہیدی کلمات ہیں جو کسی کتاب کے آغاز میں کتاب کے مباحث مقصودہ سے متعلق بیان کئے جائیں۔

لفظ ''مقدمہ'' میں چند بحثیں ہیں:

(۱):...... پہلی بحث اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہے: اصطلاح میں ''مقدمہ'' کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر آئندہ آنے والے مقاصد موقوف ہوں۔ بلفظ دیگر جو چیزیں مقاصد سے پہلے بیان کی جائیں ان کو ''مقدمہ'' کہتے ہیں۔

(۲):...... دوسری بحث صرفی ہے: ''مقدَّمة'' (باب تفعیل، تقدیم) سے مشتق ہے، لیکن آیا ''مقدّمة'' بفتح الدال اسم مفعول کا صیغہ ہے یا بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے؟

تو صاحب کشاف علامہ زمخشری نے ''الفائق'' اور صاحب مفتاح العلوم علامہ سکاکی نے ''الاساس'' میں تصریح کی ہے کہ: ''مقدّمة'' بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے، یعنی آگے کرنے والا۔

اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کس کو آگے کرنے والا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مقدمہ بھی اپنے پڑھنے اور سمجھنے والے طالب علم کو اس شخص پر مقدم اور آگے کرتا ہے جو اس کو پڑھے اور سمجھے بغیر علم حاصل کرنا شروع کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: یہاں پر باب ''تفعیل'' معنی میں باب ''تفعل'' کے ہے۔ بلفظ

دیگر لازم ہے متعدی نہیں ہے، تو ''مقدّمة'' بمعنیٰ ''متقدّمة'' ہے، یعنی آگے ہونے والا، اور چونکہ وہ مقصود سے آگے ہوتا ہے، اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ''مقدّمة'' بفتح الدال باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور یہی مشہور ہے، یعنی آگے کیا ہوا، اور چونکہ اس کو مقاصد سے آگے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

(۳):...... تیسری بحث ''مقدّمة'' کا ماٗخذ کیا ہے؟: مقدمہ ماخوذ ہے ''مقدمة الجیش'' سے یعنی لشکر کا وہ دستہ جو لشکر سے آگے بھیج دیا جاتا ہے، جس کو اردو میں ''ہراول دستہ'' اور ''ہراول فوج'' کہتے ہیں۔

لشکر کا یہ حصہ آنے والے لشکر کے لئے معقول جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، تا کہ آنے والے لشکر کو سہولت رہے، اور کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو اسی سے کتابوں کے شروع میں مقدمہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس لئے کہ مقدمہ میں بھی ایسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ آگے آنے والے مضامین کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴):...... چوتھی بحث اقسام کے متعلق ہے: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں:

(اول):...... مقدمة العلم: ان امور کو کہتے ہیں جن پر اس علم کا شروع کرنا موقوف ہو، مثلا اس فن کی تعریف، اس کا موضوع اور اس کی غرض وغایت وغیرہ۔

(دوم):...... ''مقدمة الکتاب'' کلام کا وہ طائفہ اور ٹکڑا جس کو مقصود سے پہلے بیان کیا جاوے، مقصود کو اس کے ساتھ ربط ہونے کی وجہ سے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: ''مقدمة العلم'' اور ''مقدمة الکتاب'' دونوں متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہیں، یعنی موقوف علیہ کو مفہوم اور ادراک کے اعتبار سے ''مقدمة العلم''

کہتے ہیں اور الفاظ ونقوش کے اعتبار سے ''مقدمة الكتاب '' کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کی دونوں قسموں کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے ''مقدمة الكتاب '' عام ہے اور ''مقدمة العلم '' خاص ہے، اس لئے کہ کتاب کے شروع میں جو مکتوب ہے جس سے مقصود کی طرف رغبت بڑھتی ہے اپنی صورت اصلیہ کے اعتبار سے ''مقدمة الكتاب '' ہے، اور یہی صورت دال علی المعانی (جن پر فن کا شروع کرنا موقوف ہے) کے اعتبار سے ''مقدمة العلم '' ہے۔

علامہ دسوقی فرماتے ہیں کہ: ''مقدمة العلم '' اور ''مقدمة الكتاب '' کے درمیان تباین کی نسبت ہے، اس لئے کہ ''مقدمة العلم '' نام ہے معانی کا اور ''مقدمة الكتاب '' نام ہے الفاظ کا، اور ظاہر بات ہے کہ الفاظ اور معانی کے درمیان تباین ہے۔

(۵):...... پانچویں بحث ''مقدمة '' کی تاء کے متعلق ہے: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تاء تانیث ہے، اور مقدمہ اصل میں صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، یعنی ''الامور المقدمة ''۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: مقدمة کی تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے، یعنی مقدمہ اصل میں تو وصف ہے، لیکن وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو کر لشکر کی اس جماعت کا نام ہو گیا جو لشکر سے آگے جاتی ہے، تو یہ تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہونے لگا، جیسے:

''مقدمة العلم ' مقدمة الكتاب ' مقدمة الدليل ' مقدمة العلم ' اور ''مقدمة القياس ''۔ (راہ نحو شرح اردو ہدایۃ النحو، ص ۵۹)

الحمد لله الذی خلق الشمس والقمر ، وهدانا بالقرآن والاحادیث والاثر ، وصلی الله علی سیدنا محمد سید الجن والبشر ، وعلی اله و اصحابه مصابیح الغرر ، اما بعد !

اصول حدیث کی تعریف

لغوی تحقیق:......اصول: اصل کی جمع ہے جو ضد فرع اور بنیاد ہے، قاعدہ، دلیل، راجح، نسب، مأخذ اور مصدر وغیرہ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:......''**هو علم یعرف به حال الراوی والمروی من حیث القبول والرد**''۔(شرح القاری۔ارشاد اصول الحدیث ص ۳۱)

یعنی وہ علم ہے جس میں راوی اور مروی کے احوال سے من حیث القبول والرد بحث کی جائے۔

بعض حضرات نے اس طرح تعریف کی ہے:

''**علم بقوانین یعرف بها احوال السند والمتن**''

یعنی ایسے قواعد واصول کا جاننا جس کے ذریعہ متن کے احوال کا علم حاصل ہو۔

(تدریب الراوی ص ۴۱۔ارشاد اصول الحدیث ص ۳۲)

اصول حدیث وہ علم ہے جس میں صفات رجال اور صیغ اداء کی حیثیت سے احادیث نبویہ کی صحت وضعف اور قبول وعدم قبول کے بارے میں بحث ہو، بالفاظ دیگر: اصول حدیث ان قواعد کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ ردوقبول کے اعتبار سے راوی ومروی کا حال معلوم ہو، یعنی راوی میں کون سے اوصاف پائے جائیں جن کی وجہ سے اس کی بیان کردہ حدیث قابل قبول ہو، اور کون سے اوصاف ایسے ہیں جن کی وجہ سے بیان کردہ

روایت قابل رد ہو، اسی طرح حدیث کی کون سی قسم قابل قبول ہے، اور کون سی غیر قابل قبول۔

اصول حدیث کا موضوع وغرض وغایت

سند اور متن۔ راوی اور مرویات۔ (شرح القاری۔ ارشاد اصول الحدیث ص ۳۳)

اصول حدیث کی غرض وغایت: ''معرفة الصحيح من غيره''یعنی صحیح اور غیر صحیح کا امتیاز حاصل ہوجائے۔ (قواعد ص ۲۳۔ ارشاد اصول الحدیث ص ۳۳)

اقوال غیر سے احادیث کی حفاظت اور صحت وضعف کے اعتبار سے درجات حدیث کو معلوم کرنا۔

اصول حدیث کی تدوین

جس طرح دوسرے علوم کے لئے اصول وضوابط کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اسی طرح علم حدیث کے لئے بھی اصول وضوابط کی ضرورت تھی، تاکہ ان کے ذریعہ حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جاسکے، چنانچہ محدثین نے احادیث کے جاننے اور پرکھنے کے لئے جو معیار قائم کیا تھا وہ بہت ہی زیادہ بلند تھا۔ اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا جو قول یا فعل وغیرہ بیان کیا جائے وہ اس شخص کی زبان سے ہو جس نے اس کو خود دیکھا یا سنا ہو، اگر کسی دوسرے کی زبانی سنے تو سننے والے یا دیکھنے والے کے درمیان جتنے راوی ہوں ان کے نام ترتیب وار بیان کئے جائیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو حضرات سلسلہ روایت میں ہیں وہ کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟، ان کا چال چلن کیسا تھا؟ ان کی سمجھ بوجھ کیسی تھی؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس تھے؟ علماء تھے یا جاہل؟ کس تخیل اور کس مشرب کے تھے؟ سن پیدائش اور سن وفات کیا تھا؟ ان کے مشائخ کون

تھے؟ ضبط وعدالت میں کس درجہ کے تھے؟ تا کہ ان کے ذریعہ حدیث کی صحت وسقم معلوم ہوسکے۔

ان جزوی باتوں کا دریافت کرنا اوران کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا،لیکن محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کی، اورایک ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہرقسم کے حالات دریافت کئے،انہیں تحقیقات کے ذریعہ''اسماءالرجال'' کاایک عظیم الشان فن ایجاد ہوا۔

کسی حدیث کی صحت وعدم صحت کما حقہ اس وقت تک معلوم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کے راویوں کے حالات معلوم نہ ہوجائیں ، جوفن اس کی کفالت کرسکتا ہے وہ فن جرح و تعدیل ہے، جواصول حدیث کاایک اہم جزوہے۔تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع پرگفتگو کرنے والے اورتنقید رجال کے اصول قائم کرنے والے امام بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ حضرت شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ(م:۱۶۰ھ) ہیں جو جرح و تعدیل کے امام کہلاتے ہیں، اورسب سے پہلے اس موضوع پرقلم اٹھانے والے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے دوسرے شیخ یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ(م:۱۹۸ھ) ہیں اورانہیں کے تلامذہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ(م:۲۴۱ھ) ہیں جنہوں نے اس فن میں کتابیں لکھیں۔

بہرکیف حدیث کی صحت وسقم دریافت کرنے کے لئے اصول حدیث کی اس قدر ضرورت تھی کہ اگرکوئی محدث اس علم سے غافل ہوتا تواس کو بڑی دقتوں کا سامنا پیش آتا، خصوصا اس وقت جبکہ فتنوں کے دروازے کھل چکے تھے، بدعات کا شیوع' سیاسی انتشار' الحادوزندقہ کا زوراورعقائد میں فرقہ بندی شروع ہوگئی تھی، اور ہرشخص اپنے خیالات کی

تائید میں حدیثیں پیش کرنے لگا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس حدیثیں ان مجموعوں میں شامل ہوگئیں، جن کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے اصول حدیث کی سخت ضرورت پیش آئی، چنانچہ ''میزان الاعتدال'' میں حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اِسناد کے جانچنے کی ضرورت واقعات فتن کے بعد ہوئی۔ (قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون ص:۶۲)

''نخبة الفكر'' کی اہمیت اور ایک افسوس ناک پہلو

اصول حدیث پر جس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ''نخبة الفكر في مصطلح اهل الاثر'' کو جو مقام اور قبولیت حاصل ہوئی وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، شاید کوئی دارالعلوم ہو جس میں یہ کتاب داخل درس نہ کی گئی ہو۔

ہاں یہ افسوس کا مقام ہے کہ بعض مدارس میں اس کی تدریس کا خاطر خواہ انتظام نہیں کیا جاتا، خارج اوقات میں اور سرسری طور پر چند دنوں میں پڑھا دی جاتی ہے، حالانکہ یہ بنیادی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ غالبا اکثر طلباء مدارس کے لئے پہلی کتاب ہے جو اصول حدیث میں پڑھائی جاتی ہے، چونکہ فن کی اول و مختصر اور قدرے مشکل کتاب ہے، اس لئے اسے باقاعدہ نصاب میں اہمیت کے ساتھ پڑھانا چاہئے۔ اصول حدیث ایک مہتم بالشان فن ہے، اس میں مہارت کے بغیر کوئی حدیث دانی کا دعوی کرے تو اسے غلط کہا جائے گا۔ اصول حدیث، علم حدیث کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتا ہے، اور تمہید کی معرفت کے بغیر مقصود کی معرفت تقریبا ناممکن ہے۔

''نخبة الفكر في مصطلح اهل الاثر'' کا معنی

''نخبة'' کے معنی ہیں: چنیدہ، منتخب کردہ، اور ''الفكر'' (فاء کے زیر اور کاف کے زبر کے ساتھ) جمع ہے ''فِكْرَةٌ'' کی جس کے معنی ہیں: سوچ بچار، غور و فکر ''مصطلح'' واصطلاح

مترادف الفاظ ہیں، اور ''اثر'' کے معنی ہیں: حدیث شریف، پس ''نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر'' کے معنی ہیں: محدثین کی اصطلاحات (یعنی فن اصول حدیث) کے سلسلہ میں چنیدہ افکار ونظریات۔

اصل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصول حدیث میں ایک رسالہ بنام ''نخبة الفکر'' لکھا، اس متن کو فن میں ریڑھ کی ہڈی کا مقام حاصل ہے، مگر یہ انتہائی مختصر ہے، اس کی ایک عمدہ شرح حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم نے لکھی ہے جس کا نام ہے: ''تحفة الدرر شرح نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر''

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خود ہی اس کی ممزوج شرح لکھی جس کا نام رکھا: ''نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر''۔ ''نزهة النظر'' کے معنی ہیں: نگاہ کی تفریح۔ مدارس اسلامیہ میں متن وشرح کا یہی مجموعہ پڑھایا جاتا ہے، اور عرف میں اسی مجموعہ کو ''نخبة'' کہتے ہیں، البتہ حقیقت پسند لوگ ''شرح نخبۃ'' کہتے ہیں، کیونکہ ''نخبة'' متن ہے اور ''نزهة'' اس کی شرح ہے۔

خود حافظ رحمہ اللہ کو اپنی جن تصانیف پر ناز تھا ان میں ایک '' نخبة الفکر'' بھی ہے۔ اصول حدیث میں یہ ایک عمدہ اور جامع متن ہے، حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سینکڑوں صفحات میں پھیلے ہوئے مضامین کو ''دریا بکوزہ'' کردیا ہے۔ اس کی افادیت اور جامعیت کے پیش نظر ارباب علم حضرات نے اس پر قلم اٹھایا، اور حواشی وشروحات و تعلیقات ومنظومات ہر طرح سے اس کی خدمت کی۔

شروح وحواشی '' نخبة الفکر''

(۱):...... ''نزهة النظر فی توضیح نخبة الفکر'' یہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی شرح

ہے، جس میں توضیح وتشریح کے ساتھ متن کی عبارت کو اس طرح سمو دیا کہ شرح سے متن کا امتیاز اگرنا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

(۲):......''نتیجة النظر فی توضیح نخبة الفکر'' یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے صاحبزادے علامہ کمال الدین محمد رحمہ اللہ کی شرح ہے۔

(۳):......''تعلیق نخبة الفکر''از: علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا حنفی رحمہ اللہ، م: ۸۷۹ھ۔

(۴):......''حاشیة نخبة الفکر''از: شیخ ابراہیم اللقانی رحمہ اللہ، م: ۱۰۴۰ھ۔

(۵):......''امعان النظر فی توضیح نخبة الفکر'' یہ مولانا محمد اکرم بن عبدالرحمٰن مکی رحمہ اللہ کی شرح ممزوج ہے۔

(۶):......''تحفة الدرر شرح نخبة الفکر فی مصطلح اهل الاثر'' حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہم۔

''منظومات نخبة الفکر'':

(۱):......''منظومہ''از: کمال الدین محمد بن الحسن شمنی مالکی رحمہ اللہ، م: ۸۲۱ھ۔

(۲):......''منظومہ''از: شیخ شہاب الدین بن محمد رحمہ اللہ، م: ۸۹۳ھ۔

(۳):......''منظومہ''از: قاضی برہان الدین محمد بن ابی اسحاق المقدسی رحمہ اللہ، م: ۹۰۰ھ،

(۴):......''منظومہ''از: ابن الصیر فی احمد بن صدقہ رحمہ اللہ، م: ۹۰۵ھ۔

(۵):......''عقد الدرر فی نظم نخبة الفکر''از: شیخ ابو حامد بن ابی المحاسن یوسف بن محمد الفاسی رحمہ اللہ، م: ۱۰۵۲ھ۔

(۶):......''منظومہ''از: شیخ منصور سبط الناصر طبلاوی رحمہ اللہ۔

شروح نزہۃ النظر:

(۱):......" شرح، شرح نخبة الفكر "از: مولانا وجیہ الدین بن نصر اللہ بن عماد الدین علوی گجراتی رحمہ اللہ، م: ۹۹۸ھ۔

(۲):......"مصطلحات اهل الاثر على نخبة الفكر "از: ملا علی قاری سلطان محمد ہروی رحمہ اللہ، م: ۱۰۱۴ھ۔

(۳):......"اليواقيت والدرر على شرح نخبة الفكر "از: شیخ محمد مدعوب: عبد الرؤف المناوی الحدادی رحمہ اللہ، م: ۱۰۳۱ھ۔

(۴):......"شرح، شرح نخبة الفكر "از ابوالحسن بن عبد الہادی السندھی حنفی رحمہ اللہ، م: ۱۱۳۸ھ۔

(۵):......" عقد الدرر في جيد نذهة النظر "از: مولانا عبد اللہ صاحب ٹونکی رحمہ اللہ۔

(۶):......"سلعة القربة في شرح النخبة "از: حضرت مولانا عبد الحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ، م: ۱۳۳۱ھ۔

(۷):......" شرح اردو شرح نخبۃ الفکر" از: مولانا محمد عمر انور بدخشانی مدظلہم۔

"سلعة القربة " وقیع اور قابل قدر شرح ہے اور اس پر کام کی ضرورت

حضرت مولانا عبد الحئی کفلیتوی رحمہ اللہ کی یہ شرح نہایت وقیع وقابل قدر و بے انتہا مفید اور حل کتاب کے لئے ایک رہنما رہبر کی حیثیت رکھتی ہے، موصوف نے اس میں تحت اللفظ ترجمہ اور حل کتاب کے بجائے اصول حدیث کی اصطلاحات کے حل کرنے اور سمجھانے پر زیادہ توجہ کی ہے۔ یقیناً اس کتاب سے ایک شرح کی ضرورت آج تک بخوبی پوری ہوئی۔ عموماً اس وقت اساتذہ اور طلبہ کے سامنے یہی شرح رہتی ہے، اور اسی سے عامۃً

کتاب کے حل کی کوشش کی جاتی ہے۔

ویسے ضرورت تھی کہ اس کتاب کو عربی عبارت کے ساتھ قدرے تسہیل اور ضروری اضافوں کے ساتھ مرتب کیا جائے، الحمد للہ اس ضرورت کو حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہم استاذ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نوجوان صاحبزادے مولانا محمد عمر انور صاحب مدظلہ نے ''شرح اردو شرح نخبۃ الفکر'' کے نام سے مرتب کیا، ان کے پیش نظر اصل کتاب یہی ''سلعۃ'' رہی ہے، اسی پر انہوں نے کام کرکے آسان تر اور مفید بنانے کی کوشش کی ہے، اور ماشاء اللہ ایک حد تک موصوف اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

''سلعة القربة فی شرح النخبة '':...... ''سِلْعَة'': کے معنی ہیں: سامان تجارت، سامان، ''القُرْبَة'' کے معنی ہیں: مرتبہ کے لحاظ سے نزدیکی، نیک اعمال جن سے خدا کی خوشنودی اور قربت حاصل ہو، کار ثواب، نیک کام، ذریعۂ تقرب۔ معنی ہوا: ''سلعة القربة'' اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والا سامان تجارت۔

مرغوب احمد لاجپوری

صاحب نخبہ

یعنی شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ
کے مختصر دلچسپ حالات

از: حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ

اضافہ وحواشی از:

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

مصنف نخبہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ۱ کے مختصر حالات

حافظ ابن حجر ۲ کا لقب شہاب الدین، کنیت ابوالفضل، اور نام احمد بن محمد بن علی بن محمود بن حجر الکنانی ثم المصری الشافعی تھا، چونکہ ان کے آباء کے سلسلہ میں ایک شخص کا نام حجر تھا، اس لئے غالباً حافظ کو ابن حجر کہا گیا۔

۲۳ رشعبان ۷۷۳ھ میں حافظ پیدا ہوئے۔۳ جب علم کا شوق دامنگیر ہوا تو مصر، اسکندریہ، شام، قبرس، حلب، حجاز و یمن وغیرہ دور دراز ملکوں کا سفر کیا۔۴ اور حافظ زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی کے حلقۂ درس میں حاضر ہو کے فن حدیث میں اتنا بڑا تبحر حاصل کیا کہ حفاظ حدیث کے لقب سے ممتاز کئے گئے۔۵

۱......عسقلان: فلسطین کا خوبصورت شہر تھا، اسی لئے اس کو ''عروس شام'' کا خطاب دیا جاتا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بھی اسی شہر میں مدفون ہے۔

۲......وجہ تلقب: حافظ رحمہ اللہ ''ابن حجر'' کے لقب سے مشہور ہیں، جد امجد کا لقب بھی ''ابن حجر'' تھا۔ پس یا تو آپ نے بطور تفاول اپنا لقب ''ابن حجر'' رکھا، یا آل حجر کی نسبت سے ''ابن حجر'' مشہور ہوئے۔

۳......مقام ولادت مصر کا ''عتیقہ'' نامی ایک قریہ بتایا جاتا ہے۔ بچپن ہی میں والد ماجد شیخ نورالدین علی کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ: جب میرے والد فوت ہوئے تو میری عمر کے چار سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے، اور آج وہ مجھے بالکل ایک خیال کی طرح یاد ہیں۔ اتنا یاد آتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: میرے لڑکے (ابن حجر) کی کنیت ''ابوالفضل'' ہے۔

اس لئے آپ نے زکی خرنوزی نامی ایک شخص کی کفالت میں نشو ونما پائی، جنہیں آپ کے والد نے وفات کے وقت وصی مقرر کیا تھا۔

۴......باقاعدہ تعلیم کا آغاز کرنے سے پہلے کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا، حافظہ غیر معمولی پایا تھا، اس لئے صرف نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے۔ اور قرآن ہی نہیں بلکہ العمدہ، الفیۃ الحدیث، الحاوی الصغیر اور مختصر ابن حاجب بھی زبانی یاد کر لیں۔ حرم شریف میں تراویح میں پورا کلام مجید بھی سنایا۔

۵......شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ سے بارہ سال چھوٹے تھے اور دونوں میں گو معاصرانہ

چونکہ ان کے بعد اس پایہ کا دوسرا کوئی شخص موجود نہ ہوا، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ علم حدیث کی ریاست ان کے اوپر منتہی ہوگئی۔ ا حافظ کی تحریر چونکہ تحقیق، تنقیح وجدت کا پہلو

منافست تھی، مگر پھر بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ سے استفادہ کیا ہے، بلکہ دو حدیثیں ''صحیح مسلم'' کی اور ایک حدیث ''مسند احمد کی'' آپ سے سنی ہیں، اور ''بلدانیات'' میں ان کی تخریج بھی کی ہے، نیز ''الجمع الموسس لمعجم المفهرس'' کے طبقہ ثالثہ میں آپ کو اپنے شیوخ میں شمار کیا ہے۔

ا...... ذہانت وحافظہ مثالی تھا، جب آپ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے تو سورۂ مریم صرف ایک دن میں حفظ کر کے لوگوں کو متحیر کردیا۔ بیس ہزار سے زائد احادیث حفظ تھیں۔ آپ نے ماء زمزم اس نیت سے پیا کہ قوت حافظہ میں امام ذہبی کے برابر ہوجائے، اللہ تعالی نے یہ مراد پوری فرمائی، بلکہ محققین کا خیال ہے کہ علامہ ذہبی سے آپ کا حافظہ بڑھا ہوا تھا۔

سرعت قرأت:...... محیرالعقول سرعت قرأت اللہ کی طرف سے عطا ہوئی تھی، آپ نے ''بخاری شریف'' ظہر وعصر کے درمیان کی دس مجلسوں میں ختم کی، اور مسلم شریف ڈھائی دن کی پانچ مجلسوں میں، اور نسائی شریف دس مجلسوں میں، اور ابن ماجہ چار مجلسوں میں، اور طبرانی کی معجم صغیر کو ایک مجلس میں۔ دمشق میں سوا دو ماہ کے مدت قیام میں ایک سو مجلدات پڑھ لیں۔ دمشق میں ناصر الدین ابوعبداللہ کے سامنے باب النصر اور باب الفرح کے درمیان ''صحیح مسلم'' کو تین روز میں ختم کیا اس پر خود فرماتے ہیں:

قرأت بحمد الله جامع مسلم بجوف دمشق الشام كرش الاسلام
على ناصر الدين الامام بن جهبل بحضرة حفاظ مجاديع اعلام
وتم بتوفيق الالـه و فضلـه قراءة ضبط فى ثلاثة ايام

خدا کا شکر ہے کہ میں نے جامع مسلم کو پڑھا ہے، دمشق میں جو اسلام کا دل ہے۔
امام ناصر الدین ابن جہبل کے روبرو، ایسے حفاظ کے حضور میں جو علماء کی حاجتوں کا مرکز ہیں۔
اور اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے پورے ضبط کے ساتھ تین دن میں اس کی قراءت تمام ہوئی۔

بڑے زبردست شاعر بھی تھے، ان کا دیوان ''دیون ابن حجر'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ جس میں ہر سخن کے الگ الگ اشعار ہیں، یہ دیوان سات اصناف سخن پر مشتمل ہے: نبویات، ملوکیات، اخوانیات، غزلیات، اعراض، موشحات، تقاطیع۔ آغاز دیوان میں آپ ﷺ کی شان میں تفصیلی قصیدہ ہے۔ اشعار

لئے ہوئے ہوتی تھی، اس لئے ان کی تصانیف نے ان کی زندگی ہی میں شرف قبولیت حاصل کرلیا تھا۔ یوں تو ان کی تصانیف ڈیڑھ سو سے بھی زائد تھیں، ؎ مگر ''فتح الباری شرح

بھی بڑے حکیمانہ کہے ہیں، مثلاً: ؎

ثلث من الدنیا اذا حصلت لشخص فلن یخشی من الضر والضیر

غنی عن بینها والسلامة منهم وصحة جیم و خاتمة خیر

تین چیزیں دنیا میں ایسی ہیں کہ اگر یہ کسی کو حاصل ہوجائیں تو اسے کسی نقصان یا تکلیف کا خوف نہ کرنا چاہئے۔

ایک اہل دنیا سے بے نیازی اوران سے مامون رہنا، دوسرے تندرستی اور تیسرے خاتمہ بالخیر۔

آپ کے اوقات مطالعہ کتب' تصنیف یا عبادت میں گذرتے۔ تحصیل علوم کے بعد درس وتدریس کی مسند بچھائی تو شائقین کا ہجوم ہوگیا۔ تبحر علمی کے باوجود تواضع مثالی تھی۔ ایک مرتبہ سوال کئے گئے کہ: آپ نے اپنا مثل دیکھا ہے؟ تو فرمایا: ﴿فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقی﴾۔ کچھ عرصہ منصب قضا پر بھی فائز رہے۔

ان تمام اوصاف حمیدہ کے باوجود مسلکی تعصب کا شکار بھی رہے، بقول حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کہ: ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے رجال حنفیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے''۔ قاضی ابن شحنہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے احناف کے سلسلہ میں وہی روش اختیار کی جو علامہ ذہبی نے احناف وشوافع کے حق میں اختیار کی تھی''۔ اسی بنا پر علامہ سبکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: ''علامہ ذہبی کے کلام سے شافعی اور حنفی تراجم پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، اور اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کسی حنفی کے ترجمہ کو بھی نہ لینا چاہئے۔

؎......حافظ رحمہ اللہ نے اپنی طویل علمی زندگی میں مختلف فنون کی بکثرت کتابیں تصنیف کیں، اور آپ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اپنی تصانیف کی شہرت وقبول عام کا مشاہدہ اپنی زندگی ہی میں کرلیا۔ امام سخاوی رحمہ اللہ نے آپ کی کل تصانیف کی تعداد: ۱۵۰ر بتائی ہے، جن میں بیشتر کتابیں فن حدیث سے متعلق ہیں۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے: ۱۸۶ر کتابوں کے نام شمار کرائے ہیں۔ اور ابن عماد حنبلی رحمہ اللہ نے: ۲۷ر تصانیف کے نام لکھے ہیں، جن کی کل مجلدات کی تعداد: ۱۱۲ر ہیں۔ چند مشہور تصانیف کے اسماء درج ذیل ہیں: ''تعلیق التعلیق ' فتح الباری شرح صحیح البخاری ' بلوغ المرام من ادلة الاحکام'

بخاری'' و''شرح نخبۃ الفکر'' نے جوشہرت حاصل کی وہ کسی کونصیب نہ ہوئی۔ اول الذکر کتاب جب اختتام کو پہنچی تو حافظ نے شکریہ کے لئے ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا اور نہایت فراخدلی اور عالی ہمتی سے پانچ سو دینار مستحقین میں تقسیم کئے۔ مؤخرالذکر کی مقبولیت پر بہت بڑی شہادت یہ ہے کہ عموماً درس میں داخل کی گئی، اور بڑے بڑے مستند علماء نے اس کی شرح وحواشی لکھے۔

حافظ کی وفات: ۲۸ر ذی الحجہ: ۸۵۲ھ قاہرہ مصر میں ہوئی، ۱؎ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو سب سے پہلے بادشاہ مصر نے کندھا دیا، پھر اور امراء ورؤساء نے ہاتھوں ہاتھ اٹھا کے مدفن تک پہنچا دیا، اور علم حدیث کا ایک بیش بہا خزانہ نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ زیرزمین دفن کردیا گیا ''اِنَّا لِلّٰہِ واِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''

علامہ سیوطی کی کتاب ''حسن المحاضرہ'' میں شہاب منصوری شاعر سے منقول ہے کہ: مرحوم حافظ کے جنازے میں مجھے بھی شرکت کا فخر حاصل ہوا تھا، جب جنازہ قریب مصلے کے لایا گیا تو حالانکہ بارش کا موسم نہ تھا' تاہم بارش کا ترشح شروع ہوگیا جس پر میں نے یہ رباعی لکھی ۔ ۲؎

قَدْ بَکَتِ السُّحُبُ عَلٰی　　　قَاضِیُ الْقُضَاۃِ بِالْمَطَر
وَ اِنْھَدَمَ الرّکن الَّذِی　　　کان مَشِیْدًا مِّنْ حَجَر

لسان المیزان ' الدرایۃ فی منتخب تخریج الھدایۃ ' الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ' تھذیب التھذیب ' تقریب التھذیب ' تعجیل المنفعۃ ' الدرر الکامنۃ فی اعیان المأۃ الثامنۃ ' نخبۃ الفکر فی مصطلح اھل الاثر''۔

۱؎...... شنبہ کے دن بعد نماز عشاء وفات پائی، اس وقت عمر: ۷۹ر سال: ۴ر ماہ اور ۱۰ر دن کی تھی۔

۲؎...... بلاشبہ آسمان نے آنسو بہائے، قاضی القضاۃ پر بارش کے۔ ایک ایسا رکن منہدم ہوگیا جو حجر سے مضبوط بنا ہوا تھا۔ (حواشی کا اضافہ ''ظفر المحصلین باحوال المصنفین'' سے ماخوذ ہے)

مقدمہ اصول فقہ

اصول فقہ کی حیثیت ، اصول فقہ کی تعریف ، اصول فقہ کا آغاز ، اصول فقہ کی پہلی تصنیف ، اصول فقہ کی مشہور کتابیں ، سب سے پہلی اصولی شخصیت ''اصول الشاشی'' کا تعارف اور اس کے مصنف، ''مسلم الثبوت'' کی مقبولیت واہمیت اوراس کے مصنف کامختصر تعارف وغیرہ مفید باتوں کواس کتاب میں جمع کیا گیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

بسم الله الرحمن الرحيم

نوٹ:...... یہ مختصر رسالہ اصول فقہ کا ایک مقدمہ ہے،اس لئے رسالہ کے شروع میں 'مقدمہ' کی تحقیق بھی مناسب سمجھی گئی۔

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند مفید بحثیں

مقدمہ:...... سے مراد وہ تمہیدی کلمات ہیں جو کسی کتاب کے آغاز میں کتاب کے مباحث مقصودہ سے متعلق بیان کئے جائیں۔

لفظ ''مقدمہ'' میں چند بحثیں ہیں:

(۱):......پہلی بحث اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہے: اصطلاح میں ''مقدمہ'' کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر آئندہ آنے والے مقاصد موقوف ہوں۔ بلفظ دیگر جو چیزیں مقاصد سے پہلے بیان کی جائیں ان کو ''مقدمہ'' کہتے ہیں۔

(۲):......دوسری بحث صرفی ہے: ''مقدَّمة'' (باب تفعیل' تقدیم) سے مشتق ہے،لیکن آیا ''مقدّمة'' بفتح الدال اسم مفعول کا صیغہ ہے یا بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے؟

تو صاحب کشاف علامہ زمخشری نے ''الفائق'' اور صاحب مفتاح العلوم علامہ سکاکی نے ''الاساس'' میں تصریح کی ہے کہ: ''مقدّمة'' بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے،یعنی آگے کرنے والا۔

اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کس کو آگے کرنے والا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مقدمہ بھی اپنے پڑھنے اور سمجھنے والے طالب علم کو اس شخص پر مقدم اور آگے کرتا ہے جو اس کو پڑھے اور سمجھے بغیر علم حاصل کرنا شروع کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: یہاں پر باب ''تفعیل'' معنی میں باب ''تفعل'' کے ہے۔ بلفظ

دیگر لازم ہے متعدی نہیں ہے، تو ''مقدّمة'' بمعنیٰ ''متقدّمة'' ہے، یعنی آگے ہونے والا، اور چونکہ وہ مقصود سے آگے ہوتا ہے، اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ''مقدّمة'' بفتح الدال باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور یہی مشہور ہے، یعنی آگے کیا ہوا، اور چونکہ اس کو مقاصد سے آگے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

(۳):...... تیسری بحث ''مقدّمة'' کا مأخذ کیا ہے؟: مقدمہ ماخوذ ہے'' مقدمة الجیش '' سے یعنی لشکر کا وہ دستہ جو لشکر سے آگے بھیج دیا جاتا ہے، جس کو اردو میں ''ہراول دستہ'' اور ''ہراول فوج'' کہتے ہیں۔

لشکر کا یہ حصہ آنے والے لشکر کے لئے معقول جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، تاکہ آنے والے لشکر کو سہولت رہے، اور کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو اسی سے کتابوں کے شروع میں مقدمہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس لئے کہ مقدمہ میں بھی ایسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ آگے آنے والے مضامین کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴):...... چوتھی بحث اقسام کے متعلق ہے: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں:

(اول):...... مقدمة العلم: ان امور کو کہتے ہیں جن پر اس علم کا شروع کرنا موقوف ہو، مثلا اس فن کی تعریف، اس کا موضوع اور اس کی غرض وغایت وغیرہ۔

(دوم): ''مقدمة الکتاب '' کلام کا وہ طائفہ اور ٹکڑا جس کو مقصود سے پہلے بیان کیا جاوے، مقصود کو اس کے ساتھ ربط ہونے کی وجہ سے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: ''مقدمة العلم '' اور'' مقدمة الکتاب '' دونوں متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہیں، یعنی موقوف علیہ کو مفہوم اور ادراک کے اعتبار سے'' مقدمة العلم ''

کہتے ہیں اور الفاظ ونقوش کے اعتبار سے ''مقدمة الکتاب'' کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کی دونوں قسموں کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے ''مقدمة الکتاب'' عام ہے اور ''مقدمة العلم'' خاص ہے، اس لئے کہ کتاب کے شروع میں جو مکتوب ہے جس سے مقصود کی طرف رغبت بڑھتی ہے' اپنی صورت اصلیہ کے اعتبار سے ''مقدمة الکتاب'' ہے اور یہی صورت دال علی المعانی (جن پر فن کا شروع کرنا موقوف ہے) کے اعتبار سے ''مقدمة العلم'' ہے۔

علامہ دسوقی فرماتے ہیں کہ: ''مقدمة العلم'' اور ''مقدمة الکتاب'' کے درمیان تباین کی نسبت ہے، اس لئے کہ ''مقدمة العلم'' نام ہے معانی کا اور ''مقدمة الکتاب'' نام ہے الفاظ کا، اور ظاہر بات ہے کہ الفاظ اور معانی کے درمیان تباین ہے۔

(۵):...... پانچویں بحث ''مقدمة'' کی تاء کے متعلق ہے: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تاء تانیث ہے، اور مقدمہ اصل میں صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، یعنی ''الامور المقدمة''۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: مقدمة کی تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے، یعنی مقدمہ اصل میں تو وصف ہے، لیکن وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہوکر لشکر کی اس جماعت کا نام ہو گیا جو لشکر سے آگے جاتی ہے، تو یہ تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہونے لگا، جیسے:

''مقدمة العلم ' مقدمة الکتاب ' مقدمة الدلیل ' مقدمة العلم ' اور ''مقدمة القیاس''۔ (راہ نحو شرح اردو ہدایۃ النحو' ص ۵۹)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على سيد الاولين و الآخرين ، وعلى آله واصحابه اجمعين ، اما بعد !

اصول فقہ کی حیثیت

فقہ اسلامی کا ایک انتہائی اہم ،مگر مشکل اور منفرد شعبہ اصول فقہ ہے،علم فقہ کو گھنے' سایہ دار اور ثمر والے درخت سے تشبیہ دی جائے تو اصول فقہ کی حیثیت اس درخت کے تنے اور جڑوں کی ہے،فقہ کی حیثیت اس کی شاخوں اور جزئیات کی حیثیات اس ثمر دار درخت کے پھلوں اور برگ وبار کی ہے۔

اصول فقہ کی تعریف

اصول فقہ ہی کے ذریعہ فقہاء شرعی مأخذ سے روزمرہ کے مسائل کا استنباط فرماتے ہیں، یہ علم اسلامی علوم میں منفرد شان کا حامل اور عقل ونقل کے امتزاج کا لاثانی نمونہ ہے۔ اس کی نظیر نہ صرف اسلام کی تاریخ بلکہ دوسرے علوم وفنون میں بھی ناپید ہے۔

اصول فقہ ایسا علم جس سے شریعت کے فروعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے مستنبط کرنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

اصول فقہ کا آغاز

اصول فقہ کا آغاز تو عہد صحابہ سے ہی ہو چکا تھا،مگر باقاعدہ تدوین بعد میں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب شراب نوشی کی حد کا مسئلہ زیر غور آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''اذا شرب سکر''جب شراب پیئے گا تو نشہ میں مبتلا ہوگا''واذا

سکر ھذی ‘‘اور جب نشہ آئے گا تو فضول باتیں رے گا’’ واذا ھذی افتری ‘‘اور جب فضول باتیں کرے گا تو کسی پر الزام تراشی بھی کرے گا’’ واذا افتری حد ثمانین ‘‘اور جب الزام تراشی کرے گا تو اس کی سزا اسی (۸۰) کوڑے پائے گا، لہذا شراب نوشی کی سزا اسی (۸۰) کوڑے ہونی چاہیے۔ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس استدلال سے اتفاق کیا۔

تاریخ اسلام کے سب سے پہلے فقیہ اور اصولی حضرت محمد ﷺ ہیں

اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا تاریخ اسلام کے سب سے پہلے فقیہ اور اصولی حضرت محمد ﷺ ہیں اور آپ کے فیض یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان اصولوں کے اولین محافظ ہیں۔ جب تک کہ علوم وفنون کی ترویج کا رواج نہیں تھا تو یہ اصول وقواعد اور احکام میں پوشیدہ علتوں کا علم سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا رہا، اور پھر علماء امت کی ایک جماعت نے اس فن کی حفاظت وتدوین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

اصول فقہ میں سب سے پہلی تصنیف

سب سے پہلے اس فن پر کس نے تصنیف کی، اس موضوع پر اصحاب قلم نے بہت کچھ لکھا، غالب گمان یہ ہے کہ اس فن کے مؤسس اول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ ہیں۔ امام صاحب رحمہ اللہ کی ایک کتاب ’’کتاب الرائے‘‘ کے نام سے اس فن میں تھی جو اب نایاب ہے، امام محمد رحمہ اللہ کی طرف ایک کتاب کی نسبت کی گئی ہے، یہ بھی دستیاب نہیں۔ قریب زمانہ میں ابوالحسن بصری معتزلی کی کتاب ’’المعتمد فی اصول الفقہ ‘‘طبع ہوئی، اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی کتاب کا حوالہ موجود ہے۔

''الرسالہ'' کا تعارف اور اس میں استحسان پر رد

موجودہ دور میں اس موضوع پر قدیم رسالہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ''الرسالہ'' کے نام سے ہے۔ یہ نہایت اہم اور جامع' واضح اور مدلل تالیف ہے، جس میں قرآن مجید کے بیان کے اصول' سنت کی اہمیت' اور قرآن سے اس کا ربط' ناسخ ومنسوخ' علل حدیث' خبر واحد کی حجیت' اجماع' قیاس' اجتہاد' استحسان اور فقہی رائے کی حیثیت پر گفتگو کی گئی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں استحسان پر بہت شدید تنقید کی ہے، اور ان کا یہی لب ولہجہ ''کتاب الام'' میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن یہ تنقید زیادہ تر غلط فہمی....اور اگر اس تنقید کا نشانہ حنفیہ ہوں تو....حنفیہ کے نقطۂ نظر سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

استحسان کو سب سے پہلے فقہاء احناف نے دریافت کیا، امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی تردید میں ''کتاب ابطال الاستحسان'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اصل بات یہ ہوئی کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جہاں قرآن سنت میں کوئی حکم نہ ہو اور قیاس کے نتیجہ میں کوئی مشکل معلوم ہو تو اپنی پسند کے مطابق فیصلہ کرلو جو چیز اچھی لگے اس کو اختیار کرلو۔ اس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے بہت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان ایسا ہی کرتا، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''من استحسن فقد شرع ''یعنی جو استحسان کرتا ہے وہ خود شارع بننا چاہتا ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے بعد جب بقیہ شافعی فقہاء کو پتہ چلا کہ استحسان دراصل کس کو کہتے ہیں؟ اور اس سے مراد فقہاء احناف کی کیا ہے؟ تو پھر شافعی فقہاء نے بھی اس سے اتفاق کرلیا، اور تمام فقہاء نے استحسان کو ایک مأخذ قانون کے طور پر قبول کیا۔

....

اصول فقہ کی چند مشہور کتابیں

اس فن میں وہ چار کتابیں بڑی مشہور ہوئیں جن کے متعلق ابن خلدون کا بیان ہے کہ: یہ علم اصول کے چار بنیادی ستون ہیں، وہ کتابیں یہ ہیں: کتاب المعتمد ' کتاب البرهان' المستصفى ' كتاب العهد۔

اصول فقہ پر ایک دوسرے اسلوب سے قدیم ترین دستیاب کتاب امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کی ''اصول الجصاص'' ہے۔ اس کے علاوہ فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ کی ''اصول البزدوی'' اور امام سرخسی رحمہ اللہ کی ''اصول السرخسی'' بڑی قابل قدر اور معروف کتابیں ہیں۔

''اصول الشاشی'' کی مقبولیت واہمیت

''اصول الشاسی'' فقہ حنفی کی ایک مشہور و مسلم الثبوت و قابل قدر و قابل اعتماد مختصر اور بنیادی کتاب ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بلا مبالغہ ہزاروں مدارس عربیہ کے نصاب میں یہ سالہا سال سے داخل درس ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ اصول فقہ کی تدریس و تعلیم کا آغاز اسی کتاب سے ہوتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں احناف و شوافع کے اکثر اختلافی مسائل کو اصول کے ماتحت نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ طرز بیان مختصر مگر واضح ہے۔

''اصول الشاشی'' کے مصنف کون ہیں؟

اس کے مصنف کے بارے میں یقین کامل سے کوئی بات کہنا مشکل ہے، مظہر بقا نے اپنی کتاب ''معجم الاصولیین'' کے مقدمہ میں چند اقوال نقل کئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱)......اس کتاب کے مصنف شیخ اسحاق بن ابراہیم ابو یعقوب الخراسانی الشاشی (متوفی ۳۲۵ھ ۹۳۶ء) ہیں۔

(۲)......اس کتاب کے مصنف شیخ احمد بن محمد اسحاق، ابوعلی نظام الدین الشاشی رحمہ اللہ (۳۴۴ھ ۹۵۵ء) ہیں۔

ایک قول یہ ہیں کہ ان کا نام بدرالدین الشاشی الشروانی رحمہ اللہ ہے، جو تقریبا ۷۵۲ھ یا ۸۵۲ھ میں زندہ تھے۔

(۳)......اس کتاب کے مصنف ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین بن عمر رحمہ اللہ (متوفی ۵۰۷ھ ۱۱۱۴ء) فخر الاسلام سے ملقب اور ''المستظھری'' سے معروف ہیں۔

(۴)......اس کتاب کے مصنف نظام الدین الشاشی رحمہ اللہ ہیں، جو ساتویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔

(۵)......ایک قول یہ بھی ہے کہ استاذ العلماء حمید الدین الشاشی رحمہ اللہ (متوفی ۷۸۱ھ) مراد ہیں۔

مظہر بقا مذکورہ بالا اقوال پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

میرے خیال کے مطابق ''اصول الشاشی'' جو اسحاق بن ابراہیم الشاشی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے وہ ''اصول الشاشی'' متداول کے علاوہ کوئی دوسری کتاب ہے، کیونکہ اسحاق بن ابراہیم ابو یعقوب الخراسانی رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۵ھ) کی ''اصول الشاشی'' کا ایک خطی نسخہ ''مکتبہ دیال سنگھ لاہور'' پاکستان، میں نمبر ۵۳۳/ر کے تحت موجود ہے، اس میں کتاب کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے:

'' امابعد ! حمد الله على نواله والصلاة على رسوله محمد واله '' الخ

اوراس کا اختتام اس طرح ہے:

’’ ومعنی الافراد ان یعتبر کل مسمی بانفرادہ ‘ لیس معہ غیرہ ، تمت ‘‘

اس کا ایک نسخہ نمبر ۱۲۷ر کے تحت موجود ہے،اس کی ابتدااس طرح ہے:

’’حمد اللہ علی نوالہ والصلاۃ علی رسولہ محمد والہ ‘‘ الخ ‘‘

اوراختتام اس طرح ہے:

’’لیس معہ غیر ، واللہ اعلم بالصواب ‘ والیہ المرجع والماب ‘‘۔

اب ’’اصول الشاشی ‘‘ متداول مطبوع کے ابتدائی واختتامی کلمات ملاحظہ کیجئے!

’’الحمد للہ الذی اعلی منزلۃ المؤمنین بکریم خطابہ ‘‘ الخ

’’فقال ما بال اسمک ، لا خمس فیہ ؟ قال : لانہ کالماء فلا خمس فیہ ، واللہ تعالی اعلم بالصواب ‘‘۔

اب جب ’’اصول الشاشی ‘‘ منسوب اسحاق الشاشی متداول کے مابین ابتدائیہ اور اختتامیہ کا اختلاف واضح ہوگیا تو اس سے پتہ چلا کہ یہ ایک عنوان ’’اصول الشاشی ‘‘ پر دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں،اوراسی طرح ’’اصول الشاشی ‘‘ میں ابن الصباغ (متوفی ۴۷۷ھ) کا ذکر ملتا ہے اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم کی کتاب ہو‘ جن کا انتقال ۳۲۵ھ میں ہوا۔

علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الشاشی سے دو مذہبوں کے جلیل القدر دو امام مشہور ہوئے: ایک حنفی ابوعلی احمد بن محمد اسحاق رحمہ اللہ.....دوسرے شاشی بھی ہیں‘ وہ ابوابراہیم اسحاق بن ابراہیم رحمہ اللہ ہیں۔

....

’’اصول الشاشی‘‘ کی شروح وحواشی

صفی اللہ بن نصیر الہندی ’’المعدن‘‘ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

’’ قد شرح كثير من الرجال ، واشتغل بحله جم غفير من مهرة ارباب الكمال ‘‘

بہت سے اشخاص نے اس کی شرحیں لکھیں اور ماہرین ارباب کمال میں سے جم غفیر اس کے حل میں مشغول ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ’’اصول الشاشی‘‘ کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، مگر چند کے علاوہ معلوم نہ ہوسکیں۔

(۱)......’’المعدن‘‘......شیخ صفی اللہ بن نصیر الہندی رحمہ اللہ، کی شرح ہے۔

(۲)......’’فصول الغواشی‘‘ شیخ الہ داد جونپوری حنفی رحمہ اللہ۔(متوفی ۹۲۳ یا ۹۳۲ھ)

(۳)......’’فصول الحواشی لاصول الشاشی‘‘۔مولانا عین اللہ رحمہ اللہ۔

(۴)......’’حصول الحواشی علی اصول الشاشی‘‘۔مولانا ابوالحسن محمد حسن بن محمد سنبھلی رحمہ اللہ۔

(۵)......عمدۃ الحواشی علی اصول الشاشی‘‘۔شیخ محمد فیض الحسن گنگوہی رحمہ اللہ

(۶)......احسن الحواشی علی اصول الشاشی‘‘۔شیخ برکت اللہ لکھنوی رحمہ اللہ۔

(۷)......’’عمدۃ الحواشی علی اصول الشاشی‘‘۔شیخ عباس قلی خان رحمہ اللہ۔

(۸)......’’مزیل الغواشی‘‘۔شیخ نجم الغنی خان رامپوری رحمہ اللہ(۱۸۵۹ء-۱۹۲۳ء)

(۹)......’’خلاصۃ الحواشی‘‘۔شیخ محمد ابراہیم کراچی رحمہ اللہ۔

(۱۰)......’’خلاصہ اصول الشاشی‘‘۔مولانا یوسف ساچا صاحب مدظلہ، ڈیوز بری۔

نوٹ:......آخر الذکر خلاصہ بہت آسان اور اصل کتاب کی تفہیم میں بہترین معین و مددگار ہے۔

''مسلم الثبوت'' کی مقبولیت واہمیت

قاضی محبّ اللہ صاحب رحمہ اللہ کی ''مسلم الثبوت'' نہایت عالی مرتبہ کتاب ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: متأخرین علماء کے اصول فقہ کے طریقہ تدوین پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ دقیق اور جامع کتاب ہے۔ اس میں ابن الہمام حنفی رحمہ اللہ (متوفی:۸۶۱ھ) کی ''التحریر'' اور تاج الدین السبکی رحمہ اللہ (متوفی:۷۷۱ھ) کی ''جمع الجوامع'' کے انتہائی ایجاز واختصار کے باوجود بڑے واضح اور سہل انداز میں فقہی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ بہت سی جگہوں پر فاضل موصوف نے اپنی تحقیقات کا اضافہ بھی کیا ہے، ہر فریق کے دلائل پھر اس پر شبہات وجوابات کی کثرت، مواضع صعبہ ومباحث مشکلہ کا بہترین حل اس کے ساتھ عمدگی عبارت وغایت اختصار وغیرہ امور اس کتاب کا طرہ امتیاز ہے۔

مولانا شبلی مرحوم نے اس کتاب کے متعلق میں لکھا ہے کہ:

درس نظامیہ کے نصف نصاب کو اپنی نیچے تقریباً دوسال اس نے دبائے رکھا۔

الغرض یہ کتاب اپنے موضوع پر عدیم النظیر، فقید المثال اور اسم بامسمی یعنی مسلم الثبوت ہے، واقعۃً یہ کتاب علامہ بہاری کا علمی اعجاز ہے۔

نوٹ:...... ''نزہۃ الخواطر'' میں ''مسلم الثبوت'' کو فقہ کی کتاب بتایا ہے، بظاہر یہ طباعت کی غلطی ہے۔

''مسلم الثبوت'' کے حواشی وشروح

(۱)...... ''شرح مسلم الثبوت'' از: مولانا عبدالحق بن فضل حق بن فضل امام خیرآبادی۔

(۲)...... ''کشف المبهم مما فی المسلم'' از: محمد بشیر الدین بن محمد کریم الدین عثمانی

قنوجی۔

(۳)......''التعلیق المنعوت علی مسلم الثبوت''از: مولانا برکت اللہ بن محمد احمد نعمت اللہ لکھنوی۔

(۴)......''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت''از: مولانا بحر العلوم عبد العلی بن نظام محمد الدین بن قطب الدین شہید۔

(۵)......''مفاتح البیوت فی حل مسلم الثبوت''از: مولانا فیض الحسن بن مولانا فخر الحسن سہارنپوری۔

(۶)......''شرح مسلم الثبوت''(تا مبادی الاحکام)از: ملا محمد حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ۔

(۷)......''شرح مسلم الثبوت''از: ملا محمد بن مبین بن ملا محبّ اللہ لکھنوی۔

(۸)......''نفائس الملکوت شرح مسلم الثبوت''از: مولوی ولی اللہ بن حبیب اللہ بن ملا محبّ اللہ فرنگی محلی۔

(۹)......''شرح مسلم الثبوت''از: ملا نظام الدین قطب الدین شہید سہالوی۔

(۱۰)......''السبیل الاقوم فی توضیح المسلم''از: مولانا عبد الحیٔ صاحب کفلیتوی۔

صاحب مسلم الثبوت کے مختصر حالات

ولادت ...... نام ...... تعلیم وعہدے ...... یادداشت

آپ کا نام: محبّ اللہ‘ والد کا نام: عبدالشکور، صوبہ بہار کے ’’کڑا‘‘ نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ شیخ قطب الدین انصاری‘ ملا قطب الدین شہید وغیرہ سے اکتساب فیض کیا۔ سلطان عالمگیر رحمہ اللہ کے کے عہد میں لکھنؤ اور دکن میں قضا کے منصب پر فائز رہے۔ محسود ہوکر معزول ہوئے اور ابن شاہ عالم بن اورنگزیب کے اتالیق مقرر ہوئے۔ عالمگیر کی وفات کے بعد ’’فاضل خاں‘‘ کے عظیم لقب اور مزید اکرامات واعزازات سے نوازے گئے۔ فقیہ‘ اصولی‘ منطقی اور باحث تھے۔

’’مسلم الثبوت‘‘ کا جو نسخہ مصر سے شائع ہوا ہے اس کے آخر میں ملا محبّ اللہ کی ایک خود نوشتہ عجیب یادداشت چھاپ دی گئی ہے‘ جس میں موصوف نے عمدہ نعت کے بعد لکھا ہے کہ: اصل کتاب کی تالیف سے فارغ ہونے کے بعد میرے بعض دوستوں نے فرمائش کی کہ خود ہی اپنی کتاب کے مشکلات کی تشریح میں ایک حاشیہ لکھوں، بہرحال اصل متن اور اس کے حواشی لکھنے کے وقت جو کتابیں ان کے سامنے تھیں ان کی فہرست خود انہی کے قلم سے یہ ہے:

معلوم ہونا چاہئے کہ حق تعالی نے اپنے فضل سے میرے پاس اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں حسب ذیل کتابوں کا ذخیرہ جمع کرادیا تھا، حنفیوں کے اصول فقہ کی کتابوں میں سے ’’البزدوی‘ اصول سرخسی‘ کشف بزدوی‘ کشف المناذ‘ اور البدیع، نیز’’ البدیع‘‘ کے شارحوں نے جو اس کی شرحیں لکھی ہیں: ’’توضیح وتلویح‘‘ ابن ہمام کی ’’تحریر‘‘ (اس کی شرح) ’’التقریر‘‘ اور التیسیر ‘‘ اپنے مختلف شروح کے ساتھ، اسی طرح شافعیوں کی کتابوں

میں سے: ''المحصول'' امام رازی کی، ''الاحکام'' آمدی کی، ''شرح مختصر'' قاضی کی، نیز اس کی تعلیقات سید شریف کے حاشیہ کے ساتھ، الابہری کی شرح، نیز تفتازانی کی'' شرح الشرح'' اور فاضل میرزا جان کا حاشیہ ''الودود'' اور ''العقود'' نامی کتابیں بھی، قاضی بیضاوی کی'' منہاج'' اور انہوں نے جو اس کی شرح لکھی ہے، اور مالکیوں کی کتابوں میں ابن حاجب کی ''مختصر'' اور ''منتہی الاصول۔

اہل علم جانتے ہیں کہ ملا محبّ اللہ نے کتب اصول فقہ کی جو فہرست پیش کی ہے کتنی جامع اور حاوی فہرست ہے، اس فن کی اہم کتابوں میں خود ہی غور کیجئے کہ آخر کون سی کتاب رہ گئی ہے جو صرف احناف کی ہی کتابیں نہیں بلکہ شافعی، مالکی اصول فقہ کی امہات کتب بھی زیر مطالعہ تھیں۔

وفات:...... ۱۱۱۹ھ میں قاضی صاحب کی وفات ہوئی، تاریخ وفات ''شیخ دہر'' اور'' قاضی مولوی محبّ اللہ'' اور ''مصرعہ'' رفتہ سوئے ارم محبّ اللہ'' سے ظاہر ہے۔

تصانیف

(۱)......الجواہر المفرد فی مبحث جزءلا یتجزی۔

(۲)......رسالہ فی المغالطات العامۃ الورود۔

(۳)......رسالہ فی ان مذہب الحنفیۃ بعد من الرائی من مذہب الشافعیۃ۔

(۴)......منہیات حواشی مسلم الثبوت۔

(۵)......سلم العلوم۔ (منطق میں یہ معرکۃ الآراء متن متین ہے، جس نے منطقی دنیا میں ہلچل مچادی)

(۶)......مسلم الثبوت۔ (یہ ''سلم العلوم'' کے بعد کی تصنیف ہے، کیونکہ ''مسلم الثبوت''

میں کئی جگہ ''سلم'' کا حوالہ موجود ہے، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: **وفیہ نظر اشرت الیہ فی السلم)**

(۷)......الافادات۔(اس کا ذکر ''مسلم الثبوت'' میں موجود ہے: **حیث قال : وقد فرغنا فی السلم الافادات)**

(۸)......الفطرۃ الالھیۃ۔(یہ ایک رسالہ ہے، جس میں اصول غامضہ مذکور ہیں، جن میں ایک مسئلہ اختیار ہے، اس کا ذکر بھی ''مسلم الثبوت'' میں موجود ہے، جس کی بابت موصوف نے کہا ہے کہ: یہ بہت ہی نافع کتاب ہے)

مرغوب احمد لاجپوری

۱۹ر شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ مطابق ۶ر ستمبر ۲۰۱۲ء، بروز جمعرات

....

مراجع و ماخذ

نوٹ:......رسالہ کی ترتیب کے لئے درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے:

(الف)......محاضرات فقہ۔

(ب)......قاموس الفقہ۔

(ج)......فن اصول فقہ کی تاریخ عہد رسالت سے عصر حاضر تک۔

(د):......ظفر المحصلین فی احوال المصنفین۔

مقدمہ اصول سیرت

یعنی ’’قصص النبیین‘‘ کے اردو ترجمہ پر لکھا گیا ایک مقدمہ۔

سیرت اور علم سیرت، سیرت نگاری کا سلسلہ کب شروع ہوا؟ سیرت کے معنی، علم سیرت وسیع علم ہے، جس کے بہت سے شعبے ہیں، سیرت نگاروں کی محنت، سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، سیرت پر سب سے پہلے کام، انڈمان کی جیل میں محض اپنی یادداشت سے لکھی گئی سیرت کی کتاب، سیرت پر ماضی قریب کی چار مشہور کتابیں۔ ’’قصص النبیین‘‘ کی تالیف کا سبب، ’’قصص النبیین‘‘ میں چار باتوں کا خاص التزام، بچوں کا علم کلام تیار ہوگیا، وغیرہ امور پر مشتمل مختصر اور جامع رسالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

بسم الله الرحمن الرحیم

نوٹ:...... یہ مختصر رسالہ اصول سیرت کا ایک مقدمہ ہے، اس لئے رسالہ کے شروع میں ''مقدمہ'' کی تحقیق بھی مناسب سمجھی گئی۔

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند مفید بحثیں

مقدمہ:...... سے مراد وہ تمہیدی کلمات ہیں جو کسی کتاب کے آغاز میں کتاب کے مباحث مقصودہ سے متعلق بیان کئے جائیں۔

لفظ ''مقدمہ'' میں چند بحثیں ہیں:

(۱):...... پہلی بحث اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہے: اصطلاح میں ''مقدمہ'' کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر آئندہ آنے والے مقاصد موقوف ہوں۔ بلفظ دیگر جو چیزیں مقاصد سے پہلے بیان کی جائیں ان کو ''مقدمہ'' کہتے ہیں۔

(۲):...... دوسری بحث صرفی ہے: ''مقدَّمة '' (باب تفعیل، تقدیم) سے مشتق ہے، لیکن آیا ''مقدّمة '' بفتح الدال اسم مفعول کا صیغہ ہے یا بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے؟

تو صاحب کشاف علامہ زمخشری نے ''الفائق'' اور صاحب مفتاح العلوم علامہ سکاکی نے ''الاساس'' میں تصریح کی ہے کہ: ''مقدّمة '' بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے، یعنی آگے کرنے والا۔

اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کس کو آگے کرنے والا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مقدمہ بھی اپنے پڑھنے اور سمجھنے والے طالب علم کو اس شخص پر مقدم اور آگے کرتا ہے جو اس کو پڑھے اور سمجھے بغیر علم حاصل کرنا شروع کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: یہاں پر باب ''تفعیل'' معنی میں باب ''تفعل'' کے ہے۔ بلفظ

دیگر لازم ہے متعدی نہیں ہے، تو ''مقدّمة'' بمعنیٰ ''متقدّمة'' ہے، یعنی آگے ہونے والا، اور چونکہ وہ مقصود سے آگے ہوتا ہے، اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ''مقدّمة'' بفتح الدال باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور یہی مشہور ہے، یعنی آگے کیا ہوا، اور چونکہ اس کو مقاصد سے آگے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

(۳):...... تیسری بحث ''مقدّمة'' کا ماٴخذ کیا ہے؟: مقدمہ ماخوذ ہے'' مقدمة الجیش '' سے یعنی لشکر کا وہ دستہ جو لشکر سے آگے بھیج دیا جاتا ہے، جس کو اردو میں ''ہراول دستہ'' اور ''ہراول فوج'' کہتے ہیں۔

لشکر کا یہ حصہ آنے والے لشکر کے لئے معقول جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، تاکہ آنے والے لشکر کو سہولت رہے، اور کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو اسی سے کتابوں کے شروع میں مقدمہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس لئے کہ مقدمہ میں بھی ایسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ آگے آنے والے مضامین کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴):...... چوتھی بحث اقسام کے متعلق ہے: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں:

(اول):...... مقدمة العلم: ان امور کو کہتے ہیں جن پر اس علم کا شروع کرنا موقوف ہو، مثلا اس فن کی تعریف، اس کا موضوع اور اس کی غرض وغایت وغیرہ۔

(دوم):...... ''مقدمة الکتاب'' کلام کا وہ طائفہ اور ٹکڑا جس کو مقصود سے پہلے بیان کیا جاوے، مقصود کو اس کے ساتھ ربط ہونے کی وجہ سے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: ''مقدمة العلم'' اور ''مقدمة الکتاب'' دونوں متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہیں، یعنی موقوف علیہ کو مفہوم اور ادراک کے اعتبار سے ''مقدمة العلم''

کہتے ہیں اور الفاظ ونقوش کے اعتبار سے ''مقدمة الکتاب'' کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کی دونوں قسموں کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے ''مقدمة الکتاب'' عام ہے اور ''مقدمة العلم'' خاص ہے، اس لئے کہ کتاب کے شروع میں جو مکتوب ہے جس سے مقصود کی طرف رغبت بڑھتی ہے' اپنی صورت اصلیہ کے اعتبار سے ''مقدمة الکتاب'' ہے اور یہی صورت دال علی المعانی (جن پر فن کا شروع کرنا موقوف ہے) کے اعتبار سے ''مقدمة العلم'' ہے۔

علامہ دسوقی فرماتے ہیں کہ: ''مقدمة العلم'' اور ''مقدمة الکتاب'' کے درمیان تباین کی نسبت ہے، اس لئے کہ ''مقدمة العلم'' نام ہے معانی کا اور ''مقدمة الکتاب'' نام ہے الفاظ کا، اور ظاہر بات ہے کہ الفاظ اور معانی کے درمیان تباین ہے۔

(۵):...... پانچویں بحث ''مقدمة'' کی تاء کے متعلق ہے: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تاء تانیث ہے، اور مقدمہ اصل میں صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، یعنی ''الامور المقدمة''۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: مقدمة کی تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے، یعنی مقدمہ اصل میں تو وصف ہے، لیکن وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہوکر لشکر کی اس جماعت کا نام ہوگیا جو لشکر سے آگے جاتی ہے، تو یہ تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہونے لگا، جیسے:

''مقدمة العلم' مقدمة الکتاب' مقدمة الدلیل' مقدمة العلم' اور ''مقدمة القیاس''۔ (راہ نحو شرح اردو ہدایۃ النحو' ص ۵۹)

بسم الله الرحمن الرحيم

سیرت اور علم سیرت

سیرت ایک لامتناہی سمندر ہے، علم سیرت صرف ایک شخصیت کی سوانح عمری نہیں، بلکہ ایک تہذیب' ایک تمدن' ایک قوم ایک ملت اور ایک الٰہی پیغام کی دلچسپ اور مفید تاریخ ہے، قرآن کریم کے بارے ایک حدیث شریف میں آیا ہے: ''لا تنقضی عجائبه ''یعنی قرآن کریم کے عجائب وغرائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ [۱] بالکل اسی طرح صاحب قرآن کی

[۱]...... یہ ایک طویل حدیث شریف کا جملہ ہے، پوری روایت یہ ہے:

''عن علی رضی الله عنه قال : اما انی سمعت رسول الله صلی الله علیه و سلم یقول : الا انها ستکون فتنة ، فقلت : ما المخرج منها یا رسول الله ؟ قال : کتاب الله ، فیه نبأ ما قبلکم ، و خبر ما بعدکم و حکم ما بینکم ، وهو الفصل لیس بالهزل ، من ترکه من جبار قصمه الله ، ومن ابتغی الهُدی فی غیره اضله الله ، وهو حبل الله المتین ، وهو الذکر الحکیم ، وهو الصراط المستقیم ، وهو الذی لا تزیغ به الاهواء ، ولا تلتبس به الالسنة ، ولا یشبع منه العلماء ، ولا یخلق عن کثرة الردّ ، ولا تنقضی عجائبه ، هو الذی لم تنته الجن اذ سمعته حتی قالوا: ﴿انّا سمعنا قرء انا عجبا ، یهدی الی الرشد فامنا به﴾ من قال به صدق ، ومن عمل به اُجر ، ومن حکم به عدل ، ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم۔

(ترمذی، باب ما جاء فی فضل القرآن ، ابواب فضائل القرآن ، رقم الحدیث:۲۹۰۶)

ترجمہ:......حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: سنو! ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس سے بچنے کی کیا سبیل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کی کتاب (اس فتنہ سے بچاسکتی ہے) اس میں گذشتہ امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، اور آئندہ کی اطلاعات ہیں، اور حال کے لئے فیصلے ہیں، اور اس کے ارشادات فیصلہ کن ہیں، وہ دل لگی کی باتیں نہیں ہیں، جو بھی سرکش اس کو چھوڑ دے گا اللہ تعالی اس کو توڑ دیں گے، اور جو قرآن سے ہٹ کر ہدایت تلاش کرے گا اللہ تعالی اس کو گمراہ کریں گے، وہ اللہ تعالی کی مضبوط رسی ہے،

سیرت اور ارشادات میں پنہاں حقائق ومعارف بھی لامحدود ہیں۔شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے بہت لطیف بات کہی ہے: ع

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تراوجود الکتاب

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ آرائی نہیں، حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سوال کے جواب میں جو فرمایا تھا کہ:"کان خلقه القرآن" [۲] یہ اسی کی ترجمانی ہے۔

....

اور وہ پرحکمت نصیحت نامہ ہے، اور وہ سیدھا راستہ ہے، قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس سے خیالات میں کجی نہیں آتی، اور زبانیں اس میں گڑبڑ نہیں کرتیں، یعنی تحریف نہیں کرسکتیں، یا زبانیں قرآن کے ساتھ مشتبہ نہیں ہوتیں، اہل علم کبھی اس سے سیر نہیں ہوتے، وہ کثرت مزاولت سے پرانا نہیں ہوتا، یعنی طبیعت کبھی اس سے اکتاتی نہیں، اور اس کے حیرت انگیز مضامین کبھی ختم نہیں ہوتے، قرآن کریم کی شان یہ ہے کہ جب اس کو جنات نے سنا تو وہ بے اختیار پکا اٹھے:"ہم نے ایک عجیب قرآن سنا، جو بھلائی کی طرف راہنمائی کرتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے، (سورۃ الجن: آیت:۱/۲) جس نے قرآن کریم کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن کریم پر عمل کیا وہ اجر وثواب کا حقدر ا ہوا، اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف والا فیصلہ کیا، اور جس نے قرآن کریم کی طرف دعوت دی وہ سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کیا گیا۔(تحفۃ الالمعی ص۶۲ ج۷)

[۲]...... هشام بن عامر قلت : يا ام المؤمنين ! انبئينی عن خلق رسول الله صلی الله عليه و سلم ، قالت : الست تقرأ القرآن ؟ قلت : بلی، قالت : فان خلق نبی الله صلی الله عليه و سلم كان القرآن۔(مسلم، باب جامع صلوة الليل ومن نام عنه أو مرض ، كتاب الصلوة ، رقم الحديث:۷۴۶)

ترجمہ:......ہشام بن عامر بیان کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المؤمنین! مجھے رسول اللہ کے اخلاق کے متعلق بتائیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔

سیرت نگاری کا سلسلہ پہلی صدی سے شروع ہوا

سیرت نگاری کا سلسلہ جو پہلی صدی سے شروع ہوا وہ آج تک بغیر کسی تعطل کے جاری ہے اور نہ جانے کب تک رہے گا۔

سیرت کے معنی

سیرت کے لغوی معنی تو طریقۂ کار' یا چلنے کی رفتار اور انداز کے ہیں۔ عربی زبان میں ''فِعَله'' کے وزن پر جو مصدر آتا ہے اس کے معنی کسی کام کا طریقہ یا کسی کام کو اختیار کرنے کے انداز اور اسلوب کے ہوتے ہیں، اسی معنی کی توسیع میں سیرت کے معنی کسی کا طرز زندگی یا زندگی گذارنے کا اسلوب بھی ہیں، مگر جلد ہی سیرت کا لفظ ذات رسالت مآب ﷺ کے ساتھ قریب قریب خاص ہوگیا، اور آج دنیا کی تقریبا تمام مسلم و غیر مسلم زبانوں میں سیرت کا لفظ آپ ﷺ کی مبارک زندگی کے لئے استعمال ہونے لگا۔

علم سیرت ایک وسیع اور جامع علم ہے جس کے بہت سے شعبے ہیں

علم سیرت ایک وسیع اور جامع علم ہے جس کے بہت سے شعبے اور حصے ہیں مثلا: وقائع سیرت' مغازی اور مہمات' سنن زوائد' تبلیغ دین' قبائل سے روابط' معاہدات' معیشت و تجارت' قانون شریعت' انتظامات وادارات' وثائق و دستاویزات' وغیرہ وغیرہ۔ پھر آپ ﷺ کے فضائل' خصائص' آپ ﷺ کے عادات مبارکہ' آپ ﷺ کے اخلاق حمیدہ' اہل بیت کے حقوق وفضائل واہمیت مزید برآں۔

سیرت نگاروں کی محنت پر قربان

سیرت نگاروں کی محنت پر قربان، آپ کی سیرت پر قلم اٹھایا تو کہاں تک پہنچے، اور کس

گہرائی اور عقیدت سے آپ کے حالات جمع کر دیئے، آپ ﷺ کے خاندان وقبیلہ پر تحقیق شروع کی تو حضرت آدم علیہ السلام تک جا پہنچے (یہ اور بات ہے کہ محققین نے اسے پسند نہیں فرمایا، دیکھئے سیرۃ المصطفی ﷺ) آل واولاد ہی پر بس نہیں کیا' آپ ﷺ کے جدات (دادیاں) ننہالی رشتہ دار (نانیاں) ازواج مطہرات' سسرالی اقارب' دودھ پلانے والیاں' خدام خادمائیں' غلام باندیاں وغیرہ کی تفاصیل بھی جمع کر دیں۔ اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے اسلحہ اور ان کے اسماء تک، بلکہ آپ ﷺ کے جانوروں کی تعداد اور ان کے نام تک محفوظ کر دیئے۔ آپ ﷺ نے جن مکانوں اور حجروں میں رہائش اختیار فرمائی ان کی پیمائش' ان کا رقبہ' ان کا جائے وقوع' وہ کس طرح بنائے گئے تھے وغیرہ پر ''بیوت النبی'' کے نام سے کتاب تیار ہوگئی، آپ ﷺ کی سنن پر تو جلدوں کی جلدیں تیار ہوگئیں، مگر ابھی تک ادھوری، اور کس کی طاقت و ہمت ہے کہ اس کا حق ادا کرے اور اس کی تکمیل کر سکے، فجزاھم اللہ عنا و عن جمع الامۃ خیر الجزاء واحسن الجزاء۔

سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

علم سیرت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، اس لئے کہ سعادت دارین آپ ﷺ کی لائی ہوئی رہنمائی اور ہدایت پر مبنی ہے۔

سیرت طیبہ کو اس دور میں ایک نئے اسلوب سے بھی بیان کرنے اور پڑھانے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ سیرت ہی میں ہر زمانہ کی مشکلات کا حل ہے، ایک محقق نے صحیح لکھا ہے کہ: دنیا میں ہر قوم و ملک کو باہمی عصبیت اور مالدار و غریب کی کشمکش سے ضرور واسطہ پڑا ہے، آپ کی ذات اقدس نے ان دونوں کا جو حل فرمایا، تاریخ گواہ ہے کہ اس

سے بہتر حل نہ کیا جاسکتا ہے نہ ہوسکتا ہے۔

سیرت کی ضرورت روحانی علاج کے لئے سب سے بڑھ کر واسطہ ہے، رذائل سے اجتناب اور فضائل کا حصول، اللہ ورسول کی محبت اور آخرت کا استحضار جیسے اوصاف کے لئے سیرت سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہوسکتا۔

سیرت پر سب سے پہلے کام حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کیا

سیرت طیبہ پر سب سے پہلے کام حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں) نے کیا، انہوں نے مختلف حضرات سے معلومات جمع کیں اور ان کو بیان کیا۔ اشعار میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم وغیرہ نے سیرت کے کئی پہلو کو اجاگر کیا، اور آج تک لاکھوں اشعار سیرت پر لکھے گئے۔

پھر سیرت پر محدثانہ، مؤرخانہ، مؤلفانہ، فقیہانہ، متکلمانہ، ادیبانہ، مناظرانہ اسالیب پر جو کام ہوا، اس کی تفصیل کے لئے وقت اور صفحات کے صفحات درکار ہیں۔

سیرت کی بنیادی چار کتابیں

سیرت کی بنیادی چار کتابیں، چار بڑی شخصیتوں کے ذریعہ دوسری اور تیسری صدی میں وجود میں آئیں، بعد والوں کے لئے ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں:

(۱)......محمد بن اسحاق (م ۱۵۱)۔[۳]

[۳]......امام السیر والاخبار محمد بن اسحٰق بن یسار رحمہ اللہ اور موسی بن عقبہ رحمہ اللہ جو ان کے شاگرد تھے جن کی روایات اور تصنیفات سے فن سیرت ایک مستقل فن بن گیا۔ ''مغازی موسی بن عقبہ'' اور ''مغازی

(۲)......محمد بن عمر واقدی (م ۱۰۷) ۔ ۴؎

(۳)......محمد بن سعد (م ۱۳۰) ۔ ۵؎

ابن اسحٰق'' سیرت کی پہلی دو تصنیفات ہیں۔ بعد میں سیرت پر جتنی کتابیں لکھی گئیں سب کی بنیاد ان دو کتابوں پر ہے۔ دونوں بڑے مرتبہ کے محدث تھے۔ اگر چہ ابن اسحٰق پر امام مالک رحمہ اللہ نے جرح کی، مگر باوجود ان کی جرح کے تمام اصحاب سنن نے ان سے روایت لی۔

۴؎......واقدی نے مغازی اور سیرت پر روایات کا انبار لگا دیا، اور واقعات کو اس تفصیل و تسلسل سے بیان کیا کہ خود جو شخص ان واقعات کے وقت موجود ہوتا تو وہ بھی جزئیات کو اس تفصیل سے یاد نہیں رکھ سکتا۔ واقدی کی ان تفصیلات کی وجہ سے محدثین متفق ہو گئے کہ واقدی اور واقدی کی روایتیں اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ اور واقدی باتفاق محدثین متروک ہیں، لیکن متروک ہونے کے باوجود شاید سیرۃ و مغازی اور رجال کی کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے جو واقدی کی روایتوں سے خالی ہو۔

اصل یہ ہے کہ واقدی گو متروک ہیں، مگر حجاز کے مقامات اور غزوات و سرایا اور دوسرے واقعات کے محل و مقامات کو جتنا صحت و صفائی سے واقدی بیان کرتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ واقدی کی واقفیت اور تبحر علمی سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے تفصیلی بیانات سب مشتبہ ہیں۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''تقریب'' میں لکھتے ہیں کہ: محمد بن عمر بن واقد الاسلمی الواقدی مدینہ کے رہنے والے اور قاضی تھے، بغداد میں قیام کر لیا تھا، باوجود اس کے کہ ان کا علم بڑا وسیع تھا یہ متروک ہیں۔

۵؎......واقدی متروک ہیں، مگر ان کے شاگرد محمد بن سعد مقبول اور بڑے پایہ کے شخص ہیں۔ ان کی کتاب ''طبقات ابن سعد'' بہت مشہور اور مقبول کتاب ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات میں اس سے پہلے اتنی بڑی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ''طبقات ابن سعد'' عرصہ سے مفقود تھی، مسلمانوں کے پاس اس کا مکمل نسخہ کہیں بھی موجود نہ تھا، اب یورپ کے عیسائیوں نے اس کو چھپوایا ہے، مگر اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ یہ نسخہ اصل تصنیف کے موافق ہے، وفات رسول اللہ ﷺ کے متعلق اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے متعلق بعض ایسی روایتیں اس میں موجود ہیں جس کا اسلامی تصنیفات میں باوجود تلاش کے مجھ کو پتہ نہ ملا۔ ''ابن سعد'' کی اکثر روایتوں کو متأخرین نے نقل کیا ہے، مگر ان مہملات کو کسی نے نہیں لکھا، میں یقین کے ساتھ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ یہ یورپ کا الحاق ہے، اس لئے کہ ''طبقات ابن سعد'' خود کوئی

(۴)......عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸)۔

''تاریخ حبیب'' انڈمان کی جیل میں محض اپنی یادداشت سے لکھی گئی

علماء امت کا سیرت نگاری کی اہمیت کا اندازہ مفتی عنایت احمد کاکوری رحمہ اللہ کی ''تاریخ حبیب'' سے لگایا جاسکتا ہے جو موصوف نے پوری انڈمان کی جیل میں محض اپنی یاد داشت سے لکھی۔

انگلستان میں سیرت پر انگریزی میں ایک جامع کتاب

انیسویں صدی کے اواخر میں سید امیر علی ۶؎ نے انگلستان میں بیٹھ کر سیرت پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی، جس کی ایک جلد میں آپ ﷺ کی سیرت اور دوسری جلد میں آپ ﷺ کے کارنامے اسلامی تمدن، شریعت اور آپ ﷺ کی تعلیم وغیرہ کو بیان کیا، یہ کتاب بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی کے یورپ میں اسلام کا سب سے پہلا، سب سے زیادہ موثر اور سب سے کامیاب دفاع تھا۔

سیرت پر ماضی قریب کی چار مشہور کتابیں

ماضی قریب میں علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمہما اللہ کی ''سیرت النبی''

ایسی کتاب نہیں جس کی ساری روایتیں قابل قبول ہوں، تاہم چونکہ پوری کتاب ہمیں یورپ کے واسطہ سے ملی ہے اس کے بھروسہ پر ''ابن سعد'' کا حوالہ بھی جائز نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی سند متداول کتابوں سے نہ مل جائے۔ (اصح السیر ص ۱۳)

۶؎...... جو بنگال کے تھے، عربی، فارسی پر بڑا عبور تھا، وکیل بلکہ کلکتہ ہائی کورٹ کے پہلے مسلمان جج اور پریوی کونسل کے بھی پہلے مسلمان جج تھے، جو انگلستان بلکہ سلطنت برطانیہ کی سب سے بڑی عدالت تھی، انگلستان میں رہتے تھے، انگریزی قانون کے بڑے ماہر تھے۔

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی ''سیرۃ المصطفی ﷺ ، اور مولانا قاضی سلمان منصور پوری رحمہ اللہ کی '' رحمۃ للعالمین'' اور حکیم ابو البرکات مولانا عبد الرؤف صاحب داناپوری رحمہ اللہ کی ''اصح السیر'' اور حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی ''نبی رحمت'' بڑی اہمیت کی حامل اور قابل مطالعہ کتابیں ہیں۔

نوٹ:...... تفصیل کے لئے دیکھئے! ڈاکٹر محمود احمد غازی کی ''محاضرات سیرت''۔

اصحاب سیرۃ اور اصحاب حدیث میں فرق

اصحاب حدیث تین امور کو جمع کرتے ہیں:

(۱)......رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا۔

(۲)......رسول اللہ ﷺ نے کیا کام کیا۔

(۳)......رسول اللہ ﷺ کے سامنے یا رسول اللہ ﷺ کے وقت میں کیا کیا گیا۔

اصحاب سیرۃ بھی انہیں تین امور کو جمع کرتے ہیں، اس لئے اصل کام ان دونوں کا ایک ہے، مگر باوجود اس کے دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی ذات سے ان کی بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے۔ اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ ﷺ کو جاننا ہے۔ احکام پر ان کے یہاں بحث ضمناً ہوتی ہے۔

اس لئے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ: یہ فعل یا یہ قول رسول اللہ ﷺ کا ہے یا نہیں؟ ان کی تمام تر قوت اس تحقیق میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہے یا نہیں؟ لیکن اصحاب سیرۃ کو یہ بھی کرنا پڑتا ہے اور اس کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں: (ایک یہ کہ)...... حضور ﷺ نے کب ایسا کہا یا

کیا؟ (دوم یہ کہ)......ایسا کہنے یا کرنے کی وجہ کیا ہوئی؟

اصحاب سیرۃ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو مسلسل اور مربوط بتانے کی کوشش کرتے ہیں، اوران کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔اصحاب حدیث کہتے ہیں کہ: اس کی ضرورت نہیں، جب صحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ قول یا یہ فعل رسول اللہ ﷺ کا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کا طریقہ ہو گیا، گو یہ نہ معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے کب، کس دن، کس تاریخ ایسا کہا یا ایسا کیا؟۔اس فرق کی وجہ سے اصحاب سیرۃ اوراصحاب حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں۔......

حالانکہ وہ دو جماعتیں نہیں ہیں، جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں، اور جتنے اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی، مگر سیرت پر جب ان کو واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں، اور سیرت کے مقاصد کو پورا کرنا ہوتا ہے تو اس کے شرائط اور وجوہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔......

اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ: آپ ﷺ کی پیدائش کے وقت یا اس کے قریب حجاز کی معاشرتی یا مذہبی حالت کیا تھی؟ اس کے لکھنے کا منشأ یہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات سے حالات میں کیا تغیرات ہوئے، اور کون سا حکم کس کس مناسبت سے دیا گیا، یہ بغیران حالات کو جانے ہوئے معلوم نہیں ہو سکتا۔

محدثین کے شرائط کے موافق ایک روایت بھی ان معلومات کے متعلق نہیں مل سکتی، الا وہ جو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی۔ پیدائش سے نبوت تک کے حالات کی بھی یہی حالت ہے، بڑے بڑے محتاط محدثین نے بھی یہی کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بیان کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین رحمہم اللہ کے صحیح اقوال کو جمع کیا ہے، گو واقعہ کے وقت

وہ وہاں موجود نہ تھے، کیونکہ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔(اصح السیر ص ۸)

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ کی ’’قصص النبیین‘‘ حصہ پنجم بھی اسی کی ایک کامیاب کڑی ہے۔

’’قصص النبیین‘‘ کی تالیف کا سبب

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نصاب میں کامل گیلانی کی کتاب ’’حکایات الاطفال‘‘ پڑھائی جاتی تھی، اور تقریبا تمام ممالک عربیہ میں وہ حد درجہ مقبول ہو رہی تھی۔ یہ کتاب بجائے دینی و مذہبی ذہن سازی کے سکولر کا کام دیتی تھی، جانوروں کی تصاویر و قصے، بے فائدہ واقعات‘ گویا کوئی ناول ہو جس میں قدیم طرز کی جن کی کہانی، اللہ و رسول کے نام سے یکسر خالی۔ خود صاحب قصص النبیین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو بھی اس کتاب کی تدریس کا موقع ملا اور حضرت رحمہ اللہ کو بھی اس کا خالص سیکولر ہونے‘ جانوروں کے قصوں اور تصاویر کی بھرمار سے کوفت و کراہیت محسوس ہوتی تھی، ساتھ ہی حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ (جن کی دینی غیرت اور حساسیت طبقۂ علماء کے لئے باعث غیرت تھی) نے بطور خاص حضرت رحمہ اللہ کو اس کتاب کے داخل درس ہونے پر اظہار تعجب و ناپسندیدگی پر مشتمل درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا:

مولانا عبدالماجد دریابادی کا دینی غیرت پر مشتمل گرامی نامہ

’’حال میں ندوہ کی ایک ابتدائی درسی کتاب محض اتفاق سے نظر پڑ گئی، بڑا ہی دل دکھا، تصویروں کی وہ بھرمار کہ شاید عبارت بھی اتنی نہ ہو، سرورق سے لے کر آخر تک جاندار مخلوق کی تصاویر سے رنگین، اللہ و رسول کا شروع سے آخر تک نام نہیں، لغو قصے‘ جن و پری کے طرز کے۔ حیرت ہوگئی کہ یہ کتاب اور سید صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے زمانے میں؟ خط دونوں

صاحبوں کولکھ دیا ہے ''چوکفر از کعبہ برخیز دکجا مانند مسلمانی'' مصری کتابیں تعلیمی نقطۂ نظر سے بھی ہرگز ندوی طلباء کے لئے مفید نہیں ہوسکتیں''۔(پرانے چراغ ص ۱۵۷ ج ۲)

اس گرامی نامہ نے مصنف علام رحمہ اللہ کو متوجہ فرمایا کہ ایک ایسی کتاب وجود میں آنی چاہئے جس میں جعلی حکایات کے بجائے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اس انداز سے لکھے جائیں کہ طلباء ابتدائی عربی ادب کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی پڑھ کر تاریخ کے ایک اہم باب سے واقف ہوسکیں اور اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کرسکیں۔ اور ان قصص سے اپنے عقائد کی اصلاح وایمان مضبوط کرسکیں۔

تصنیف کی ابتدا' اور اس میں انہماک

حضرت مصنف علام رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تصنیف کا آغاز: ۴۳/۴۴ھ کے درمیان شروع فرمایا، اور اس کا سلسلہ سفر وحضر میں ریل پر' سڑک کے کنارے' سواری کے انتظار میں' لاہور' سوہاوہ' اور نظام الدین کے قیام میں نقل وحرکت اور انتشار کی حالت میں بھی جاری رہا اور اللہ تعالی کی توفیق سے اختتام تک پہنچا۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''اس کو شروع کرنے کے بعد ایسا احساس ہوا کہ خدا نے اس کو میرے لئے ایسا آسان کردیا ہے کہ قلم برداشتہ بلا تکلف اس طرح لکھتا جاتا تھا، جیسے باتیں کررہا ہوں''۔

قصص النبیین میں چار باتوں کا خاص التزام

حضرت مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں چار باتوں کا خاص التزام فرمایا:

(۱)......الفاظ کا ذخیرہ کم سے کم ہو، لیکن اعادہ اور تکرار سے اس کو ذہن میں نقش کردیا جائے۔

(۲)......کتاب قرآن کی زبان میں لکھی جائے اور آیات قرآنی جگہ جگہ نگینہ کی طرح جڑ دی

جائیں۔

(۳)......اسلام کے بنیادی عقائد (توحید، رسالت، معاد) کی تلقین وتعلیم ضمناً ہوجائے۔

(۴)......قصوں کو پھیلا کر لکھا جائے اوران میں ایسی رہنمائی کا سامان ہو کہ بچوں کے دلوں میں کفروشرک کی نفرت، ایمان وتوحید کی محبت اورانبیاء علیہم السلام کی عظمت راسخ ہوجائے، اور یہ سب غیر شعوری طریقہ پر۔

بچوں کا علم کلام تیار ہوگیا

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ کی نظر سے جب یہ کتاب گذری تو اولاً موصوف نے اس نکتہ کو محسوس فرمایا کہ اس میں بچوں کے عقائد کو درست کرنے اوران کے ذہن کی تربیت کا خاصہ مواد جمع ہوگیا ہے، چنانچہ مرحوم نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا اور سو فیصد درست لکھا کہ:

اس کتاب کے ذریعہ بچوں کا علم کلام تیار ہوگیا

مولانا مسعود عالم صاحب مرحوم نے اپنے مقدمہ میں لکھا کہ:

''اس کتاب میں زبان اور دین کو اس طرح ایک دوسرے سے پیوستہ کردیا ہے، جیسے گوشت اور ناخن''۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ نے اپنی صاحبزادیوں کو باقاعدہ یہ کتاب پڑھائی۔اوراس کتاب کی ایسی قدردانی کی کہ وہ ہمیشہ مصنف رحمہ اللہ سے تقاضہ اوراصرار فرماتے رہے کہ میں (یعنی حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ) دوسرے اہم و ضروری کاموں کو بھی سردست چھوڑ کر اس سلسلہ کو مکمل کروں۔

تین حصوں کی تکمیل کے بعد جو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے،

مصنف علام رحمہ اللہ کو مصروفیات کی وجہ سے تقریباً تیس پینتیس سال کا طویل عرصہ گذر گیا کہ بقیہ حصوں کی طرف توجہ کا موقع نہ مل سکا۔ اچانک ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء کے رمضان کے مبارک مہینہ میں اس ادھورے اور بابرکت کام کی تکمیل کا دل میں اس شدت سے داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو لکھے بغیر چین نہیں آیا' تو اس کی ابتدا فرما ہی دی اور چوتھا حصہ حضرت شعیب علیہ السلام سے لے کر حضرت سیدنا عیسی علیہ السلام پر مکمل فرمایا۔

اس طویل درمیانی وقفہ کی وجہ سے مصنف کو شروع میں کچھ دشواری کا سامنا بھی کرنا پڑا کہ عالم اسلام کے ایک مانے ہوئے ادیب، بچوں کی زبان میں اس طرز پر لکھے جو ابتدائی طلبہ کے لئے فہم کا کام دے، اور جس آسان و سہل طرز کو پہلے تین حصوں میں اپنایا گیا تھا، شروع میں ایسا معلوم ہوا کہ آپ وہ زبان گویا بھول گئے ہیں، مگر تھوڑی ہی کوشش کے بعد قلم میں روانی پیدا ہوگئی۔

''مسک الختام'' سے اختتام

اب آخری حصہ کی باری تھی' جس کو 'مسک الختام '' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اللہ تعالی کی توفیق سے ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں سیرت خاتم النبیین پر اس سلسلہ کا حسن خاتمہ ہوا۔ البتہ اس آخری حصہ میں آپ نے بچوں والے اسلوب' الفاظ و جمل کے تکرار' آسان کلمات اور قصہ میں تفصیل کا التزام نہیں فرمایا، اس لئے کہ اب یہ بچے جوان ہو چکے ہیں اور ان کی زبان اور شعور میں ترقی پیدا ہو چکی ہے۔ تاہم ضرورت محسوس کی کہ حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی ندوی مدظلہ جو اس عمر کے طلبہ کی طبیعت سے بخوبی واقف ہیں' سے درخواست کی جائے کہ وہ مشکل الفاظ کی تسہیل و توضیح کر دیں، چنانچہ موصوف نے حکم کی تعمیل میں اس کام کو بخوبی انجام دیا۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی غیر مناسب نہیں کہ مصنف کی مشہور کتاب 'السیرۃ النبویۃ' کی تصنیف کا سبب ومحرک یہی قصص النبیین (ج ۵) بنی ہے۔[۶]

مدارس، اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں

''قصص النبیین''، مصر، بیروت، سعودی عرب اور ہندو پاک میں بلا مبالغہ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئی، اور مختلف مدارس اور اسکولوں اور کالجوں کے عربی نصاب میں بھی داخل کی گئی۔

عصبیت بڑے بڑے حقائق پر پردہ ڈال دیتی ہے

ہاں بعض مدارس دینیہ نے نہ جانے کیوں اس کتاب سے بے اعتنائی برتی، اس بارے میں مصنف علام رحمہ اللہ کا ایک اقتباس نقل کرنا کافی ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر مصنف کو اپنی کسی کتاب کے داخل نصاب نہ ہونے پر استعجاب اور دوستانہ شکوہ ہوسکتا ہے تو اس کتاب پر کہ وہ زبان آموزی اور دینی تلقین کا بیک وقت کام کرتی ہے، لیکن جماعتی اور مدرسی عصبیت بڑے بڑے حقائق پر پردہ ڈال دیتی ہے، تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں جدید تعلیمی ادارے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ فراخ دل اور وسیع النظر واقع ہوا ہے''۔

ذریعہ مغفرت اور ذخیرۂ آخرت

حضرت مصنف رحمہ اللہ کو اس کتاب کی تصنیف پر کس قدر خوشی تھی اور اس کتاب سے

---

[۶]......جن کے اردو، انگریزی، انڈونیشی، اور ترکی، تراجم بھی ہوئے اور کئی کئی ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کے اردو ترجمہ کا نام ''نبی رحمت ﷺ'' ہے۔ اور عربی کتاب متعدد مؤقر عربی جامعات میں داخل نصاب کی گئی۔

کیا کچھ امیدیں وابستہ تھیں اس کا اندازہ موصوف کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے:

''لیکن مصنف اپنی جس خدمت اور توفیق الٰہی پر سب سے زیادہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے' اور اپنے لئے اس کو ذریعہ مغفرت اور ذخیرۂ آخرت تصور کرسکتا ہے، وہ ''قصص النبیین'' کا مقبول سلسلہ ہے''۔

سید قطب کا اعتراف وتأثر

مقدمہ کا اختتام عالم اسلام کے مشہور ادیب ونقاد صاحب قلم اور آخر میں شہید ملت' سید قطب کی تقریظ وتأثر کے ایک اقتباس پر کرنا مفید سمجھتا ہوں۔ اس میں موصوف نے جس اعتراف سے اس کتاب کی تعریف کی ہے وہ یقیناً بلند نظر' وسیع الظرف اور وسیع القلب ہی سے ہوسکتی ہے، انہوں نے لکھا:

''میں نے کثرت سے وہ کتابیں پڑھی ہیں' جو بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں، اور جن میں انبیاء کرام (علیہم السلام) کے حکایات وقصص بھی شامل ہیں، خود ایک سلسلۂ کتب کی ترتیب میں' میں نے شرکت کی ہے' جو'' القصص الدینی للاطفال '' کے نام سے مصر میں مرتب ہوا اور جس کے لئے مواد قرآن مجید سے اخذ کیا گیا تھا، لیکن میں تکلف اور خوشامد کے بغیر اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ ''قصص النبیین للاطفال '' کے مصنف کا کام (جس کا ایک نمونہ حضرت موسی علیہ السلام کے قصہ میں نظر آتا ہے) ہمارے وضع کئے گئے سلسلہ سے زیادہ کامیاب اور مکمل ہے، اس لئے کہ اس میں ایسی لطیف رہنمائیاں' قصہ کے مقاصد پر روشنی ڈالنے والی تشریحات اور بین السطور ایسے اشارات آگئے ہیں' جو بیش قیمت ایمانی حقائق کی نقاب کشائی کرتے ہیں''۔

نوٹ:...... مقدمہ میں جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں وہ مصنف علام رحمہ اللہ کی دلچسپ و

سبق آموز آپ بیتی بلکہ ایک مؤرخانہ وحقیقت پسندانہ جگ بیتی'' کاروان زندگی'' جلداول از ص:۲۱۵ر تاص ۲۱۹ر سے ماخوذ ہیں، بلکہ مقدمہ کا اکثر مواد اسی سے لیا گیا ہے، بس ترتیب اورالفاظ میں کمی زیادتی وتبدیلی راقم کی طرف سے کی گئی ہے۔

مرغوب احمدلاجپوری

۱۹ر جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۰راپریل ۲۰۱۳ء

بروز منگل

مقدمہ علم اصول فرائض

علم فرائض کی تعریف، موضوع، غرض و غایت، اس فن کی تدوین، اس فن کی اہم کتابیں، فرائض کی اہمیت، فضیلت، تاکید، علم فرائض کے بڑے عالم، سراجی اور صاحب سراجی کا مختصر تعارف وغیرہ امور پر مشتمل قابل مطالعہ رسالہ۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوٹ:...... یہ مختصر رسالہ علم اصول فرائض کا ایک مقدمہ ہے، اس لئے رسالہ کے شروع میں ’’مقدمہ‘‘ کی تحقیق بھی مناسب سمجھی گئی۔

لفظ ’’مقدمہ‘‘ کی تحقیق اور چند مفید بحثیں

مقدمہ:...... سے مراد وہ تمہیدی کلمات ہیں جو کسی کتاب کے آغاز میں کتاب کے مباحث مقصودہ سے متعلق بیان کئے جائیں۔

لفظ ’’مقدمہ‘‘ میں چند بحثیں ہیں:

(۱):...... پہلی بحث اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہے: اصطلاح میں ’’مقدمہ‘‘ کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر آئندہ آنے والے مقاصد موقوف ہوں۔ بلفظ دیگر جو چیزیں مقاصد سے پہلے بیان کی جائیں ان کو ’’مقدمہ‘‘ کہتے ہیں۔

(۲):...... دوسری بحث صرفی ہے: ’’مقدَّمة ‘‘ (باب تفعیل، تقدیم) سے مشتق ہے، لیکن آیا ’’مقدّمة ‘‘ بفتح الدال اسم مفعول کا صیغہ ہے یا بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے؟

تو صاحب کشاف علامہ زمخشری نے ’’الفائق‘‘ اور صاحب مفتاح العلوم علامہ سکاکی نے ’’الاساس‘‘ میں تصریح کی ہے کہ: ’’مقدّمة‘‘ بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے، یعنی آگے کرنے والا۔

اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کس کو آگے کرنے والا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مقدمہ بھی اپنے پڑھنے اور سمجھنے والے طالب علم کو اس شخص پر مقدم اور آگے کرتا ہے جو اس کو پڑھے اور سمجھے بغیر علم حاصل کرنا شروع کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: یہاں پر باب ’’تفعیل‘‘ معنی میں باب ’’تفعل‘‘ کے ہے۔ بلفظ

دیگر لازم ہے متعدی نہیں ہے، تو ''مقدّمة'' بمعنیٰ ''متقدّمة'' ہے، یعنی آگے ہونے والا، اور چونکہ وہ مقصود سے آگے ہوتا ہے، اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ''مقدّمة'' بفتح الدال باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور یہی مشہور ہے، یعنی آگے کیا ہوا، اور چونکہ اس کو مقاصد سے آگے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

(۳):...... تیسری بحث ''مقدّمة'' کا ماٴخذ کیا ہے؟: مقدمہ ماخوذ ہے'' مقدمة الجیش '' سے یعنی لشکر کا وہ دستہ جو لشکر سے آگے بھیج دیا جاتا ہے، جس کو اردو میں ''ہراول دستہ'' اور ''ہراول فوج'' کہتے ہیں۔

لشکر کا یہ حصہ آنے والے لشکر کے لئے معقول جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، تا کہ آنے والے لشکر کو سہولت رہے، اور کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو اسی سے کتابوں کے شروع میں مقدمہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس لئے کہ مقدمہ میں بھی ایسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ آگے آنے والے مضامین کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴):...... چوتھی بحث اقسام کے متعلق ہے: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں:

(اول):...... مقدمة العلم: ان امور کو کہتے ہیں جن پر اس علم کا شروع کرنا موقوف ہو، مثلا اس فن کی تعریف، اس کا موضوع اور اس کی غرض وغایت وغیرہ۔

(دوم): ''مقدمة الکتاب '' کلام کا وہ طائفہ اور ٹکڑا جس کو مقصود سے پہلے بیان کیا جاوے، مقصود کو اس کے ساتھ ربط ہونے کی وجہ سے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: ''مقدمة العلم ''اور'' مقدمة الکتاب '' دونوں متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہیں، یعنی موقوف علیہ کو مفہوم اور ادراک کے اعتبار سے'' مقدمة العلم ''

کہتے ہیں اور الفاظ ونقوش کے اعتبار سے ’’مقدمة الکتاب‘‘ کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کی دونوں قسموں کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے ’’مقدمة الکتاب‘‘ عام ہے اور ’’مقدمة العلم‘‘ خاص ہے، اس لئے کہ کتاب کے شروع میں جو مکتوب ہے جس سے مقصود کی طرف رغبت بڑھتی ہے، اپنی صورت اصلیہ کے اعتبار سے ’’مقدمة الکتاب‘‘ ہے اور یہی صورت دال علی المعانی (جن پر فن کا شروع کرنا موقوف ہے) کے اعتبار سے ’’مقدمة العلم‘‘ ہے۔

علامہ دسوقی فرماتے ہیں کہ: ’’مقدمة العلم‘‘ اور ’’مقدمة الکتاب‘‘ کے درمیان تباین کی نسبت ہے، اس لئے کہ ’’مقدمة العلم‘‘ نام ہے معانی کا اور ’’مقدمة الکتاب‘‘ نام ہے الفاظ کا، اور ظاہر بات ہے کہ الفاظ اور معانی کے درمیان تباین ہے۔

(۵):...... پانچویں بحث ’’مقدمة‘‘ کی تاء کے متعلق ہے: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تاء تانیث ہے، اور مقدمہ اصل میں صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، یعنی ’’الامور المقدمة‘‘۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: مقدمة کی تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے، یعنی مقدمہ اصل میں تو وصف ہے، لیکن وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو کر لشکر کی اس جماعت کا نام ہو گیا جو لشکر سے آگے جاتی ہے، تو یہ تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہونے لگا، جیسے:

’’مقدمة العلم، مقدمة الکتاب، مقدمة الدلیل، مقدمة العلم‘ اور ’’مقدمة القیاس‘‘۔ (راہ نحو شرح اردو ہدایۃ النحو، ص ۵۹)

علم فرائض کی تعریف......موضوع......غرض وغایت

لغوی تعریف:...... ''فرائض'' جمع ہے ''فریضۃ'' کی، اور فرض کے ایک لغوی معنی ہے اور ایک اصطلاحی تعریف ہے۔

فرض لغت میں چھ معانی کے لئے آتا ہے:

(۱)......التقدیر: جیسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ﴾۔

(سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۲۳۷)

(۲)......القطع: جیسے ﴿نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا﴾۔ (سورۂ نساء، آیت نمبر:۷)

(۳)......الانزال: جیسے ﴿اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ﴾۔ (سورۂ قصص، آیت نمبر:۸۵)

(۴)......التبیین: جیسے ﴿قَدۡ فَرَضَ اللّٰہُ لَکُمۡ تَحِلَّۃَ اَیۡمَانِکُمۡ﴾۔ (سورۂ تحریم، آیت نمبر:۲)

(۵)......الاحلال: جیسے ﴿مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنۡ حَرَجٍ فِیۡمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ﴾۔

(سورۂ احزاب، آیت نمبر:۳۸)

(۶)......اور وہ چیز جو بغیر عوض دی جائے، جیسے عربوں کا یہ مقولہ ہے: ''ما اصبت منہ فرضا ولا قرضا''۔

علم فرائض میں یہ سب معانی پائے جاتے ہیں، اس لئے اس کو ''فرائض'' کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:...... علم فرائض: علم فقہ اور علم حساب کی چند جزئیات اور ان کے قواعد کے جاننے کا نام ہے، جن سے ترکۂ میت اور مستحقین ترکہ اور ان کے درمیان صحیح (شرعی) طریقہ سے ترکہ کی تقسیم کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ اس میں کچھ چیزیں فقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور کچھ چیزیں حساب سے۔

موضوع:...... ہر علم کا موضوع وہ شئی کہلاتی ہے جس کے احوال پر اس علم میں بحث کی جاتی

ہے، مثلا: ایک آدمی بڑھئی ہے، بڑھئی لکڑی سے شغل رکھتا ہے تو لکڑی اس کا موضوع ہے۔
اس علم کا موضوع: میت کا ترکہ اور اس کے مستحقین ہیں۔
غرض وغایت:......علم فرائض کی غرض وغایت یہ معلوم کرنا ہے کہ ترکۂ میت میں سے اس کے ہر ہر مستحق کو کتنا حصہ ملتا ہے۔

غرض وغایت کسے کہتے ہیں

غرض وغایت: ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، حاصل کرنے سے پہلے وہ چیز ''غرض'' کہلاتی ہے، اور حاصل ہو کر وہ ''غایت'' کا نام پاتی ہے، مثلا: یہاں سے آپ برائے ''بمبئی'' کسی کام کے لئے چلے تو ''بمبئی'' آپ کے سفر کی ''غرض'' ہے، اور جب ''بمبئی'' پہنچ گئے تو آپ کا سفر ختم ہو گیا، یہ ''غایت'' ہوئی، ''غایت'' کا معنی ہے انتہا۔

اس فن کا نام ''علم فرائض'' کیوں رکھا گیا؟

''فرائض'' یہ ''فریضة'' کی جمع ہے، اور یہ ''فرض یَفرِض'' سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے مقرر کرنا۔ ''فریضة، فعیلة'' کے وزن پر ''مفروضة'' کے معنی میں ہے، یعنی مقرر کیا ہوا حصہ۔ وارثوں کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں، کسی کو آدھا ملے گا، کسی کو چوتھائی، کسی کو دو تہائی، کسی کو تہائی۔ یہ مقرر ہے، اس لئے اس کو ''فرائض'' کہتے ہیں۔

علم فرائض کی تدوین اور چند مشہور اور مفید کتابیں

چونکہ فرائض، علم فقہ کے اس خاص شعبہ کا نام ہے جو میت کے ترکہ کی تقسیم سے متعلق ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اس کی تدوین کا زمانہ بھی وہی ہوگا جو عام فقہ کی تدوین کا ہے، چنانچہ تاریخ میں سعید بن جبیر عبیدہ سلیمانی، امام شعبی، فقہاء سبعہ، ان کے بعد قبیقہ بن ذویب

اور ابوالزناد وغیرہ کا سراغ ملتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں ''فرائض ابن بی لیلی'' اور ''فرائض شبرمہ'' کا ذکر ملتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے اصحاب کی کتابیں بھی ملتی ہیں۔ ویسے اصولی طور پر علم فرائض، علم فقہ ہی کا ایک حصہ ہے، لیکن اپنے مسائل اور جزئیات کی کثرت اور تنوع کی بنا پر اس نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ اسی لئے عہد اول میں اس کے احکام و مسائل کا ذکر دوسرے ابواب فقہ سے الگ نہ تھا، پھر رفتہ رفتہ جب اس فن کی فروعات بڑھ گئیں، اور کثرت مباحث کی وجہ سے اس کی ایک امتیازی شان پیدا ہوگئی تو فقہاء نے تفصیلی جزئیات کے واسطے ''فرائض'' میں علیحدہ طور پر کتابیں لکھیں۔

غرض اگلے اور پچھلے حنفی، شافعی، مالکی، اور حنبلی سبھی علماء نے اس علم پر بیش قدر کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک پر ''کتاب ابن ثابت'' بہتر کتاب ہے۔ اور مختصر قاضی ابی القاسم الخوفی، علماء افریقہ میں ''کتاب ابن النمر الطرابلسی، کتاب الجعدی، کتاب الصردی'' بھی بڑے پیمانہ کی کتابیں ہیں، لیکن ان میں بھی تمغہ امتیاز ''خوفی'' ہی کو حاصل ہے۔ اس فن میں سب سے زیادہ مشہور و متداول کتاب شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی کی ''فرائض سجاوندی ہے، جس کو ''الفرائض السراجیہ'' بھی کہتے ہیں۔

چند مشہور اور قابل ذکر کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

(۱)......الفرائض، از: ابن اللبان محمد بن عبداللہ مصری (م: ۴۰۲ھ)۔

(۲)......الفرائض، از: ابن عبدالبر یوسف بن عبداللہ قرطبی (م: ۴۶۳ھ)۔

(۳)......ارکانی، از: اسحاق یوسف رضی یمنی (م: ۵۵۰ھ)۔

(۴)......فرائض فی الفرائض، از: محمود بن عمر جاراللہ زمخشری۔

(۵)......فرائض فی الفرائض،از:ابوالقاسم احمد بن محمد خلف۔

(۶)......الفرائض،از:شبیلی (م:۵۸۰ھ)۔

(۷)......الفرائض،از:ابوالرشید مبشر بن علی بن احمد الحاسب الرازی (م:۵۸۹ھ)۔

(۸)......الفرائض،از:ابوالرجاء مختار بن محمود حنفی (م:۶۵۸ھ)۔

(۹)......فرائض فی الفرائض،از:ابوغانم محمد بن عمر بن احمد بن العدیم حلبی (م:۶۹۹ھ)۔

(۱۰)......کتاب ابن ثابت، مالکی مسلک پر اس فن کی بہترین کتاب ہے۔

(۱۱)......مختصر قاضی ابی القاسم الخوفی۔

(۱۲)......کتاب ابن النمر الطرابلسی۔

(۱۳)......کتاب الجعدی۔

(۱۴)......کتاب الصردی۔

(۱۵)......فرائض سجاوندی (اس کو ''الفرائض السراجیہ'' بھی کہتے ہیں)از: شیخ سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی (م:۶۰۰ھ یا ۷۰۰ھ)۔

(۱۶)......احکام المواریث فی الشریعة الاسلامیة علی مذاهب الا ئمة الاربعة ،از: شیخ محی الدین عبدالحمید (نہایت نفیس اور عمدہ کتاب ہے)۔

(۱۷)......معین الفرائض۔از: حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری رحمہ اللہ۔

(۱۸)......مفید الوارثین۔از: حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ۔

(۱۹)......آسان فرائض:از: حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ۔

(۲۰)......تسہیل المیراث،از: حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ۔

(۲۱)......ثمرۃ المیراث،از: مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب مدظلہم۔

(۲۲)......نوادرالمیراث،از: مولانا عبدالحئی سیدات صاحب لاجپوری مدظلہم۔

علم فرائض کی اہمیت

علم میراث بہت قابل قدر علم ہے۔حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ اس کی تعلیم فرمائی ہے،اور ہرایک وارث کے حصے کو جدا جدا مقرر و معین فرمادیا ہے۔(نساء)

قرآن پاک میں وصیت و میراث کے احکام جہاں بیان کئے گئے ہیں' ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۰/۱۸۲/۲۴۰، پ۲۔سورۂ نساء، آیت: ۷/۸/۱۱/۲۱/۳۳/ ۱۷۶/پ:۴/۔سورۂ مائدہ،آیت:۱۰۶تا۱۰۸، پ ۷۔سورۂ انفال،آیت:۷۵، پ ۸۔

علم فرائض نہایت ضروری اور قابل قدر علم ہے۔قرآن پاک میں نہایت وضاحت کے ساتھ خاص طور پر اس کی تعلیم فرمائی گئی ہے، اور ہر ایک وارث کے حصے جدا جدا مقرر فرمادیئے گئے ہیں،اس لئے اس کو فرائض (مقرر و متعین شدہ) کہتے ہیں۔

ان احکام کے اخیر میں خدا نے فرمایا کہ: صاف اور صریح احکام اس لئے مقرر فرمائے گئے کہ تم لوگ میراث تقسیم کرنے میں گمراہ نہ ہوجاؤ۔﴿یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا﴾۔

(سورۂ نساء،آیت نمبر:۱۷۶،پ:۶)

علم فرائض کی اہمیت کا اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس علم کا تعلق جہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور احکام سے اور نبی کریم ﷺ کی سنت سے ہے، وہاں اس علم کا تعلق حقوق العباد سے بھی ظاہر اور باہر ہے،اس اعتبار سے اس کی دہری اہمیت ہے کہ یہ علم گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر مشتمل ہے۔

....

علم فرائض کی تاکید کی وجہ

درحقیقت میراث کی تقسیم میں بوجہ مال کی محبت کے عدل وانصاف سے کام لینے والے اورحق دار کواس کا واجبی حق دینے والے بہت کم لوگ ہیں۔ بہت سے لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ورثہ بالکل نہیں دیتے اور جو دیتے ہیں وہ ہزار مصیبت اور مقدمات بازی اور دھینگا مستی کے بعد۔ایسے لوگوں کے بارے میں کہ جو میراث کھا جاتے ہیں اور دینے میں ظلم و زیادتی کرتے ہیں قرآن شریف میں دائمی دوزخ کی وعید ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ص وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾۔(سورۂ نساء، آیت ۱۴، پ:۴)

ترجمہ:......اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔

اس لئے اس علم کو سیکھنے اور سکھلانے کی بڑی تاکید شرع میں وارد ہوئی ہے۔

علم فرائض کے فضائل

احادیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے اس علم کے حاصل کرنے اور تعلیم دینے اور عمل کرنے کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں۔

علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں

(۱)......عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنه : ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : العلم ثلا ثة وما سوى ذلک فهو فضل : آية مُحكمة ، او سُنّة قائمة

أو فريضة عادلة۔

(ابوداؤد، باب ما جاء فی تعليم الفرائض ، اوّل كتاب الفرائض ، رقم الحديث :۲۸۸۵۔

ابن ماجہ، باب اجتناب الرأی والقياس ، كتاب السّنة ، رقم الحديث :۵۴)

ترجمہ:......حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: علم تین طرح کے ہیں اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ زائد ہیں: ایک آیت محکم، دوسرے سنت قائمہ، تیسرے میراث کے احکام۔

تشریح:......علوم شرعیہ معتبرہ تین ہیں: آیات محکمہ، یعنی غیر منسوخہ، یا صریحہ غیر محتمل تاویل۔ احادیث صحیحہ ثابتہ۔ فریضہ عادلہ، فریضہ سے مراد تو وہ احکام واصول ہیں، جن سے تقسیم بین الورثہ عدل کے ساتھ یعنی پوری پوری ہو سکے اور یہ بات علم الفرائض سے حاصل ہوتی ہے۔
(بذل المجہود شرح سنن ابوداؤد ص ۷۴ ج ۱۰۔ الدر المنضود ص ۲۷ ج ۵)

(۲)......عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : تعلّموا الفرائض والقرآن ، وعلّموا النّاس فانی مقبوض۔

(ترمذی، باب ما جاء فی تعليم الفرائض ، ابواب الفرائض ، رقم الحديث :۲۰۹۱)

ترجمہ:......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرائض اور قرآن کریم کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اس لئے کہ یقیناً میں اٹھایا جاؤں گا۔

علم فرائض کو نصف علم فرمایا، اس کی چند وجوہ ہیں

(۳)......عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: يا ابا هريرة ! تعلّموا الفرائض وعلّموها ، فانّه نصف العلم ، وهو يُنسی ، وهو اوّل شيئی ينتزع من امّتی۔

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ہریرہ! فرائض کا علم سیکھو اور اس کو سکھاؤ، اس لئے کہ یہ آدھا علم ہے، اور یہ وہ علم ہے جو بھلا دیا جائے گا، اور سب سے پہلے میری امت سے یہی علم اٹھایا جائے گا۔

(ابن ماجہ، باب الحث علی تعلیم الفرائض ، کتاب الفرائض ، رقم الحدیث: ۲۷۱۹)

تشریح:......علم فرائض کو نصف علم فرمایا، اس کی چند وجوہ ہیں:

(پہلی وجہ)......انسان کی دو حالتیں ہیں: حالت حیات، حالت ممات۔ علم فرائض کے علاوہ دیگر علوم میں ان امور و واقعات کے احکام بیان ہوئے ہیں جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آتے ہیں، اور علم فرائض میں ما بعد الموت کے احکام بیان ہوتے ہیں، اور ایک حال دو حال کے مجموعہ کا نصف ہے۔ اس لئے فرائض نصف علم ہوا۔

(دوسری وجہ)......جن امور سے ملک ثابت ہوتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں: اختیاری، جیسے کسی چیز کو خریدنا، ہبہ کرنا، اس کی وصیت کرنا وغیرہ۔ غیر اختیاری، جیسے وارث کو اس میں لینے اور دینے والے کا کوئی اختیار نہیں، چار و ناچار چیز ایک ملک سے نکل کر دوسرے کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے۔ فرائض میں غیر اختیاری سبب کے مالک ہونے کی بحث ہوتی ہے، اور باقی علوم میں اسباب اختیاری سے ملک ثابت ہونے کی بحث ہوتی ہے، اس لئے فرائض نصف علم ہوا۔

(تیسری وجہ)......احکام شرعیہ بعض تو نص سے ثابت ہیں اور بعض نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں۔ فرائض کے جملہ مسائل نص سے ثابت ہیں، اور باقی مسائل جو دیگر علوم میں مذکور ہیں وہ نص اور غیر نص دونوں سے ثابت ہیں، اس لحاظ سے فرائض نصف علم ہے۔

(قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون ص ۷۵)

(۴)......عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: تعلّموا القرآن وعلّموه الناس، وتعلّموا العلم و علّموه الناس، وتعلّموا الفرائض وعلّموه الناس، فانّ العلم سینقضی و تظهر الفتن، حتی یختلف الاثنان فی الفریضة فلا یجدان من یفصل بینهما۔

(سنن الکبری للبیهقی ص۴۱۲ ج۱۲، باب الحث علی تعلیم الفرائض، کتاب الفرائض، رقم الحدیث :۱۲۳۰۲)

ترجمہ:......حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اور علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اور میراث کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اس لئے کہ علم اٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے، (اور علم فرائض سے لوگوں کی بے خبری اور جہالت کا یہ عالم ہوجائے گا کہ) دو آدمی ایک ضروری مسئلہ میراث میں جھگڑا کریں گے اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا۔

تشریح:......حضور ﷺ کے ارشاد عالی و پیشین گوئی کی تصدیق آنکھوں سے نظر آ رہی ہے، عوام کا تو کیا ذکر ہے، جو لوگ علمائے دین کہلاتے ہیں ان میں بھی فی صدی نوے عالم اس متبرک اور نہایت ضروری علم سے عاری ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس شریف علم کی طرف بڑی توجہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑی تاکید سے فرمایا کرتے تھے کہ:

(۵)......قال عمر رضی الله عنه : تعلّموا اللحن والفرائض والسنة، کما تعلّمون القرآن۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۱۶ ج۱۶، ما قالوا فی تعلیم الفرائض، کتاب الفرائض، رقم الحدیث : ۳۱۶۹۱)

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لحن (قراءت میں غلطی کے مسائل) اور فرائض اور سنت کا علم سیکھو، جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو۔

فرائض کا علم سیکھو، اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا ایک ضروری علم ہے

(۶)......قال عمر رضی الله عنه : تعلّموا اللحن و الفرائض ، فانّها من دينكم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۱۶ ج۱۵، ما قالوا فی تعليم الفرائض ، كتاب الفرائض ، رقم الحديث : ۳۰۵۴۶۔ص۲۱۴ج۱۶، ما قالوا فی تعليم الفرائض ، كتاب الفرائض ، رقم الحديث :۳۱۶۸۱۔ كنز العمال ، الفرائض ، رقم الحديث :۳۰۴۷۴)

ترجمہ:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لحن (قراءت میں غلطی کے مسائل) اور فرائض کا علم سیکھو، جس طرح تم قرآن سیکھتے ہو، اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا ایک ضروری علم ہے۔

(۷)......قال ابن مسعود رضی الله عنه : تعلّموا الفرائض و الحج و الطلاق ، فانّه من دينكم۔

(سنن الكبرى للبيهقی ص۴۲۵ ج۱۲، باب الحث على تعليم الفرائض ، كتاب الفرائض ، رقم الحديث :۱۲۳۱۱)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: فرائض اور حج اور طلاق کا علم سیکھو، اس لئے کہ وہ تمہارے دین کا ایک ضروری علم ہے۔

(۸)......عن ابن المسيب قال : كتب عمر الى ابن ابی موسى اذا لهوتم فالهوا بالرمی ، و اذا تحدثتم فتحدثوا بالفرائض۔

(كنز العمال ، الفرائض ، رقم الحديث :۳۰۴۷۵)

ترجمہ:......حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ: جب کھیل تفریح کرنا ہوتو تیراندازی کیا کرو، اور جب گفتگو کروتو مسائل میراث کے بارے میں گفتگو کیا کرو۔

جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرہ کا سر

(۹)...... قال ابو موسی رضی الله عنه : من علم القرآن ولم يعلم الفرائض فان مثله مثل الرأس لا وجه له ، أو ليس له وجه۔

(سنن الدارمی ص۸۰۰ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۱۴ ج ۱۶، ما قالوا فی تعليم الفرائض ، كتاب الفرائض ، رقم الحديث :۳۱۶۸۲ (۳۱۰۳۵))

ترجمہ:......حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرہ کا سر ہو یعنی بغیر علم فرائض کے علم بے رونق اور بے زینت رہتا ہے۔

(۱۰)......عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال : من قرأ منكم القرآن فليتعلم الفرائض ، الخ۔

(اخرجه الطبرانی فی الكبير برقم :۸۷۴۳۔ مجمع الزوائد ص۲۸۹ ج ۴، باب فی علم الفرائض كتاب الفرائض ، رقم الحديث :۷۱۳۵)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جو شخص قرآن پڑھتا ہو وہ فرائض بھی سیکھے۔

وہ عالم جو فرائض نہ جانتا ہو ایسا ہے جیسا کہ بے سر کے ٹوپی

(۱۱)......عن ابی هريرة رضی الله عنه مرفوعا : ان مثل العالم الذی لا يعلم الفرائض

كمثل البرنس لا رأس له۔(جمع الفوائد ص۴۵ ج۱، کتاب العلم ، رقم الحديث :۲۲۹)

ترجمہ:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ: وہ عالم جو فرائض نہ جانتا ہو ایسا ہے جیسا کہ بے سر کے ٹوپی۔

تشریح:......یعنی بدون فرائض کے علم بے رونق اور بے زینت بلکہ بے کار رہتا ہے۔

(۱۲)......عن عكرمة قال : كان ابن عباس رضى الله عنهما : يضع الكبل فى رجلى يعلّمنى القرآن و الفرائض۔

(سنن الكبرى للبيهقى ص۴۲۵ ج۱۲، باب الحث على تعليم الفرائض ، كتاب الفرائض ، رقم الحديث :۱۲۳۱۱)

ترجمہ:......حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما میرے پاؤں میں زنجیر ڈال دیتے، اور مجھے قرآن کریم اور فرائض کی تعلیم دیتے تھے۔

(۱۳)...... عن قتادة قال : الفريضة ثلث العلم ، والطلاق ثلث العلم۔

(مصنف عبدالرزاق ص۴۶۲ ج۱۱، باب الفريضة ، كتاب الفرائض ، رقم الحديث:۲۱۰۱۳)

ترجمہ:......حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: علم میراث ثلث علم ہے، اور طلاق (کا علم اور اس کے مسائل) ثلث علم ہے۔

آپ ﷺ کے ان ارشادات کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علماء عظام رحمہم اللہ نے اس علم کی طرف خود بھی توجہ فرمائی اور دوسروں کو بھی رغبت دلائی۔

علم فرائض کے سب سے بڑے عالم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے بڑے فرائض کے عالم حضرت زید بن ثابت (م ۴۵ھ) تھے، اور حضرت ابوبکر (م ۱۳ھ) حضرت عمر (م ۲۴ھ) حضرت عثمان (م ۳۴ھ)

حضرت علی (م۴۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسعود (م۳۲ھ) حضرت ابن عباس (م۶۸ھ) اورحضرت ابوموسیٰ اشعری (م۴۴ھ) رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ اس فن میں خاص امتیاز رکھتے تھے، اور میراث کی مشکلات کوحل فرماتے اور مسائل فرائض تعلیم فرماتے اور ساتھ ساتھ لوگوں کوتوجہ دلاتے تھے۔

علم فرائض کی اس اہمیت کی وجہ سے علماء مجتہدین نے اس میں خاص حصہ لیا، اور مستقل کتابیں اورشروح وحواشی تحریرفرمائے، چنانچہ گیارہویں صدی تک تقریباً ستر کتابیں جن میں چالیس کے قریب اصل اور چوبیس شروحات اور پانچ چھ حاشیئے اس فن میں لکھے گئے۔

علم فرائض پرایک منظوم رسالہ

حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمہ اللہ نے اس اہم فن کے قواعد اور مسائل میں رسالہ:''اطیبُ المَرام فی فرائضِ الاسلام ''تحریرفرمایاہے، بڑاہی قابل قدر رسالہ ہے۔ تقریبا:۳۰۳/اشعار اس میں ہیں، ان اشعار میں علم فرائض کے قواعد کومصنف نے بڑے سلیقہ سے بیان فرمایاہے۔

حضرۃ العلام رحمہ اللہ سے پہلے بھی علماء امت نے اس فن کومنظوم بیان کیاہے، مثلا:

(۱)......منظومہ:فخرالدین احمد بن علی بن الفصیح ہمدانی، (م:۷۵۵ھ)۔

(۲)......منظومہ:ابوعبداللہ تاج الدین عبداللہ بن علی سنجاری، (م:۷۹۹ھ)۔

(۳)......منظومہ:محمود بن عبداللہ بدرالدین گلستانی، (م:۸۰۱ھ)۔

(۴)......منظومہ:ابوعزالدین طاہربن حسن معروف بابن حبیب حلبی، (م:۸۰۸ھ)۔

''اطیبُ المَرام فی فرائضِ الاسلام ''......''اطیب''''طاب'' سے اسم تفضیل ہے، زیادہ اچھا، زیادہ خوش گوار۔مـــــرام: مقصد۔فرائض اسلام کوبیان کرنے کا یہ پاکیزہ اور

خوشگوار مقصد ہے۔

سراجی اور صاحب سراجی

ساتویں صدی کے فقیہ علامہ ابو طاہر محمد بن محمد سراج الدین سجاوندی ہیں، جنہوں نے ''علم الفرائض'' تصنیف کی جو علماء اور فقہاء کے درمیان اتنی مقبول ہوئی کہ وہ درس نظامی میں داخل درس ہوئی اور اب تک داخل ہے۔

مختصر سراجی، علم الفرائض میں ایک ایسا متن متین ہے کہ اس سے بڑھ کر معتبر، مفید، جامع ومانع اور دوسری کوئی کتاب فن میراث میں موجود نہیں۔

''سجاوند'' افغانستان کے شہر کابل کا ایک قصبہ ہے، یا خراسان میں ایک مقام ہے۔ آپ مسلکاً حنفی تھے۔ آپ کی وفات: ۶۰۰ھ تا: ۷۰۰ھ کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ آپ بہت بڑے عالم مایہ ناز فقیہ، مفسر قرآن، ممتاز اور ماہر حساب داں تھے، آپ نے علم الفرائض پر بڑی شاندار کتاب تصنیف فرمائی۔

کتاب میں قابل لحاظ امور

علم الفرائض میں یہ کتاب بہت جامع اور عمدہ ہے، مؤلف نے نہایت اختصار کے ساتھ علم فرائض کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس کے تمام مبادی اور مسائل ترتیب کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اس تصنیف میں مصنف رحمہ اللہ نے بہت سے قابل لحاظ امور کا اہتمام کیا ہے، جن میں سے ہر ایک علی الترتیب مندرجہ ذیل ہیں:

اصطلاحی الفاظ کی تحقیق

مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اکثر ابواب میں اصطلاحی الفاظ کی شرعی تحقیق

کرنے کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ رقمطراز ہیں:

’’والجدة الصحيحة : وهی التی لا يدخل فی نسبتها الی الميت جد فاسد‘‘۔

(سراجی ص۹، مطبوعہ: فیصل، دیوبند)

جدۂ صحیحہ وہ ہے کہ جس کی نسبت میت کی طرف کرنے میں جد فاسد کا واسطہ نہ ہو۔

نیز آگے جد صحیح کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’والجد الصحيح : وهو الذی لا تدخل فی نسبته الی الميت ام‘‘۔

(سراجی ص۱۰، مطبوعہ: فیصل، دیوبند)

جد صحیح وہ ہے کہ جس کی نسبت میت کی طرف کرنے میں ماں کا واسطہ نہ ہو۔

اسلوب مسائل

مصنف رحمہ اللہ نے مسائل کو نہایت عمدہ اسلوب میں بیان کیا ہے، یعنی ہر قاعدہ اور اصول کو مثال سے واضح کیا ہے، مثلاً: ’’باب الصحيح‘‘ میں فرماتے ہیں:

رؤوس اور سہام کے درمیان اور رؤوس اور رؤوس کے درمیان جملہ سات قاعدے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کو واضح انداز سے بیان کیا ہے، چنانچہ رؤوس اور سہام کے درمیان توافق یا تباین ہو تو کیا کیا جائے گا؟ اس کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’اما الثلثة فأحدها ان كانت سهام كل فريق منقسمة عليهم بلا كسر فلا حاجة الى الضرب كابوين و بنتين ، والثانی : ان انكسرت على طائفة واحدة ولكن بين سهامهم و رؤوسهم موافقة فيضرب وفق عدد رؤوسهم من انكسرت عليهم السهام فی اصل المسالة و عولها ان كانت عائلة كابوين و عشر بنات ، أو زوج و ابوين و ست بنات‘‘۔ (سراجی ص۸۰، مطبوعہ: فیصل، دیوبند)

رؤوس اور سہام کے درمیان دو قاعدے ہیں: اگر ہر فریق کے سہام ان پر برابر تقسیم ہوں تو ضرب وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے، جیسے وارثین میں اگر صرف ماں باپ اور دو بیٹیاں ہوں تو مسئلہ چھ سے بنے گا، اور ماں باپ کو ایک ایک، اور دو بیٹیوں کو چار فی بنت دو دو ملے گا، یعنی اس مسئلہ میں عدد سہام رؤوس پر برابر تقسیم ہیں، ضرب وحساب کی کوئی ضرورت نہیں، دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ: اگر عدد سہام ان کے رؤوس پر برابر تقسیم نہ ہوں، بلکہ کسر واقع ہو رہا ہو تو ان رؤوس اور سہام کے درمیان نسبت دیکھی جائے گی، اگر توافق کی نسبت ہو تو عدد رؤوس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا، جیسے ماں باپ اور دس بیٹیاں ہیں تو اس میں بیٹیوں اور ان کے سہام میں توافق ہے، لہذا عدد رؤوس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے گا، اور اگر مسئلہ عائلہ ہو تو عدد رؤوس کے وفق کو عول میں ضرب دیا جائے گا۔

مفتی بہ اقوال کا اہتمام

صاحب کتاب نے ائمہ کے اختلاف کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مفتی بہ اقوال کی تعیین کا بھی اہتمام کیا ہے، مثلا: ''باب مفاسد الجد ''میں بیان کیا ہے کہ: دادا کے ہوتے ہوئے حقیقی بھائی بہن اور علاتی بہن وارث ہوں گے یا نہیں؟ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وارث نہیں ہوں گے، اور اسی پر فتوی ہے، لیکن حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: علاتی وحقیقی بھائی بہن دادا کے ہوتے ہوئے بھی وارث ہوتے ہیں۔ (سراجی ص ۴۸، مطبوعہ: فیصل، دیوبند)

مسائل کا استیعاب

مصنف رحمہ اللہ نے فرائض کے احکام کو استیعاب کرنے میں کسی قسم کا کسر نہیں چھوڑا،

حتی کہ یہ بھی بیان کر دیا کہ حمل میں رہنے والے بچہ کے لئے ترکہ میں سے کتنا حصہ چھوڑا جائے گا۔ نیز خنثی کے احکام بھی بیان کئے کہ اس کے لئے کون سا حصہ مقرر ہوگا یعنی مذکر کا یا مؤنث کا۔ (سراجی ص ۱۶، مطبوعہ: فیصل، دیوبند)

حساب کی طرف توجہ

علم الفرائض ضرب وحساب سے متعلق ہے، اس لئے مصنف رحمہ اللہ حساب میں بھی کافی مہارت رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اپنی اس تصنیف میں حساب پر بھی خصوصی توجہ دی ہے اور ایک ایک حساب کے کئی طریقے بیان کئے ہیں، مثلا: مصنف نے ایک فریق کے ہر فرد کے حصہ کو متعین کرنے کے لئے حساب کے چند طریقے بیان کئے، ایک یہ کہ: اصل مسئلہ میں سے ہر فریق کے سہام کو انہی کے عدد رؤوس پر تقسیم کیا جائے، پھر جو خارج قسمت ہو اسی کو اصل مسئلہ کے مضروب میں ضرب دیا جائے تو جو حاصل ضرب ہوگا، وہ اس فریق کے ہر فرد کا حصہ ہوگا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ: مضروب کو کسی بھی فریق پر تقسیم کیا جائے، پھر خارج کو اس فریق کے حصہ میں ضرب دیا جائے، اب جو حاصل ضرب ہوگا وہ اس فریق کے ہر فرد کا حصہ ہوگا، چنانچہ فرماتے ہیں:

''واذا اردت ان تعرف نصیب کل واحد من اٰحاد ذلک الفریق فاقسم ما کان لکل فریق من اصل المسألة علی عدد رؤوسھم، ثم اضرب الخارج فی المضروب فالحاصل نصیب کل واحد من اٰحاد ذلک الفریق، وو جه اخر وھو ان تقسم المضروب علی ای فریق شئت ثم اضرب الخارج فی نصیب الفریق الذی قسمت علیھم المضروب فالحاصل نصیب کل واحد من اٰحاد ذلک الفریق''۔

(سراجی ص ۸۰، مطبوعہ: فیصل، دیوبند)

ان کے علاوہ اور بھی کئی طریقے مصنف نے بیان کئے ہیں، جن سے حساب میں ان کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فقہاء کے درمیان مقبولیت

مصنف کی اس تصنیف کی مقبولیت ان کے معاصرین اور بعد کے فقہاء کے مابین غیر معمولی رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے یہ داخل درس ہے، اور ہر دور کے علماء وفقہاء اس سے مستفید ہورہے ہیں۔

فرائض میں ''سراجی'' کے اہم ترین کتاب ہونے کی بنا پر کئی علماء نے اس کی متعدد شرحیں لکھی ہیں جن میں زیادہ مشہور ''شریفیہ'' ہے۔

نوٹ:...... ''شریفیہ'' سید میر شریف جرجانی (ولادت: ۷۴۰ھ۔ وفات: ۸۱۶ھ ۱۴۱۳ء) کی تصنیف ہے۔ ''شریفیہ'' کے نام سے میر صاحب کی کئی کتابیں ہیں: ایک تو یہی سراجی کی شرح، ایک فن مناظرہ میں ہے، ایک کافیہ کا حاشیہ ہے۔ (ظفر المحصلین ص۲۹۳)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت جامع، مختصر، غیر ضروری بحث سے پاک اور حسن ترتیب میں اپنی مثال آپ ہے، اس سے اہل علم مستغنی نہیں ہوسکتے۔

(فقہ حنفی کی عربی کتابوں کا تعارف ص۱۷۲)

مقدمہ علم صرف

علم صرف کی لغوی و اصطلاحی تعریف، علم صرف کا موضوع، علم صرف کی غرض و غایت، علم صرف کی تدوین، صرف کی عمدہ اور مشہور کتابیں، علم صرف کی اہمیت وغیرہ امور پر مفید باتیں اس مختصر رسالہ میں جمع کی گئی ہیں۔ طلبہ کے لئے بہترین تحفہ ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوٹ:...... یہ مختصر رسالہ علم صرف کا ایک مقدمہ ہے، اس لئے رسالہ کے شروع میں ’مقدمہ‘‘ کی تحقیق بھی مناسب سمجھی گئی۔

لفظ’’مقدمہ‘‘ کی تحقیق اور چند مفید بحثیں

مقدمہ:...... سے مراد وہ تمہیدی کلمات ہیں جو کسی کتاب کے آغاز میں کتاب کے مباحث مقصودہ سے متعلق بیان کئے جائیں۔

لفظ’’مقدمہ‘‘ میں چند بحثیں ہیں:

(۱):...... پہلی بحث اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہے: اصطلاح میں’’مقدمہ‘‘ کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر آئندہ آنے والے مقاصد موقوف ہوں۔ بلفظ دیگر جو چیزیں مقاصد سے پہلے بیان کی جائیں ان کو’’مقدمہ‘‘ کہتے ہیں۔

(۲):...... دوسری بحث صرفی ہے:’’مقدَّمة‘‘ (باب تفعیل‘ تقدیم) سے مشتق ہے، لیکن آیا ’’مقدّمة‘‘ بفتح الدال اسم مفعول کا صیغہ ہے یا بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے؟

تو صاحب کشاف علامہ زمخشری نے’’الفائق‘‘ اور صاحب مفتاح العلوم علامہ سکاکی نے’’الاساس‘‘ میں تصریح کی ہے کہ:’’مقدّمة‘‘ بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے، یعنی آگے کرنے والا۔

اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کس کو آگے کرنے والا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مقدمہ بھی اپنے پڑھنے اور سمجھنے والے طالب علم کو اس شخص پر مقدم اور آگے کرتا ہے جو اس کو پڑھے اور سمجھے بغیر علم حاصل کرنا شروع کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: یہاں پر باب’’تفعیل‘‘ معنی میں باب’’تفعل‘‘ کے ہے۔ بلفظ

دیگر لازم ہے متعدی نہیں ہے، تو ''مقدّمة'' بمعنی ''متقدّمة'' ہے، یعنی آگے ہونے والا، اور چونکہ وہ مقصود سے آگے ہوتا ہے، اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ''مقدّمة'' بفتح الدال باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور یہی مشہور ہے، یعنی آگے کیا ہوا، اور چونکہ اس کو مقاصد سے آگے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

(۳):...... تیسری بحث ''مقدّمة'' کا ماٗخذ کیا ہے؟: مقدمہ ماخوذ ہے'' مقدمة الجیش '' سے یعنی لشکر کا وہ دستہ جو لشکر سے آگے بھیج دیا جاتا ہے، جس کو اردو میں ''ہراول دستہ'' اور ''ہراول فوج'' کہتے ہیں۔

لشکر کا یہ حصہ آنے والے لشکر کے لئے معقول جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، تا کہ آنے والے لشکر کو سہولت رہے، اور کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو اسی سے کتابوں کے شروع میں مقدمہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس لئے کہ مقدمہ میں بھی ایسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ آگے آنے والے مضامین کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴):...... چوتھی بحث اقسام کے متعلق ہے: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں:

(اول):...... مقدمة العلم: ان امور کو کہتے ہیں جن پر اس علم کا شروع کرنا موقوف ہو، مثلا اس فن کی تعریف، اس کا موضوع اور اس کی غرض وغایت وغیرہ۔

(دوم): ''مقدمة الکتاب '' کلام کا وہ طائفہ اور ٹکڑا جس کو مقصود سے پہلے بیان کیا جاوے، مقصود کو اس کے ساتھ ربط ہونے کی وجہ سے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: ''مقدمة العلم ''اور''مقدمة الکتاب '' دونوں متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہیں، یعنی موقوف علیہ کو مفہوم اور ادراک کے اعتبار سے ''مقدمة العلم ''

کہتے ہیں اور الفاظ ونقوش کے اعتبار سے ''مقدمة الکتاب'' کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کی دونوں قسموں کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے ''مقدمة الکتاب'' عام ہے اور ''مقدمة العلم'' خاص ہے، اس لئے کہ کتاب کے شروع میں جو مکتوب ہے جس سے مقصود کی طرف رغبت بڑھتی ہے' اپنی صورت اصلیہ کے اعتبار سے ''مقدمة الکتاب'' ہے اور یہی صورت دال علی المعانی (جن پر فن کا شروع کرنا موقوف ہے) کے اعتبار سے ''مقدمة العلم'' ہے۔

علامہ دسوقی فرماتے ہیں کہ: ''مقدمة العلم'' اور ''مقدمة الکتاب'' کے درمیان تباین کی نسبت ہے، اس لئے کہ ''مقدمة العلم'' نام ہے معانی کا اور ''مقدمة الکتاب'' نام ہے الفاظ کا، اور ظاہر بات ہے کہ الفاظ اور معانی کے درمیان تباین ہے۔

(۵):...... پانچویں بحث ''مقدمة'' کی تاء کے متعلق ہے: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تاء تانیث ہے، اور مقدمہ اصل میں صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، یعنی ''الامور المقدمة''۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: مقدمة کی تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے، یعنی مقدمہ اصل میں تو وصف ہے، لیکن وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو کر لشکر کی اس جماعت کا نام ہو گیا جو لشکر سے آگے جاتی ہے، تو یہ تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہونے لگا، جیسے:

''مقدمة العلم' مقدمة الکتاب' مقدمة الدلیل' مقدمة العلم' اور ''مقدمة القیاس''۔ (راہ نحو شرح اردو ہدایۃ النحو' ص ۵۹)

علم صرف کے لغوی واصطلاحی تعریف

صرف کے لغوی معنی:......صرف لغت میں پھیرنے' ہٹانے' دفع کرنے اور واپس کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔جیسے ﴿صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ﴾۔(سورۂ توبہ،آیت نمبر:۱۲۷)

ترجمہ:......اللہ نے ان کے قلوب کو حق سے پھیر دیا،(یعنی وہ گمراہ ہوگئے)۔

''الصرف'' کو''التصریف'' بھی کہتے ہیں،اور دونوں کے معنی متغیر کرنے اور پھیرنے کے ہیں۔

صرف کے اصطلاحی معنی:......صرف وہ علم ہے جس میں کلمات مفردہ موضوعہ عربیہ کی مختلف صور وہیأت نوعیہ اور بناوٹ سے بحث ہے۔بالفاظ دیگر صرف وہ علم ہے جس سے کلموں کی ساخت اور ادل بدل کے قواعد معلوم ہوں۔صاحب کشف الظنون نے اس کی تعریف یوں کی ہے:''ھو علم یبحث فیه عن الاعراض الذاتية لمفردات[۱] کلام العرب من حیث صورھا و ھیئاتھا کالاعلال والادغام''۔

(کشف الظنون ص۲۸۸ ج۱۔مفتاح السعادۃ ص۱۱۲ ج۱ (طبع دکن)

یعنی علم صرف وہ علم ہے: جس میں عربی کلمات مفردہ کے عوارض ذاتیہ سے بحیثیت

---

[۱]......لمفردات: یعنی ایسے کلمات جو ترکیب میں واقع نہ ہوئے ہوں، یا اگر ترکیب میں واقع ہوئے بھی ہوں تو ان کی ترکیب ملحوظ نہ ہو۔اس تفسیر کے مطابق لفظ''مفرد'' کے ذریعہ علم نحو سے احتراز ہوگیا، کیونکہ نحو میں مرکبات کے عوارض ذاتیہ سے اور ایسے مفردات کے عوارض ذاتیہ سے بحث ہوتی ہے جن کا دوسرے کلمات کے ساتھ مرکب ہونا ملحوظ ہو۔

تعریف کا حاصل یہ ہے کہ علم صرف ایسا علم ہے: جس میں عربی کلمات مفردہ کے ان عوارض ذاتیہ سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق کلمات کی صورت سے ہے نہ کہ جوہر یا معنیٔ وضعی سے۔مثلاً''قال'' کی اصل صورت''قول''تھی، قاعدہ کے مطابق تعلیل ہوکر''قال''ہوگئی، وغیرہ۔اسی طرح ادغام' تخفیف' ابدال اور قلب مکانی اور کلمات کے اوزان وغیرہ کی بحثیں ہیں۔

صورت وہیئت بحث کی جاتی ہے، جیسے کہ: اعلال وادغام وغیرہ۔۲

علم صرف کا موضوع

علم صرف کا موضوع:......کلمات ثلثہ ہیں: یعنی اسم وفعل اورحرف۔

''المفرداتُ المخصوصةُ من الحيثية المذكورة''۔

یعنی علم صرف کا موضوع: مفردات کلام عرب من حیث الصورۃ ہیں۔

فائدہ:......کلام عرب میں صیغے کی غلطی سے بچنا۔

علم کی غرض وغایت

علم صرف کی غرض وغایت:......الفاظ وکلمات کے صحیح تلفظ کو معلوم کرنا، اورکلموں کی ساخت اورتغیر وتبدل کے قواعد کو پہچاننا۔۳

۲......علم اشتقاق کے قواعد کی قلت کے باعث مصنفین دونوں علموں کو ملا کر ایک ہی کتاب میں بیان کرتے ہیں، جیسا کہ صاحب علم الصیغہ نے کیا، حتی کہ بعض کو تو وہم ہوگیا کہ یہ ایک ہی فن کے دونام ہیں اورشاید اسی توہم کی بنا پر بعض مصنفین نے ''علم الصرف'' کی تعریف وہ کی ہے جو علم الاشتقاق کی تعریف ہے، کمافعلہ الزنجانی''۔

علم اشتقاق کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ: علم اشتقاق وہ علم ہے جس میں ایک اصل لفظ سے ایسی فروع (صیغے) بنانے کا طریقہ معلوم ہو جو مادہ کے اعتبار سے متماثل اورصورت ومعنی کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

۳......غرضه : تحصيلُ ملكةٍ يُعرَفُ بها ما ذكر من الاحوال۔ یعنی اس فن سے غرض یہ ہے کہ ایسا ملکہ حاصل کرلیا جائے جس کے ذریعہ مفردات کے احوال مذکورہ یعنی ان کے عوارض ذاتیہ من حیث الصورۃ پہنچانے جاسکیں۔

غايته : الاحتراز عن الخطاء من تلك الجهات۔ یعنی اس فن کی غایت یہ ہے کہ معرفت مذکورہ میں خطا اورغلطی سے اجتناب ہوجائے۔

علم صرف کی تدوین

ابوالاسود دئلی کے شاگرد معاذ بن مسلم الفراء (متوفی: ۱۸۷ھ) نے اس علم کو وضع کیا۔ پھران کے شاگرد امام ابوالحسن علی کسائی (متوفی: ۱۸۹ھ) نے اس کو ترقی دی۔اس کے بعد کسائی کے شاگرد ابوزکریا یحی بن زیاد الفراء دیلمی (متوفی: ۲۰۷ھ) نے علم صرف کو با ضابطہ مدون کیا، ورنہ اس سے پہلے یہ علم نحو کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی۔

فن صرف کا مدون اول

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

قول مشہور یہ ہے کہ فن صرف کے مدون اول ابوعثمان بکر المازنی رحمہ اللہ (متوفی: ۲۴۸ھ) ہیں، اوران سے پہلے یہ الگ فن کی حیثیت سے مدون نہیں تھا، بلکہ نحو ہی میں اس کے مسائل بھی ذکر کردیئے جاتے تھے۔[۴]

[۴]......المازنی : امام العربیة ابو عثمان بکر بن محمد بن عدی البصری ، صاحب التصریف والتصانیف ، أخذ عن ابی عبیدة والاصمعی۔(سیر اعلام النبلاء ص۲۷۰ ج۱۲)

''لسان المیزان'' میں اس کے بارے میں ''کان شیعیا امامیا'' لکھا ہے۔

مازنی کہتے ہیں کہ: میرے پاس ایک آدمی نے سیبویہ کی کتاب پڑھی، جب کتاب ختم ہوئی تو اس نے کہا:'' أما انا فما فهمتُ حرفا ، وأما انت فجزاک الله خيرا ''۔

بعض حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ علم صرف کا مدون اول معاذ بن مسلم الہراء ہے۔''سیر اعلام النبلاء'' میں اسے شیخ النحو کہا ہے،اس کے حالات میں صاحب سیر اعلام النبلاء لکھتے ہیں:

''ابو مسلم الکوفی النحوی الهراء ، مولی محمد بن کعب القرطبی ، روی عن عطاء بن السائب و غیره ، وما هو بمعتمد فی الحدیث ، وقد نقلت عنه حروف فی القراء ات ، أخذ عنه الکسائی ، ویقال : انه صنّف فی العربیة ، ولم یظهر ذلک ، وکان شیعیا معمرا ، مات اولاده و احفاده وهو باق ، و کان یصغر نفسه ، قال عثمان بن ابی شیبة : رأیته یشد اسنانه بالذهب''۔

ابو عثمان المازنی علوم عربیہ کے ائمہ میں سے ہیں، اخفش کے شاگرد ہیں، مگر علوم میں پختگی کا یہ عالم تھا کہ استاد سے مناظرہ کیا کرتے تھے حتی کہ کئی مسائل میں استاد کو لاجواب کردیا۔ ان کے بارے میں مبرد کا قول ہے کہ سیبویہ کے بعد ابو عثمان سے زیادہ نحو کا کوئی بڑا عالم نہیں، ان کی مندرجہ ذیل تصانیف مشہور ہیں:

(۱)...... کتاب القرآن۔

(۲)......علل النحو۔

(۳)......تفاسیر کتاب سیبویہ۔

(۴)......ما یلحن فیه العامة۔

(۵)......التصریف۔

(۶)......الالف و اللام۔

(۷)......العروض۔

(۸)......القوافی۔

(۹)......الدیباج فی کتاب سیبویه۔

یہ تو قول مشہور تھا جو ''کشف الظنون'' اور ''مفتاح السعادة'' میں ذکر کیا گیا ہے۔ [۵] لیکن ناچیز کی تحقیق یہ ہے کہ فن صرف کے مدون اول ابو عثمان المازنی رحمہ اللہ نہیں، بلکہ ان سے ایک صدی قبل امام اعظم ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت رحمہ اللہ (متوفی: ۱۵۰ھ) ہیں، جو فقہ کے مدون اول ہونے کے علاوہ فن صرف میں بھی ایک مستقل رسالہ تصنیف فرما چکے تھے۔ رسالہ کا نام '' المقصود '' ہے، جو مصر کے مشہور مکتبہ و مطبعہ 'مصطفی البابی الحلبی'

---

[۵]...... دیکھئے! ص ۱۱۳ تا ۱۱۴ ج ۱ (مطبوعہ نظامیہ دکن)۔

سے :۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں طبع ہوا ہے۔احقر کو یہ رسالہ مکہ مکرمہ میں ایک کتب فروش سے ۱۳۸۴ھ میں ملا تھا۔نہایت جامع ، مختصر مگر واضح اور منضبط متن ہے، اس پر تین شرحیں بھی ساتھ ہی چھپی ہوئی ہیں ، جو درج ذیل ہیں :

(۱)...... المطلوب:اس کے مؤلف کا نام مذکور نہیں۔معجمات کے مصنفین بھی شارح کے نام سے لاعلمی ظاہر کرتے رہے ہیں، لیکن شارح نے اپنے دیباچہ میں جو حال ذکر کیا ہے اس سے اس بات کا ظن غالب ہوتا ہے کہ یہ شرح:۹۵۲ھ سے کافی پہلے لکھی گئی ہے، بلکہ انداز بیان سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس شرح کے مؤلف امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد یا ان سے قریبی تعلق رکھنے والے ہیں۔

(۲)......امعان الانظار : لزين الدين محمد بن بير علي محي الدين المعروف ببير كلي۔

انہوں نے یہ شرح:۹۵۲ھ میں مکمل کی ،جیسا کہ انہوں نے شرح کے آخر میں خود ہی تحریر کیا ہے،ساتھ ہی یہ بات جزم سے کہی ہے کہ ’’ المقصود ‘‘ کے مصنف امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔

(۳)......روح الشروح : للستاذ عيسى السيروى۔

’’ المقصود ‘‘اور یہ تینوں شرحیں جناب احمد سعید علی استاذ جامعہ از ہر کی تصحیح کے بعد شائع ہوئی ہیں۔

بعد میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس تصنیف کا ذکر’’معجم المطبوعات العربية ‘‘ میں بھی مل گیا۔معجم مذکور میں اس کا ذکر تین جگہ ہے،اور تینوں جگہ اس کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔البتہ ایک جگہ ’’کشف الظنون‘‘ کے حوالہ سے اس

کتاب (المقصود) کے مؤلف کے بارے میں اختلاف نقل کیا ہے کہ: بعض نے کہا ہے کہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی اور ہیں۔

''معجم المطبوعات العربية '' سے ہی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ'' المقصود ''اپنی شرح'' المطلوب '' کے ساتھ ۱۲۹۳ھ و ۱۳۱۰ھ و ۱۳۲۴ھ میں بھی مختلف مطابع سے شائع ہو چکی ہے۔

بہر حال اگر اس تالیف کی نسبت امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف صحیح ہے جیسا کہ ظن غالب ہے تو کتاب'' المقصود ''اس بات کا شاہد عدل ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی فن صرف کے مدون اول ہیں، واللہ اعلم۔

صرف کی عمدہ اور مشہور کتابیں

(۱)......ابو عثمان بکر بن محمد بن بقیہ (ابن عدی) ابن حبیب (متوفی: ۲۴۸ھ) کی ''تصریف مازنی''۔

(۲)......ابو الفتح عثمان بن جنی نحوی (متوفی: ۳۹۲ھ) کی ''تصریف ملوکی''۔

(۳)......ابو الفضل احمد بن محمد میدانی (متوفی: ۵۱۸ھ) کی'' نزهة الطرف فی علم الصرف ''۔

(۴)......علامہ ابن حاجب (متوفی: ٦٤٦ھ) کی ''شافیہ''۔

(۵)......ابن مالک محمد بن عبد اللہ نحوی (متوفی: ٦٧٣ھ) کی ''لامية الافعال ''۔

(٦)......شیخ ابو الذبیح اسماعیل بن محمد حضرمی یمنی (متوفی: ٦٧٦ھ) کی 'اساس التصریف'

(۷)......شمس الدہن محمد بن حمزہ فنازی (متوفی ۸۳۴ھ) کی ''اساس التصریف ''۔

(۸)......شیخ علاء الدین علی بن محمد معروف بقوشجی (متوفی ۸۷۹ھ) کی ''عنقود الزواهر

فی نظم الجواھر ''اس فن کی عمدہ اور مشہور کتابیں ہیں۔

صرف کی داخل درس کتابیں

درس نظامی میں اس فن کی حسب ذیل کتابیں داخل ہیں:

(۱)......میزان الصرف۔

(۲)......منشعب۔

(۳)......صرف میر۔

(۴)......پنج گنج۔

(۵)......مراح الارواح۔

(۶)......فصول اکبری۔

(۷)......علم الصیغہ۔[۶]

علم صرف کی اہمیت

علوم عربیہ میں علم صرف ونحو کا جو مقام ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تفہیم کے لئے علم صرف وعلم نحو از حد ضروری ہے۔اسی لئے ہمارے مدارس

[۶]......حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

متأخرین کی تصانیف میں علم صرف میں دو کتابیں بے نظیر ہیں: (۱): صرف میر، (۲) علم الصیغہ۔ ''صرف میر'' کا فخر خراسان کے ایک محقق ذکی میر سید شریف جرجانی کو حاصل ہے۔اور ''علم الصیغہ'' متحدہ ہندوستان کے ایک مرد مجاہد جو قاموس فیروز آبادی کے حافظ تھے۔اس کا سہرا ان کے سر باندھا گیا ہے۔''علم الصیغہ'' میں قوانین صرفی کا جس خوبی و جامعیت سے استقصاء کیا گیا ہے، اس کی نظیر نہیں ہے۔''قوانین زرّادی'' ''دستور المبتدی' تصریف زنجانی' وشافیہ ابن حاجب وغیرہ فارسی' عربی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

دینیہ کے نصاب میں ابتدا ہی سے ان دونوں علوم پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی، اوران دونوں فنون کی اہم کتابیں بہت اہتمام سے پڑھائی جاتی تھیں۔

ان دونوں علوم میں علم صرف' علم نحو سے قدرے مشکل اور اہم ہے، اس لئے کہ علم صرف' کلمے کا تعارف کراتا ہے، جس کے ذریعہ الفاظ کا صحیح تلفظ ادا کرنا آسان ہوجاتا ہے، اگر علم صرف میں کمزوری ہواور پختگی نہ ہوتو بڑی سنگین غلطیاں ہوتی ہیں۔علم صرف سے مادہ اور صیغوں کا تعارف ہوتا ہے۔ اسی علم سے حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کی شناخت ہوتی ہے، تعلیل وادغام کے قواعد سیکھے جاتے ہیں۔ ابواب کی خاصیت معلوم ہوتی ہے، عربی کا مشہور مقولہ ہے: ع

''الصرف امّ العلوم ، والنحو ابوھا ''

یعنی صرف علوم کی ماں ہے اور نحو باپ۔

اور یہ حقیقت ہے کہ بچہ تربیت میں ماں کا زیادہ محتاج ہوتا ہے، عامۃً ماں کے بغیر مکمل تربیت دشوار ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے مؤقر عربی ادب کے استاذ اور ''الداعی'' کے مدیر حضرت مولانا نورعالم صاحب مدظلہم اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

طلبہ کی بڑی تعداد افعال ومصادر اور مشتقات کی متعدد الاوزان شکلوں پر اپنی گرفت اتنی مظبوط نہیں کرپاتی جتنی وہ ''نحو'' پر کرلینے میں کسی نہ کسی درجہ میں کامیاب رہتی ہے۔ راقم السطور کو تدریسی زندگی میں تجربہ ہوا کہ ایک مناسب (استعداد والا) طالب علم اسماء کے اواخر کی حرکات کو نحو کے حوالے سے صحیح پڑھ جاتا ہے، لیکن صرفی حوالے سے افعال و مشتقات کے حرکات وسکنات کی تعیین میں بسا اوقات غلطی کرجاتا ہے، اور ضعیف الاستعداد

یا فاقد الاستعداد طلبہ کا ذکر ہی کیا؟۔

(علم صرف کا تعارف۔ تزیین الظرف بازھار قوانین الصرف ص۵)

اس وقت کے دور تنزلی میں ہماری استعداد میں کمی کی وجوہات میں ایک خاص وجہ یہ بھی ہے صرف ونحو کی تعلیم پر کما حقہ توجہ نہیں ہو رہی ہے۔ اگر شروع ہی سے ان علوم پر محنت کرائی جائے اور طلبہ کا نحو صرف پختہ ہو تو ان کی علمی لیاقت اور صلاحیت میں چار چاند لگ سکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

فہم القرآن کے لئے علوم عربیت کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت ہے۔ ان علوم میں مہارت کے بغیر فہم القرآن کا دعوی مضحکہ خیز ہے۔ ان علوم عربیت میں ''علم الصرف'' بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

عربی زبان کی دوسری حیثیت کہ وہ قرآن کی زبان ہے اور قرآن فہمی اس کے بغیر ممکن نہیں، اس کے لئے صرف چند لغات ومحاورات یاد کر لینا اور موجودہ عربوں سے تخاطب سیکھ لینا قطعا کافی نہیں، اس کے لئے قدیم عربی زبان میں پوری مہارت حاصل ہونا شرط لازم ہے، اس کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے۔

اور یہ مہارت موجودہ زمانے میں اس پر موقوف ہے کہ علم اشتقاق، علم صرف، علم نحو، معانی، بیان، بدیع وغیرہ فنون میں مہارت پیدا کی جائے۔ ان فنون میں مہارت کے بغیر قرآن فہمی کا دعوی خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

علم صرف کا فقہ سے تعلق اور ایک دلچسپ مسئلہ

علم صرف کا تعلق صرف الفاظ اور تعلیل سے ہی نہیں، بعض مرتبہ علم صرف کے معمولی قواعد اوران کے معمولی اختلاف سے مسائل میں کس قدر فرق پڑ جاتا ہے اس کی ایک دل چسپ مثال کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں۔

''مَقُوْلٌ'' دراصل ''مَقْوُوْلٌ'' تھا، بقاعدہ ؎ حرکتِ واوٗ ماقبل کو دے کر واوٗ کو التقائے ساکنین کے باعث حذف کردیا۔

فائدہ:......اس میں اختلاف ہے کہ ایسے مواقع میں واوٗ اول حذف ہوتا ہے یا واوٗ دوم؟ بعض کہتے ہیں کہ: دوسرا (حذف ہوتا ہے) کیونکہ زائد ہے، اور زائد حذف کا زیادہ مستحق ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اول، کیونکہ دوسرا علامت ہے، اور علامت حذف نہیں ہوا کرتی۔

اکثر علماء صرف نے حذف دوم کو ترجیح دی ہے، مگر بعض کے نزدیک حذف اول راجح ہے، کیونکہ عموماً دستور یہی ہے کہ ایسے ساکنین میں پہلا حذف ہوا کرتا ہے، خواہ وہ زائد ہو یا اصلی، لہذا اس کو اپنے نظائر سے جدا نہیں کرنا چاہئے۔

نکتہ:......ایسے مواقع میں ثمرۂ اختلاف بظاہر کچھ معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ بہر کیف ''مَقُوْلٌ'' ہوجاتا ہے خواہ اول حذف ہو یا دوم۔ مولوی عصمت اللہ سہارنپوری رحمہ اللہ نے ''شرح خلاصۃ الحساب'' میں لفظ رحمٰن کے منصرف یا غیر منصرف ہونے کے بیان میں بڑی اچھی بات لکھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایسے اختلافات کا نتیجہ مسائل فقہیہ میں نکل آتا ہے، مثلاً کسی شخص نے قسم کھائی کہ آج واوٗ زائد کا تکلم نہیں کروں گا اور ''مَقُوْلٌ'' کا تکلم کرلیا تو جو حذف

؎......واو اور یا کے ماقبل ساکن ہو تو ان کی حرکت ماقبل کو دیدیتے ہیں۔

(علم الصیغہ، اردو ص۶۰، قاعدہ:۸)

اول کا قائل ہے اس کے مذہب پر حانث ہو جائے گا، اور جو حذف دوم کا قائل ہے اس کے مذہب پر حانث نہیں ہوگا۔

یا مثلاً بیوی سے کہا کہ: اگر تو نے واؤ زائد کا تکلم کیا تو تجھے طلاق ہے، بیوی نے لفظ ''مَقُوْلٌ'' منہ سے نکال دیا تو حذف اول کے مذہب پر طلاق واقع ہو جائے گی اور مذہب دوم پر نہ ہوگی۔

....

مأخذ و مراجع

(۱)......علم الصیغہ اردو۔از: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم۔

(۲)......قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون۔از: حضرت مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی رحمہ اللہ۔

(۳)......تزیین الظرف بازھار قوانین الصرف ۔از: حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہم۔

مقدمہ علم عقائد

بغیر تصحیح عقائد کے ایمان کی حفاظت مشکل ترین امر ہے،عقائد پر چند مفید کتابیں، مدارس میں موجودہ دور کے گمراہ فرقوں کے عقائد اوران کے رد کی کتابیں پڑھانی چاہئے، کلام و عقائد کی لغوی واصطلاحی تعریف، کلام وعقائد کی وجہ تسمیہ، کلام وعقائد کا موضوع، کلام و عقائد کی غرض وغایت، تدوین علم کلام، علم کلام اوراس کی ضرورت، کتب کلام وعقائد کی اہمیت وغیرہ امور پر مفید باتیں اس مختصر رسالہ میں جمع کی گئی ہیں۔طلبہ کے لئے بہترین تحفہ ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نوٹ:...... یہ مختصر رسالہ علم عقائد کا ایک مقدمہ ہے، اس لئے رسالہ کے شروع میں "مقدمہ" کی تحقیق بھی مناسب سمجھی گئی۔

لفظ ''مقدمہ'' کی تحقیق اور چند مفید بحثیں

مقدمہ:...... سے مراد وہ تمہیدی کلمات ہیں جو کسی کتاب کے آغاز میں کتاب کے مباحث مقصودہ سے متعلق بیان کئے جائیں۔

لفظ ''مقدمہ'' میں چند بحثیں ہیں:

(۱):...... پہلی بحث اصطلاحی معنی کے اعتبار سے ہے: اصطلاح میں ''مقدمہ'' کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس پر آئندہ آنے والے مقاصد موقوف ہوں۔ بلفظ دیگر جو چیزیں مقاصد سے پہلے بیان کی جائیں ان کو ''مقدمہ'' کہتے ہیں۔

(۲):...... دوسری بحث صرفی ہے: ''مقدَّمة'' (باب تفعیل، تقدیم) سے مشتق ہے، لیکن آیا ''مقدّمة'' بفتح الدال اسم مفعول کا صیغہ ہے یا بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے؟

تو صاحب کشاف علامہ زمخشری نے ''الفائق'' اور صاحب مفتاح العلوم علامہ سکاکی نے ''الاساس'' میں تصریح کی ہے کہ: ''مقدّمة'' بکسر الدال اسم فاعل کا صیغہ ہے، یعنی آگے کرنے والا۔

اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ کس کو آگے کرنے والا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مقدمہ بھی اپنے پڑھنے اور سمجھنے والے طالب علم کو اس شخص پر مقدم اور آگے کرتا ہے جو اس کو پڑھے اور سمجھے بغیر علم حاصل کرنا شروع کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: یہاں پر باب ''تفعیل'' معنی میں باب ''تفعل'' کے ہے۔ بلفظ

دیگر لازم ہے متعدی نہیں ہے، تو ''مقدّمة'' بمعنیٰ ''متقدّمة'' ہے، یعنی آگے ہونے والا، اور چونکہ وہ مقصود سے آگے ہوتا ہے، اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ ''مقدّمة'' بفتح الدال باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور یہی مشہور ہے، یعنی آگے کیا ہوا، اور چونکہ اس کو مقاصد سے آگے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو ''مقدّمة'' کہتے ہیں۔

(۳):...... تیسری بحث ''مقدّمة'' کا ماٴخذ کیا ہے؟: مقدمہ ماخوذ ہے'' مقدمة الجیش '' سے یعنی لشکر کا وہ دستہ جو لشکر سے آگے بھیج دیا جاتا ہے، جس کو اردو میں ''ہراول دستہ'' اور ''ہراول فوج'' کہتے ہیں۔

لشکر کا یہ حصہ آنے والے لشکر کے لئے معقول جگہ اور پانی وغیرہ کا انتظام کرتا ہے، تاکہ آنے والے لشکر کو سہولت رہے، اور کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو اسی سے کتابوں کے شروع میں مقدمہ کو اخذ کیا گیا ہے، اس لئے کہ مقدمہ میں بھی ایسی چیزیں بیان کی جاتی ہیں، جن کے ذریعہ آگے آنے والے مضامین کے سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴):...... چوتھی بحث اقسام کے متعلق ہے: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں:

(اول):...... مقدمة العلم: ان امور کو کہتے ہیں جن پر اس علم کا شروع کرنا موقوف ہو، مثلاً اس فن کی تعریف، اس کا موضوع اور اس کی غرض وغایت وغیرہ۔

(دوم): ''مقدمة الکتاب '' کلام کا وہ طائفہ اور ٹکڑا جس کو مقصود سے پہلے بیان کیا جاوے، مقصود کو اس کے ساتھ ربط ہونے کی وجہ سے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: ''مقدمة العلم ''اور'' مقدمة الکتاب '' دونوں متحد بالذات اور متغایر بالاعتبار ہیں، یعنی موقوف علیہ کو مفہوم اور ادراک کے اعتبار سے ''مقدمة العلم ''

کہتے ہیں اور الفاظ ونقوش کے اعتبار سے ’’مقدمة الکتاب‘‘ کہتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کی دونوں قسموں کے درمیان عام خاص مطلق کی نسبت ہے ’’مقدمة الکتاب‘‘ عام ہے اور ’’مقدمة العلم‘‘ خاص ہے، اس لئے کہ کتاب کے شروع میں جو مکتوب ہے جس سے مقصود کی طرف رغبت بڑھتی ہے' اپنی صورت اصلیہ کے اعتبار سے ’’مقدمة الکتاب‘‘ ہے اور یہی صورت دال علی المعانی (جن پر فن کا شروع کرنا موقوف ہے) کے اعتبار سے ’’مقدمة العلم‘‘ ہے۔

علامہ دسوقی فرماتے ہیں کہ: ’’مقدمة العلم‘‘ اور ’’مقدمة الکتاب‘‘ کے درمیان تباین کی نسبت ہے، اس لئے کہ ’’مقدمة العلم‘‘ نام ہے معانی کا اور ’’مقدمة الکتاب‘‘ نام ہے الفاظ کا، اور ظاہر بات ہے کہ الفاظ اور معانی کے درمیان تباین ہے۔

(۵):...... پانچویں بحث ’’مقدمة‘‘ کی تاء کے متعلق ہے: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تاء تانیث ہے، اور مقدمہ اصل میں صفت ہے جس کا موصوف محذوف ہے، یعنی ’’الامور المقدمة‘‘۔

اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ: مقدمة کی تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے، یعنی مقدمہ اصل میں تو وصف ہے، لیکن وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو کر لشکر کی اس جماعت کا نام ہو گیا جو لشکر سے آگے جاتی ہے، تو یہ تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہونے لگا، جیسے:

’’مقدمة العلم ' مقدمة الکتاب ' مقدمة الدلیل ' مقدمة العلم ' اور ’’مقدمة القیاس‘‘۔ (راہ نحو شرح اردو ہدایۃ النحو' ص ۵۹)

مقدمہ: علم الکلام یا عقائد

بغیر تصحیح عقائد کے ایمان کی حفاظت مشکل ترین امر ہے

عقائد کی تصحیح انتہائی اہم اور ضروری چیز ہے، بغیر تصحیح عقائد کے ایمان کی حفاظت مشکل ترین امر ہے۔ یہ جملہ تو مشہور ہے کہ اعمال کی کمزوری معاف ہوسکتی ہے مگر عقیدہ کی کمزوری قابل عفو نہیں، اس لئے کتنے اعمال ہیں جن کے نہ کرنے سے گناہ تو ہے مگر کفر کا حکم نہیں لگتا، اس کے برخلاف ان اعمال کے بارے میں عقیدہ صحیح نہ ہو تو اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔ عقیدہ کی غلطی سے آدمی صراط مستقیم کو چھوڑ کر ضلالت کی راہ کا مسافر بن جاتا ہے۔ راقم الحروف کے جد بزرگوار حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب رحمہ اللہ نے اس کی بڑی عمدہ مثال دی ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

عقائد میں غلطی کرنے والوں کی مثال

''عقائد کی غلطی کرنے والے لوگوں کی صحیح مثال اس مسافر کی سمجھئے! جو منزل مقصود کی شاہ راہ عام کو چھوڑ کر غلطی سے کسی دوسری راہ ہولیا۔ اور مغلوبان خواہش کی واقعی حالت ایسی سمجھئے! جو منزل مقصود اصلی اور سیدھی سڑک پر چل رہے ہیں، لیکن باد مخالف کے تیز وتند جھونکے بمشکل انہیں قدم اٹھانے دیتے ہیں''۔ (توحید الاسلام۔ تالیفات مرغوب ص ۳۴)

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھولی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

شریعت کے دو جز ہیں: ایک اعتقادی اور ایک عملی۔ اعتقاد دین کی اصل ہے، اور عمل اس کی فرع ہے، بغیر اعتقاد کے عذاب آخرت سے نجات مقصود نہیں، اور جس شخص میں اعتقاد موجود ہو مگر عمل مفقود ہو اس کے لئے نجات کی امید ہے، اس کا معاملہ حق تعالی کی

مشیت کے سپرد ہے خواہ معاف فرمائیں اور خواہ گناہوں کے موافق عذاب دیں۔ دوزخ کا دائمی عذاب اعتقاد اور ضروریات دین کے منکر کے لئے مخصوص ہے، اور عمل نہ کرنے والا اگر چہ عذاب میں داخل کیا جائے گا لیکن اعتقاد صحیح کے موجود ہونے کی بنا پر دوزخ کا دائمی عذاب اس کے حق میں مفقود ہے ۔

ان العقائد کلّھا اُسٌّ لاسلام الفتی

ان ضاع امر واحد مـن بینهن فقد غوی

عقائد:......اسلام کی بنیاد میں ایک عقیدہ بھی خراب اور فاسد ہو گیا تو اسلام کی تمام عمارت خراب ہوگئی ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

(عقائد اسلام ص ۳۷، حصہ اول)

اسی اہمیت کی وجہ سے فقہاء عظام وعلماء کرام نے ایمان وعقائد کے بیان کو بڑی تفصیل سے لکھا۔ اسلامی عقائد کیا ہیں؟ کوئی طالب اس کا مطالعہ کرنا چاہے تو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ’’بہشتی زیور‘‘ حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ’’عمدۃ الفقہ‘‘ جلد اول، ’’عین الہدایہ‘‘ کا مقدمہ وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے کہ ان میں بڑی مفید باتیں آ گئی ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا اپنی اولاد کو اصلاح عقیدہ کی وصیت کرنا

حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بیٹوں کے لئے جو فکر فرمائی قرآن کریم نے اسے وصیت سے تعبیر فرما کر اس کی اہمیت میں مزید اضافہ فرما دیا، فرمایا:

﴿ وَ وَصّٰی بِهَا اِبْرٰهِمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ

اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ﴾۔ (پارہ:۱، سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۳۲)

ترجمہ:......اور اسی بات کی (حضرت) ابراہیم (علیہ الصلوۃ والسلام) نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور (حضرت) یعقوب (علیہ الصلوۃ والسلام) نے بھی (اپنے بیٹوں کو کہ: ''اے میرے بیٹو! اللہ نے یہ دین تمہارے لئے منتخب فرمالیا ہے، لہذا تمہیں موت بھی آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو''۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام نے تو اپنے وصال کے وقت بطور خاص اولاد سے عقیدہ کا سوال فرمایا، قرآن کریم نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کس نرالے انداز میں اس کو بیان فرمایا:

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ لا اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ م بَعْدِىْ ﴾۔

(پارہ:۱، سورۂ بقرہ، آیت نمبر:۱۳۳)

ترجمہ:......کیا اس وقت تم خود موجود تھے جب (حضرت) یعقوب (علیہ الصلوۃ والسلام) کی موت کا وقت (قریب) آیا تھا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو قیمتی نصائح کئے ان میں بھی عقیدہ کو بطور خاص بیان کیا، بلکہ پہلی ہی نصیحت جو قرآن کریم نے بیان کی ہے وہ عقیدہ کے متعلق ہے، فرمایا: ﴿وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَىَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾۔ (پارہ:۲۱، سورۂ لقمن، آیت نمبر:۱۳)

ترجمہ:......اور وہ وقت یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے''۔

قرآن کے مضامین میں ایک اہم مضمون عقائد کا ہے

قرآن کریم کے مضامین پر جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ تمام مضامین چار بڑے عنوانات پر منقسم ہیں، اور قرآن کریم کی ہر آیت ان میں سے کسی ایک عنوان کے تحت ضرور آتی ہے: (۱)......عقائد، (۲)......احکام، (۳)......قصص، (۴)......امثال۔

قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین عقائد کو ثابت کیا گیا ہے: توحید، رسالت اور آخرت یہ عقائد کا ایجابی پہلو ہے۔ اسی طرح ایک سلبی پہلو ہے، وہ یہ کہ قرآن کریم نے انسانوں کے عقائد واعمال کی بہت سی گمراہیوں کو رد کیا ہے، اور ان گمراہیوں میں پڑے ہوئے لوگوں کے مختلف شبہات کا تشفی بخش جواب دیا ہے، اس مضمون کی آیتوں کو اصول تفسیر کی اصطلاح میں ''آیات مخاصمہ'' کہتے ہیں۔

نوٹ:......اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے! حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی ''علوم القرآن'' ص۲۹۳۔

عقائد پر چند مفید کتابیں

اس موضوع پر ہمارے اکابر کی چند مستقل کتابیں بھی ہیں، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی ''علم الکلام'' اور ''عقائد اسلام'' قابل قدر ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث ومفتی جامعہ حسینیہ راندیر) کا مختصر رسالہ ''معین العقائد'' طلبہ کے لئے بہت مفید ہے، باوجود اختصار کے جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں ''الفقہ الاکبر'' کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور اپنی زندگی کے آخری ایام ''کتاب الوصیۃ'' کے نام سے دوسرا رسالہ تصنیف فرمایا، ان دونوں رسائل کی شرح شارح مشکوۃ حضرت ملا علی قاری رحمہ

اللہ نے تفصیل سے لکھی اور اس میں بطور تتمہ وتکملہ مزید عقائد کا اضافہ کر کے ایک مفید تصنیف تیار کر لی ہے۔ جو ''شرح فقہ اکبر'' کے نام سے مطبوعہ ہے، اس کی اردو شروحات بھی شائع ہیں۔

العقائد النسفیہ

امت کے قابل قدر کاوشوں میں سے ایک قابل اعتماد متن 'العقائد النسفیہ'' ہے جو عمر بن محمد نجم الدین النسفی (۵۳۷ھ) کی تالیف ہے، جن کا شمار فقہ حنفی کے اساطین میں ہوتا ہے، اور جن کے قلم نے فقہ' کلام' ادب' تفسیر' تاریخ اور دیگر علوم وفنون پر تقریبا سو کتابوں کو مدون کیا ہے۔ امام نسفی رحمہ اللہ نے اپنے پیشرو علماء کرام کی محنتوں سے استفادہ کرتے ہوئے عقائد صیحہ سے متعلق ایک متن تیار کیا جسے امت کے درمیان قبول عام نصیب ہوا۔

آٹھویں صدی کے مشہور کثیر التصانیف محقق عالم مسعود بن عمر علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۳ھ) نے اس متن کی شرح لکھی، جس میں علامہ موصوف نے ماتریدیہ اور اشاعرہ کے علوم سے استفادہ کرتے ہوئے خالص فنی انداز میں علم کلام کے مسائل کو عقلی ونقلی دلائل سے مبرہن کیا۔ علامہ موصوف علم کی گیرائی و گہرائی میں اپنی نظیر آپ ہیں، تاریخ میں موصوف ہی ایک ایسے خوش نصیب مصنف ہیں جن کی مختلف علوم وفنون کی دسیوں کتابیں نصاب تعلیم کا جز بنائی گئی ہیں، اور آج تک علمی دنیا ان کے احسانات سے گراں بار ہیں۔

مدارس میں موجودہ دور کے گمراہ فرقوں کے عقائد اور ان کے رد کی کتابیں پڑھانی چاہیے

متقدمین کی ان کتابوں کی افادیت اور داخل نصاب کی ضرورت کے ساتھ اس بات کا

اظہار بھی لابدی ہے کہ آج کے دور میں طلبہ کو موجودہ زمانہ کے گمراہ عقائد فرقوں کے بارے میں چند بنیادی اور اہم موضوعات پر کچھ کتابیں تیار کر کے پڑھانی چاہئیں۔ ہمارے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک اچھی خاصی تعداد آج کے گمراہ فرقوں کے بنیادی عقائد ہی سے بے خبر ہے، جب عقائد ہی سے بے خبر ہیں تو ان کی تردید اور بیخ کنی کیا کر سکتے ہیں؟ بعض مدارس میں فرقۂ باطلہ کے نام سے ایک مستقل شعبہ کا اجراء قابل مبارک باد ہے، مگر سب ہی طلبہ کے لئے درس میں بھی چند مضامین داخل نصاب کئے جانے چاہئیں۔

کلام وعقائد کی لغوی واصطلاحی تعریف

''اسلامی عقائد سے متعلقہ مباحث کا نام ''علم کلام'' ہے، بشرطیکہ اصول شرعیہ سے استنباط کے ساتھ ادلہ عقلیہ سے بھی کام لیا جائے، ورنہ صرف ''علم العقائد'' کہتے ہیں۔ علم کلام کو ''اصول دین'' اور ''علم احکام'' بھی کہتے ہیں۔

لغوی معنی:...... لغت میں ''کلام'' کے معنی بات' قول' گفتگو اور مضمون' وغیرہ کے ہیں۔ عقائد عقیدہ کی جمع ہے۔ دل میں جمائے ہوئے یقین اور اعتماد کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:...... علامہ ابوالخیر نے ''الموضوعات'' میں اس کی تعریف یوں کی ہے:

''**هو علم يقتدر به على اثبات العقائد الدينية بايراد الحجج عليها و دفع الشبهة عنها**''۔

یعنی متقدمین علماء متکلمین کی اصطلاح میں ''علم کلام'' وہ ہے جس میں ادلہ تفصیلیہ کے ساتھ عقائد دینیہ اسلامیہ کے اثبات اور ان سے دفع شکوک وشبہات پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔

متأخرین کے یہاں علم کلام وہ ہے: جس میں معرفت عقائد دینیہ کے واسطے ذات و

صفات باری تعالی اور فلسفیات واقسام ممکنات سے بحث ہو۔

''عقائد'' عقد: سے بنا ہے، جس کے معنی گرہ دینے کے ہیں، یعنی جب کسی چیز کا یقین پورے طور سے دل میں بیٹھ جاتا ہے تو وہی عقیدہ بن جاتا ہے۔

(اسلام: الف سے ے تک، ص: ۲٦۸)

آسان تعریف: ...... علم عقائد وہ علم ہے: جس میں عقائد اہل سنت والجماعت کے مطابق خالق کی ذات وصفات اور کائنات عالم کے مبدأ ومعاد سے بحث کی جاتی ہے۔

(معین العقائد ص ۱۳)

کلام وعقائد کی وجہ تسمیہ

وجہ تسمیہ: ...... جس وقت اس علم کی تدوین عمل میں آئی اس وقت لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ اس فن میں گفتگو شروع کرتے تو اکثر'' الکلام فی کذا و کذا '' کہہ کر مسائل کے عنوانات قائم کرتے تھے، اس لئے اس کا نام ''علم کلام'' ہو گیا۔

یا اس لئے کہ اس میں اہل بدعت سے مناظرے تھے اور عقائد پر ان سے گفتگو وکلام تھا' جس کو عمل سے تعلق کم تھا۔

یا اس لئے کہ اس کا متنازع فیہ مسئلہ کلام باری کا مسئلہ تھا کہ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ علامہ تفتازانی نے ''شرح عقائد'' میں کچھ اور بھی وجوہ ذکر کی ہیں۔

چونکہ اس علم میں عقائد ونظریات بیان کئے جاتے ہیں، اس لئے اس کو ''علم عقائد'' کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس میں توحید ذات وصفات الہی سے بحث کی جاتی ہے، اس لئے اس کو ''علم التوحید والصفات'' بھی کہتے ہیں۔

اور چونکہ اس میں مسئلہ کلام الہی بڑا ہی اختلافی اور معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، اس لئے اس

کو ''علم کلام'' بھی کہتے ہیں۔ (معین العقائد ص ۱۳)

کلام وعقائد کا موضوع

موضوع: ......قدماءِ متکلمین کے نزدیک اس علم کا موضوع صرف ذات وصفات باری تعالی ہے۔ اور متأخرین کے نزدیک ذات وصفات سے عام یعنی موجود ومعلوم ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کا تعلق عقائد دینیہ کے ساتھ ہے۔

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ: علم کلام کا موضوع وہ تسلیم شدہ عقائد ایمانیہ ہیں جن کا ثبوت پختہ دلائل عقلیہ سے بہم پہنچایا جائے تا کہ بدعت کی بیخ کنی ہو، شکوک وشبہات رفع ہوں اور عقائد میں تشبیہ کا لغو خیال سراسر باطل ثابت ہو۔

اس علم کا موضوع: خالق کی ذات وصفات اور کائنات کی ہستی کے مبدأ ومعاد کے متعلق عقیدۂ اہل سنت والجماعت ہے۔ (معین العقائد ص ۱۳)

کلام وعقائد کی غرض وغایت

غرض وغایت: ......سعادت دینیہ وسیادت سرمدیہ، یا اصول شرعیہ کے موافق عقائد اسلامیہ کا صحیح معرفت حاصل کرنا۔

اس علم کے پڑھنے سے یہ فائدہ اور غرض ہے کہ انسان اپنے مبدأ ومعاد اور اپنے خالق کی ذات وصفات کے متعلق اپنے عقیدے کو درست رکھنے سے سعادت دارین حاصل کرلے۔ (معین العقائد ص ۱۳)

تدوین علم کلام

صاحب مفتاح السعادۃ نے لکھا ہے کہ علم کلام کی ابتدائی اشاعت پہلی صدی ہجری میں

معتزلہ اور قدریہ نے کی۔ اور اہل سنت والجماعت کے علم کلام کی بنیاد تیسری صدی ہجری میں پڑی، کیونکہ اعتزال کی ابتدا واصل بن عطاء نے کی' جو: ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور: ۱۳۱ھ اس کا سن وفات ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کے علم کلام کی بنیاد امام ابوالحسن اشعری نے ڈالی جو تیسری صدی میں تھے، اور خود ایک مدت تک معتزلی رہ چکے تھے۔ [۱] اس بناء پر علم

[۱]......امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ...... حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ نے ان کے والد اسماعیل کے انتقال کے بعد ابوعلی الجبائی سے نکاح کرلیا تھا، جو اپنے وقت میں معتزلہ کے امام اور مذہب اعتزال کے علمبردار تھے، شیخ ابوالحسن نے ان کی آغوش میں تربیت پائی اور بہت جلد ان کے معتمد بن گئے۔ ابوعلی الجبائی اچھے مدرس اور مصنف تھے، مباحثہ پر زیادہ قدرت نہیں رکھتے تھے، ابوالحسن اشعری شروع ہی سے زبان آور' حاضر جواب تھے، ابوعلی بحث ومناظرہ کے موقع پر انہی کو آگے کردیتے تھے، بہت جلد وہ سرحلقہ اور مجالس بحث کے صدر نشیں بن گئے، تمام ظاہری قیاسات وقرائن بتلاتے تھے کہ وہ اپنے مربی اور استاذ کے جانشیں ہوں گے، اور مذہب اعتزال کی حمایت واشاعت میں شاید ان سے بھی آگے بڑھ جائیں، لیکن اللہ تعالی کے انتظامات عجیب ہیں، اس نے سنت کی حفاظت ونصرت کے لئے اس شخص کو منتخب کیا جس نے ساری زندگی مذہب اعتزال کی حمایت واثبات میں گذاری تھی، اور جس کے لئے اعتزال کی مسند امامت تیار تھی، شیخ ابوالحسن کی طبیعت میں اعتزال کا ردعمل پیدا ہوا، ان کی طبیعت معتزلہ کی تاویلوں اور قیاس آرائیوں سے متنفر ہونے لگی، اور ان کو یہ محسوس ہونے لگا کہ یہ سب ذہانت کی باتیں ہیں، حقیقت کچھ اور ہے، اور وہ وہی ہے' جو صحابہ کرام اور سلف کا مسلک ہے، چالیس برس تک معتزلہ کے مذہب اور اعتقادات کی حمایت اور ان کو ثابت کرنے کے بعد ان کی طبیعت اس سے بالکل پھرگئی اور ان کے ذہن میں اس کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی، پندرہ دن وہ گھر سے نہیں نکلے، سولہویں دن وہ گھر سے سیدھے جامع مسجد پہونچے، جمعہ کا دن تھا اور جامع مسجد بھری ہوئی تھی، انہوں نے منبر پر چڑھ کر بلند آواز سے اعلان کیا: ''جو مجھے جانتا ہے وہ جانتا ہے، جو نہیں جانتا ہے اس کو بتلاتا ہوں کہ میں ابوالحسن اشعری ہوں، میں معتزلی تھا، فلاں فلاں عقیدوں کا قائل تھا، اب توبہ کرتا ہوں، اپنے سابق خیالات سے باز آتا ہوں، آج سے میرا کام معتزلہ کی تردید اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کا اظہار ہے''۔

کلام دوصدیوں تک مستقل طور پر معتزلہ کے ہاتھ میں رہا۔

وہ دن اوران کی زندگی کا اخیر دن ان کی ذہانت، علمی تجربہ وقوت گویائی اور استدلال تحریر اعتزال کی تردید اور سلف کے مسلک اور اہل سنت کے عقائد کی تائید اور اثبات میں صرف ہوئی۔ جو کل تک معتزلہ کی زبان اور ان کا سب سے بڑا وکیل تھا، وہ اہل سنت کا ترجمان اور ان کا سب سے بڑا حامی بن گیا۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ خود معتزلہ کی مجلسوں میں جا کر اور ان کے ممتاز لوگوں سے مل کر ان کو مطمئن کرنے اور حق کی تفہیم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ عقلیات وعلم کلام میں مجتہدانہ دماغ رکھتے تھے، معتزلہ کے سوالات واعتراضات کا جواب اس آسانی سے دیتے تھے جیسے کوئی کہنہ مشق استاذ اور ماہر فن، مبتدی طالب علموں کے سوالات کا جواب دیتا ہے، اور ان کو خاموش کر دیتا ہے۔ مناظرہ میں بات کی ابتدا خود نہیں فرماتے بلکہ مخالف کو پہلے موقع عنایت فرماتے، اس پر ان کے ایک شاگرد ابوعبداللہ بن حنیف نے ان سے کہا کہ: آپ کی سب باتیں سمجھ میں آئیں، مگر یہ نہ سمجھ سکا کہ آپ ابتداءً خاموش کیوں رہتے ہیں، اور معتزلہ کو گفتگو کا موقع کیوں دیتے ہیں؟ آپ کی شان تو یہ ہے کہ آپ ہی گفتگو کریں، اور اعتراضات کو خود رفع کر دیں، انہوں نے فرمایا کہ: میں ان مسائل واقوال کو اپنی زبان سے ادا کرنا جائز نہیں سمجھتا، البتہ یہ جب کسی کی زبان سے نکل جائیں تو پھر ان کا جواب دینا اور ان اقوال کی تردید اہل حق کا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ مجتہد فن اور علم کلام کے بانی تھے۔ آپ نے پوری قوت کے ساتھ معتزلہ پر تنقید کی۔

آپ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے کتاب وسنت کے ان حقائق اور اہل سنت کے ان عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا، اور معتزلہ اور دوسرے فرقوں سے ان کے ایک ایک مسئلہ اور ایک ایک عقیدہ میں انہی کی زبان اور اصطلاحات میں بحث کر کے عقائد اہل سنت کی صداقت اور ان کا منقول ومعقول کے مطابق ہونا واضح کیا۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے مخالف کی رضامندی اور نارضامندی سے آنکھیں بند کر کے دین کی نصرت اور ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لئے جو طرز عمل ضروری سمجھا، بڑی شجاعت اور ذہانت کے ساتھ اس کی طرف توجہ کی، اور تقریراً وتحریراً اس میں مصروف رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معتزلہ وفلاسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو تھام لیا اور بہت سے اکھڑتے ہوئے قدموں کو جما دیا۔

عقائد اہل سنت اور طریقۂ سلف کی طرف سے پرزور ومدلل حمایت ووکالت کرنے کی وجہ سے اہل

علم کلام اور اس کی ضرورت

علم کلام اور اس کی ضرورت:......فلسفہ کی عام وقعت اور ارسطو و افلاطون کے پر عظمت ناموں سے بہت سے لوگ مرعوب ہوگئے تھے، اور ان کے دلوں سے مذہب کا اثر زائل ہوگیا تھا، اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ فلسفہ کے مسائل اور حکماء کے خیالات پر تنقید

سنت میں نیا اعتماد اور نئی زندگی پیدا ہوئی، اور وہ احساس کہتری رک گیا، جو گھن کی طرح سوادامت کو کھاتا جارہا تھا۔ معتزلہ بھی ان کے پے در پے حملوں کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے، اور ان کو اپنی حفاظت اور اپنے مذہب کے وجود کو قائم رکھنے کی فکر لاحق ہوگئی۔

تصنیفات:......آپ کی تصانیف کی تعداد ڈھائی سو سے تین سو تک بیان کی گئی ہے۔ چند یہ ہیں:

(۱)......تفسیر قرآن: تیس اجزاء میں۔

(۲)...... کتاب الفصول: یہ بڑی ضخیم کتاب ہے، اس میں انہوں نے فلاسفہ' دہریہ' ہندوؤں' یہودیوں' عیسائیوں اور مجوسیوں کا رد کیا ہے۔

(۳/۴/۵)...... کتاب القیاس' کتاب الاجتہاد' خبر الواحد: علوم شریعت میں۔

(۶)......مقالات الاسلامیین: اس میں معتزلہ اور دوسرے فرقوں کے جو اقوال و مذاہب نقل کئے ہیں، ان میں بڑی احتیاط اور دیانت سے کام لیا ہے۔ اور خود ان فرقوں کی کتابوں سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۷)...... کتاب الابانۃ من اصول الدیانۃ۔ یہ اعتزال سے علیحدگی کے بعد کی اولین تصنیفات میں سے ہے،

(۸)...... استحسان الخوض فی الکلام۔ اس میں دین اور زمانہ کی عقلیت کے مطابق عقائد حقہ کا اثبات ہے۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ محض علمی و عقلی آدمی نہ تھے، بلکہ عبادت وتقوی اور اخلاق فاضلہ سے بھی آراستہ تھے۔ برسوں عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ زندگی ایک جائداد پر گذر کرتے رہے، جو ان کو ان کے دادا بلال ابن ابی بردہ بن ابی موسی اشعری نے وقف کی تھی، جس کی آمدنی سترہ درہم روزانہ تھی۔

۳۲۴ھ میں امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے انتقال کیا، اور بغداد محلّہ مشرع الزوایا میں مدفون ہوئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے! تاریخ دعوت وعزیمت ۱۰۳ تا ۱۱۴، ج ۱)

کرکے ان کی وقعت اوران کے اثر کو کم کیا جائے۔

متکلمین اسلام میں امام غزالی رحمہ اللہ نے اسی ضرورت سے ''تہافت الفلاسفہ'' لکھی چنانچہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''ہمارے زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا دل ودماغ عام آدمیوں سے ممتاز ہے، یہ لوگ مذہبی احکام وقیود کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے سقراط وبقراط' افلاطون وارسطو کے پر ہیبت نام سنے، اوران کی شان میں ان کے مقلدوں کی مبالغہ آرائیاں اور قصیدہ خوانی سنی، ان کو معلوم ہوا کہ ریاضیات' منطقیات' طبیعیات والٰہیات میں انہوں نے بڑی موشگافیاں کی ہیں، اوران کا عقل وذہن میں کوئی ہمسر نہ تھا، اس عالی دماغی اور ذہانت کے ساتھ وہ مذاہب اوران کی تفصیلات کے منکر تھے، اوران کے نزدیک ان کے اصول وقواعد فرضی ومصنوعی ہیں، بس انہوں نے بھی تقلیداً انکار مذہب کو اپنا شعار بنالیا، اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال کہلانے کے شوق میں مذاہب کا انکار کرنے لگے، تاکہ ان کی سطح عوام سے بلند سمجھی جائے اور وہ بھی عقلاء وحکماء کے زمرہ میں شمار ہونے لگیں، اس بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ ان حکماء نے الٰہیات پر جو کچھ لکھا ہے، اس کی غلطیاں دکھاؤں اور ثابت کروں کہ ان کے مسائل اور اصول بازیچۂ اطفال اوران کے بہت سے اقوال ونظریات حد درجہ کے مضحکہ خیز بلکہ عبرت انگیز ہیں۔ [1] (تہافت الفلاسفہ ص۲،۳، مطبع علمیہ، مصر۔ تاریخ دعوت وعزیمت ص۱۴۳ ج۱)

---

[1]...... تہافت الفلاسفۃ'' امام غزالی رحمہ اللہ کی معرکۃ الآراء کتاب ہے، اس میں انہوں نے فلسفہ کے الٰہیات وطبیعیات پر اسلامی نقطۂ نظر سے تنقید کی، اوراس کی علمی کمزوریوں' اس کے استدلال کے ضعف اور فلاسفہ کے باہم تناقض واختلاف کو پوری جرأت وقوت کے ساتھ ظاہر کیا۔ اس کتاب نے فلسفہ کے خیالی طلسم پر کاری ضرب لگائی، اوراس کی عظمت' ذہنی تقدس کو کافی نقصان پہنچایا، اس کتاب کی تصنیف

علوم دینیہ میں اس علم کا رتبہ سب سے بڑا ہے، کیونکہ جملہ امور دینیہ کا دار و مدار صحت عقائد پر ہے، اگر چہ انسان عمر بھر نیکیاں ہی کرتا رہے مگر جب کبھی عقیدے میں کچھ نقصان واقع ہو جائے گا تو ساری نیکیاں برباد ہو جائیں گی، اور اگر عقیدہ صحیح ہو تو کم از کم ابدی عذاب سے نجات مل جائے گی۔ قرآنی تعلیم میں بھی ایمان اور عقائد کی فضیلت واہمیت پر بکثرت اشارے اور تصریحات موجود ہیں، اور جہاں اعمال صالحہ کا ذکر آیا ہے وہاں شروع میں ایمان کو بالالتزام لایا گیا ہے، جس سے واضح طور پر ایمان اور حسن عقیدہ کی اہلیت ثابت ہوتی ہے۔ (معین العقائد ص۱۴)

کتب کلام وعقائد

(۱)...... الملل والنحل : ابو محمد علی بن احمد معروف بابن حزم اموی، قرطبی، ظاہری (۴۵۶ھ) کی تصنیف ہے، جو بقول علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ ''اشہر الکتب'' ہے، اگر اس میں اہل سنت والجماعت کی شان میں گستاخی اور ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ کے ساتھ تعصب کی روش نہ اختیار کی جاتی تو یہ اس فن کی بہترین کتاب تھی۔

(۲)...... الرسالة القدرية بادلتها البرهانية : حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی (۵۰۵ھ) کی تصنیف ہے۔

(۳)...... بحر الکلام۔

(۴)...... تبصرة الادلة : یہ دونوں شیخ ابو المعین میمون بن محمد نسفی حنفی رحمہ اللہ (۵۰۸ھ) کی تصانیف ہیں۔

نے فلسفہ کے حلقوں میں ایک اضطراب اور غم وغصہ پیدا کر دیا، مگر سو برس تک اس کے جواب میں کوئی شایانِ شان کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ۱۴۲ و ۱۴۵)

(۵)......هداية: شیخ نورالدین ابوبکراحمد بن محمد صابونی حنفی (۵۰۸ھ) کی تصنیف ہے۔

(٦)...... نهاية الاقدام۔

(۷)...... الملل والنحل: دونوں شیخ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (۵۴۷ھ) کی تصانیف ہیں۔

(۸)...... الداعی الی الاسلام فی اصول علم الكلام : شیخ ابوالبرکات عبدالرحمٰن بن محمد انباری (۵۷۵ھ) کی تصنیف ہے۔

(۹)...... کفایه: شیخ نورالدین ابوبکر احمد صابونی کی تصنیف ہے۔علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں اس سے مضمون لیا ہے۔

(۱۰)...... تحصيل الحق۔

(۱۱)...... دلائل فی عیون المسائل۔

(۱۲)...... محصل افكار المتقدمين والمتأخرين بين الحكماء والمتكلمين: امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی (٦۰٦ھ) کی تصانیف ہیں۔

(۱۳)...... ابكار الافكار : شیخ ابوالحسن علی بن علی بن محمد ثعلبی الحنبلی ثم الشافعی معروف بسیف الدین آمدی (٦۳۱ھ) کی تصنیف ہے۔

جمیع مسائل اصول پر حاوی ہیں۔ یہ آٹھ قواعد پر مرتب ہے۔قاعدہ اول: علم کے بیان میں، اور دوم بیان نظر میں، سوم موصل الی المطلوب میں، چہارم انقسام علوم میں، پنجم نبوات میں، ششم معاد میں، ہفتم اسماء میں، ہشتم امامت میں۔

(۱۴)......رموز الکنوز: یہ بھی موصوف کی تصنیف ہے، اور یہ ''ابکار الافکار'' کا اختصار ہے۔

(۱۵)...... تجرید: محقق نصیر الدین ابوجعفر محمد بن محمد طوسی (۲۷۲ھ) کی تصنیف ہے۔ اور

بہت عمدہ اور مشہور کتاب ہے۔ چھ مقاصد پر مرتب ہے: مقصد اول امور عامہ کے بیان میں' اور دوم: جواہر و اعراض میں۔ سوم: اثبات صانع اور اس کی صفات میں۔ چہارم: نبوۃ میں۔ پنجم: امامت میں۔ ششم: معاد میں۔

(۱۶)......طوالع الانوار: قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی (۶۸۵م) کی بہت خوب کتاب ہے۔

(۱۷)......اعتماد الاعتقاد: حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی حنفی (۷۰۱ھ) کی تصنیف ہے۔ (قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون، ص ۸۷)

(۱۸)......ثمرۃ العقائد: حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب مدظلہ۔

اس کتاب میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کا ایک معتد بہ حصہ آ گیا ہے۔ راقم الحروف کو عقائد پر اردو زبان میں بعض کتابیں دیکھنے کی توفیق ہوئی، ان کی افادیت کے اقرار کے باوجود جامعیت اور قرآن و حدیث کے حوالوں سے بھرپور اس کتاب کی طرح اور کوئی کتاب نظر سے نہیں گذری، والعلم عند اللہ۔

کتبہ: مرغوب احمد لاجپوری

۵/صفر المظفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۷ء

بروز بدھ

السکینة علی

تنقید السفینة

اس مختصر رسالہ میں ''سفینة البلغاء'' پر تنقید کا منصفانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے، اور تنقید کرنے والوں اور جامعہ کے ارباب شوری اور تعلیم کمیٹی کے اہل علم ذمہ داروں کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی گئی ہے، اس پر عمل نہ کیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ جامعہ کا نصاب ایک کھیل بن جائے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعة القراءات، کفلیتہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک معاصر عالم کی طرف سے راقم الحروف کو ایک مختصر سا رسالہ موصول ہوا، جس میں ''سفینۃ البلغاء'' پر ایک تبصرہ تھا، چونکہ راقم الحروف نے اس کی شرح لکھی تھی، اس لئے باوجود یہ کہ اسی وقت جواب میں کئی باتوں کی طرف ذہن منتقل ہوا، مگر اس کا جواب دینا اس لئے مناسب نہ سمجھا کہ شاید کسی کو یہ خیال آئے کہ اس نے شرح لکھی ہے، اس لئے ''سفینۃ البلغاء'' کی تائید کر رہا ہے۔ چند روز ہی گذرے تھے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب فریدی مدظلہم کی طرف سے اس کے جواب پر مشتمل ایک احتساب ملا، بغور پڑھا، اس کے بعد حضرۃ الاستاذ مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کا گرامی نامہ موصول ہوا، ان دونوں تحریروں میں اس تبصرہ کا شافی جواب آ گیا، اب جبکہ ''سفینۃ البلغاء'' ڈابھیل جامعہ کے نصاب سے نکالی جا رہی ہے، اس لئے مناسب سمجھا کہ جامعہ کے ارباب شوری اور تعلیم کمیٹی کے اہل علم کی خدمت میں اپنا نظریہ بھی پیش کر دیا جائے، اس لئے کہ ارباب شوری کا یہ فیصلہ بہرحال نامناسب اور غیر درست ہے۔ اس کی وجوہات عریضہ میں لکھدی گئی ہیں۔

عریضہ میں پہلے دونوں تبصروں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ امید ہے کہ جامعہ کے ارباب شوری اور تعلیم کمیٹی کے ذمہ داران اہل علم اس عریضہ کو بغور ملاحظہ فرما کر اپنے فیصلہ پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ میرے پیش نظر نہ صاحب تبصرہ کی تذلیل ہے اور نہ ان کا تعاقب، البتہ ان کی رائے سے عدم اتفاق کا اظہار ضروری سمجھ کر اس عریضہ کو ارسال کر رہا ہوں۔ جامعہ کے ارباب شوری اس طرح ہر کسی کے تبصرہ سے نصاب کی تبدیلی میں جلد بازی کا مظاہرہ کریں گے تو جامعہ کا نصاب ایک کھیل بن جائے گا۔ فقط: مرغوب احمد لاجپوری

''سفینة'' کا جامعہ کے نصاب سے نکالنا غیر مناسب ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم مولانا رشید احمد صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

آپ کے دوگرامی نامے ''سفینة البلغاء'' پر ''دروس البلاغة'' کی فوقیت کے سلسلہ میں موصول ہوئے تھے، اسی وقت چند باتیں جواباً ذہن میں آئی تھیں، مگر جواب دینا اس لئے نامناسب سمجھا کہ میں آپ کی رائے سے پورے طور پر متفق نہ تھا، اور اپنی رائے کے اظہار میں ''سفینة البلغاء'' کی فوقیت کا اظہار لازم آتا تھا اور چونکہ میں ''سفینة البلغاء'' پر کچھ شرح وحاشیہ کا کام کر چکا تھا، چونکہ اس میں اپنی کاوش کی مِن وجہٍ بڑائی پائی جاتی تھی، اب جبکہ آپ اور دوسرے چند اساتذہ کی غیر مناسب- بلکہ اکابر علماء واسلاف پر ایک طرح کی تجہیل تک لازم آنے والی- محنت سے ''سفینة البلغاء'' جامعہ کے نصاب سے نکالی جارہی ہے تو مناسب سمجھا کہ چند باتیں عرض کردوں۔

یہ میری رائے ہے ضروری نہیں آپ یا ناظرین اس سے اتفاق فرمائیں۔

نمبرات میں آپ کی رائے لکھ کر ''ج'' سے اپنی بات عرض کروں گا۔

کیا نیا انداز' آسانی اور تمرینات کی کثرت لادینی کا طریقہ ہے؟

(۱)...... یہ کتاب اگر چہ نئے انداز' آسان ترتیب اور تمرینات کی کثرت وتنوع کے لحاظ سے آج کی عصری' لادینی تعلیم کے ذوق ومزاج کے عین موافق ہے۔

(ج)...... کیا نئے انداز' آسان ترتیب اور تمرینات کی کثرت کا ہونا لادینی کا طریقہ ہے۔ زمانہ کی رعایت کا لحاظ تو قابل تعریف ہے نہ کہ قابل تنقید: ''من جهل باهل زمانه فهو

جاھل ‘‘ سے آپ ناواقف نہیں ہوں گے۔(مقدمہ:مرغوب الفتاوی ص۱۳۹ج۱)

آسان نحو‘ آسان صرف‘ دروس البلاغۃ‘ وغیرہ دسیوں کتابیں نئے انداز اور آسان ترتیب ہی سے لکھی گئیں، کیاان سب پر لادینی کی مہر لگائی جائے گی؟

امام بخاری کا ’’جَسَدًا‘‘ کی تفسیر شیطان سے کرنا

(۲)......مگر اس کی بعض باتیں ہماری خالص اسلامی فکر اور ٹھیٹ دینی عقیدے سے ہم آہنگ نظر نہیں آرہی ہیں۔

(ج)......بعض باتیں تو ہماری کتابوں میں بھی خالص اسلامی فکر اور ٹھیٹ دینی عقیدے سے ہم آہنگ نظر نہیں آرہی ہیں، جیسے:

امام بخاری رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی آیت:﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾۔(سورۂ ص،آیت نمبر:۳۴)

ترجمہ:......اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے (حضرت) سلیمان (علیہ الصلوۃ والسلام) کی ایک آزمائش کی تھی،اوران کی کرسی پر ایک دھڑ لاکر ڈال دیا تھا۔(آسان ترجمہ)

میں ’’جَسَدًا‘‘ کی تفسیر شیطان سے کرکے اسرائیلی روایت سے تأثر کا ثبوت نہیں دیا؟

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تفسیر کو مشہور شارحین میں علامہ بدرالدین عینی‘ علامہ کورانی‘ علامہ قسطلانی رحمہم اللہ نے رد کردیا۔

(عمدۃ القاری ص۲۰ج۱۶،دارالکتب العلمیہ۔الکوثر الجاری ص۳۰۴ج۶،داراحیاء التراث العربی۔ ارشادالساری ص۴۲۳ج۷،دارالفکر،بیروت)

دیگر مشہور علماء میں سے علامہ زمخشری‘ امام رازی‘ علامہ ابوالحیان اندلسی‘ علامہ اسماعیل حقی اور علامہ آلوسی رحمہم اللہ نے قوی دلائل کے ساتھ اسرائیلی روایات پر کامیاب تعاقب

فرمایا ہے۔

(الکشاف ص۹۶ ج۴۔تفسیر کبیر ص۳۹۴ ج۹۔البحر المحیط ص۱۵۶ ج۹۔روح البیان ص۴۸ ج۸۔ روح المعانی ص۲۹۳ ج۲۳۔تبیان القرآن ص۹۹ ج۱۰)

کیا ''بخاری شریف'' پر بھی احتجاج کیا جائے گا کہ اسے نصاب سے نکالا جائے؟

ہاں یہ بات بھی قابل حیرت ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تفسیر پر حافظ ابن حجر اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہما اللہ نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا، اور بلا تبصرہ کے گذر گئے، یا للعجب۔(فتح الباری ص۵۹۵ ج۴۔شرح الکرمانی ص۰۷ ج۱۴)

''طحاوی'' میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق ذبیح ہونے کی روایت

امام طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی معرکۃ الآراء اور مشہور زمانہ کتاب ''معانی الآثار'' میں حضرت اسحاق علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق ذبیح ہونے کی روایت نقل فرمائی ہے اور اس پر کوئی کلام تک نہیں فرمایا۔ کیا ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں؟ یہ عقیدہ تو خالص یہودیت کا ہے۔ کیا اس کی وجہ سے ''طحاوی شریف'' بھی درس سے نکال دی جائے گی۔

''وفدی اسحق عند الظهر فصلی ابراهیم علیه السلام اربعا فصارت الظهر''

(طحاوی ص۱۲۹، باب الصلوة الوسطی ای الصلوات)

جلالین میں ''تلک الغرانیق العلی'' والی روایت موضوع ہے

اسی طرح صاحب جلالین نے ''تلک الغرانیق العلی'' جیسی موضوع و من گھڑت روایت نقل کی ہے۔ کیا اس روایت سے رسالت کی عظمت و عصمت پر غلطی کا شبہ نہیں ہوتا، اب کیا ''جلالین'' کے لئے بھی یہ تحریک چلائی جائے گی کہ اسے نصاب سے خارج کر دیا

جائے۔

اس کی بکثرت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، طوالت کے خوف سے ترک کرتا ہوں۔

''ان هذا العلم دين'' کا مطلب سمجھنے میں کچھ چوک ہوگئی

(۳)...... ''ان هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم ''(مشکوۃ شریف) کے صریح خلاف ہے۔

(ج)...... تعجب ہے آپ نے مذکورہ اثر تو صحیح نقل کیا ہے مگر اس کا مطلب سمجھنے میں کچھ چوک ہوگئی ہے، سفینہ کیا استاذ ہے، یا کتاب ہے؟ آپ کو یہاں ایک اثر نقل کرنے میں مغالطہ ہوگیا ہے، تو پوری کتاب پر تبصرہ میں نہ جانے کیا کیا مغالطے ہوں گے، اور واقعی ہوئے بھی۔

پھر کیا آپ ﷺ نے بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو غیر مسلموں سے زبان سیکھنے کا حکم نہیں فرمایا؟ غزوۂ بدر کے کافر قیدیوں سے فدیہ قبول کیا گیا کہ وہ مسلمانوں میں سے دس لڑکوں کو کتابت سکھائیں۔ (التراتیب الاداریۃ۔ عہد نبوی کا اسلامی تمدن ص ۴۱)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھی تھیں۔ ذہانت کا یہ حال تھا کہ پندرہ روز کی کوشش میں بلاتکلف خط لکھنے لگے تھے۔ بعد میں اس کو اور بھی ترقی دی، یہاں تک کہ ''توراۃ''، ''انجیل'' کی زبانوں کے عالم بن گئے۔ یہ عام روایت ہے، لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ: ان کو فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی آتی تھیں، جن کو انہوں نے مدینہ میں ان زبان کے جاننے والوں سے سیکھا تھا۔ (کتاب التنبیہ والاشراف ص ۲۸۳۔ سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم ص ۳۵۵ ج ۳)

کتنی صراحت ہے کہ: ''انہوں نے ان زبان کے جاننے والوں سے سیکھا تھا''۔ معلوم

ہوا کہ اس اثر کا مطلق یہ مطلب سمجھنا بھی درست نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''عليكم باشعار الجاهلية'' جاہلیت کے اشعار کو لازم پکڑو۔ (الاتقان)

''عن عكرمة رضى الله عنه عن ابن عباس رضى الله عنهما قال : اذا سألتمونى عن غريب القرآن فالتمسوه فى الشعر ، فان الشعر ديوان العرب''۔ (حوالۂ بالا)

''المنجد'' بھی غیر کی کتاب ہے

(۴)...... وجہ اول تو یہ ہے کہ یہ کتاب ہماری خود اپنی ہے، جبکہ وہ غیروں کی۔

(ج)...... ''متنبّی'' و''حماسہ'' کا ذکر آگے آئے گا۔ ''المنجد'' سے علماء دیوبند میں سے شاید کوئی ہو جو استفادہ نہ کرتا ہو۔ کیا ہمارے مسلمان مصنفین کی کوئی مفید و کامل لغت نہیں؟ ''المنجد'' کا حال معلوم ہے کہ عیسائی کی تصنیف ہے، اس میں کچھ غلطیاں بھی ہیں، جن پر بعض علماء نے تنبیہ بھی فرمائی ہے، لیکن ہمارا کوئی کتب خانہ اس سے خالی نہیں، اور بڑے بڑے ادباء اور علماء کے سامنے یہ لغت رکھی رہتی تھی۔ اسی طرح دیگر کتب مستشرقین سے ہمارے علماء کرام ہمیشہ استفادہ کرتے رہے، یہ کہہ کر رد نہیں کیا کہ یہ غیر مسلم کی کتاب ہے۔

''المعجم المفهرس 'مفتاح كنوز السنة'' کیا کسی مسلمان کی ہیں؟

مستشرقین کی ایک جماعت نے ''ڈاکٹر وینسنک'' کی سربراہی میں سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک مفصل کتاب مرتب کی ہے، جس کا نام ہے ''المعجم المفهرس لا لفاظ الحديث النبوى''، جس میں انہوں نے صحاح ستہ، مؤطا امام مالک، سنن دارمی اور مسند احمد کی احادیث کی فہرست مرتب کی ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ حروف تہجی کے حساب سے

انہوں نے ہر لفظ کے تحت یہ بیان کیا ہے کہ یہ لفظ کون سی حدیث میں آیا ہے اور وہ حدیث کہاں کہاں مذکور ہے، البتہ اس کتاب میں یہ لوگ احادیث کے استیعاب پر قادر نہیں ہو سکے، بلکہ اس میں بہت سی احادیث چھوٹ گئی ہیں، پھر اسی کتاب کی ایک تلخیص ''وینسنک'' ہی نے ''مفتاح کنوز السنة'' کے نام سے شائع کی ہے جو مختصر ہونے کی وجہ سے انتہائی مفید ہے اور ہر طالب علم کے لئے ناگزیر ہے۔ (درس ترمذی ص ۵۶ ج ۱)

ذرا غور کیجئے! غیر کی کتاب کے بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کیا فرماتے ہیں: ''ہر طالب علم کے لئے ناگزیر ہے''۔

میبذی، کافیہ، شرح جامی، بیضاوی، مختصر المعانی، حسامی، سب آسان ہیں؟

(۵)......ارشاد نبوی ''یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا'' کے عین موافق ہے جبکہ ''سفینہ'' زیادہ مشکل ہے۔

(ج)...... ''یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا'' کی وجہ سے داخلِ نصاب کی کئی کتابیں خارج نصاب کرنی پڑیں گی؟ کیا: کافیہ، شرح جامی، بیضاوی، مختصر المعانی، حسامی، سب آسان ہیں؟ میبذی جتنی مغلق ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، کیا مدارس کے نصاب سے اسے بھی نکالنے کا مضمون لکھا جائے گا؟

سفینہ کے عیوب ونقائص کی حقیقت

(۶)......ساتویں وجہ یہ ہے کہ ''دروس البلاغة'' میں قرآن کریم کے شواہد وامثلہ کی بہتات ہے، اور اسی سے ایک دینی مدرسے کے طالب علم کی غرض وابستہ ہے۔

(ج)......سفینہ میں بھی قرآن کریم کی آیات واحادیث نبوی ﷺ کئی جگہوں پر استدلال میں پیش کی گئی ہیں۔

(ے)......الفاظ سے اپنے مشہور عقیدہ........کا پرچار کیا۔

(ج)......سفینہ میں بے شمار مثالیں اور عبارات ایسی بھی ہیں جن میں خالص توحید بیان کی گئی ہے۔مثلاً ''ان الرب الہ عظیم ' الاذن تسمع ' والعین تبصر ' والرب صنع کلتیھما ' قال الجاھل فی قلبه : لیس اله ' ان للرب الارض وملأھا ' الاکل شئی ماخلا الله باطل ' الرب اعطی والرب اخذ ، فلیکن اسم الرب مبارکا''۔

سفینہ پڑھے بغیر بعض ندوی وقاسمی فضلاء کا گمراہ ہونا

(۸)......آپ کے تبصرہ کو پڑھ کر ایک صاحب نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس سے طالب علم عیسائی مذہب سے متأثر ہوسکتا ہے اور گمراہی کا خطرہ ہے۔

(ج)......سوال یہ کہ اب تک کتنے طلباء اس کتاب کو پڑھ کر عیسائی ہوئے ، یہ سب رجما بالغیب باتیں ہیں۔

کیا کئی ندوی علماء وفضلاء' مودودی وغیر مقلد نہ بنے ؟ کیا انہوں نے ندوہ میں کوئی ایسی ہی کتاب پڑھی ہے؟ ان کے ان عقائد سے متأثر ہونے میں ندوہ کے نصاب کا کیا قصور۔

مولوی روشن خان' مولوی سرورالدین' دونوں قاسمی ہیں، مگر عقائد قادیانی سے نہ صرف متأثر ہوئے بلکہ قادیانی ہوکر ہی رہے۔ثناء اللہ امرتسری دیوبند کے فاضل تھے، مگر کیا بنے؟ تفصیل کے لئے دیکھئے! ''عذاب اللہ علی ثناء اللہ'' اور '''فتح مکہ'' اور ''فیصلہ مکہ''۔

ڈاکٹر عثانی فاضل بنوری ٹاؤن ووفاق المدارس نے ''گھر کے چراغ''، لکھی جو حضرت بنوری رحمہ اللہ کے خلاف واہی تباہی باتوں کی بھرمار سے بھری ہوئی ہے۔(از: افادات مولانا مفتی زرولی خان صاحب مدظلہم)

صاحب اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمہ اللہ نے ''اعلاء السنن'' تحریر

فرما کر علماء دیو بند کا سر فخر سے کیا بلند نہیں فرمایا؟ اور ایک فرقہ کے دعوائے العمل بالحدیث کو کس طرح خش و خاشاک فرمادیا، مگر ان ہی کے ناخلف بیٹے عمر احمد تھانوی نے کیا کیا گل کھلائے اس کی تفصیل دیکھنا ہو تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کے فتاوی اور مضامین پر نظر ڈال لیجئے۔ان گمراہوں نے تو ''سفینہ'' پڑھی بھی نہیں۔

''سفینہ'' میں پوری بسم اللہ نہ لکھنے پر اعتراض کا جواب

(۹)......آپ نے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' نہ لکھنے پر بھی اعتراض کیا ہے۔

(ج)...... ہمارے مدارس میں بعض کتابیں ایسی بھی پڑھائی جاتی ہیں جن میں سرے سے بسم اللہ ہی نہیں ہے۔اور ایسی تو بہت سی کتابیں ہیں جن میں صرف '' بسم اللہ الرحمن الرحیم '' ہے، نہ صلوۃ وسلام اور نہ شہادتین۔تو ''سفینۃ البلغاء'' میں صرف بسم اللہ کا ہونا کیونکر قابل اعتراض ہوا۔''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' بیشک افضل ہے لیکن ''کل امر ذی بال ''والی حدیث پر عمل کرنے کے لئے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم '' کہنا یا لکھنا ضروری نہیں۔کھانے وغیرہ کے شروع میں بھی یہی حکم ہے۔بہت سے لوگ خطوط وغیرہ میں '' باسمہ تعالیٰ ''استعمال کرتے ہیں، ان پر کیا حکم لگے گا؟

خلق الانسان علی صورتہ' بھی قابل اعتراض نہیں

(۱۰)......مثلاً خطبے میں ''الحمد للہ الذی خلق الانسان علی صورتہ کمثالہ'' کے الفاظ سے اپنے مشہور عقیدۂ حلول و تجسد حلول کو داخل کر کے عیسائی عقائد کا پرچار کیا ہے، حالانکہ یہ عقیدہ ارشاد ربانی ''لیس کمثلہ شئی '' سے صاف متصادم ہے۔

(ج)......''سفینۃ'' کے شروع میں ''خلق الانسان علی صورتہ '' بھی قابل اعتراض نہیں ہونا چاہئے، صحیحین کی حدیث میں ''خلق اللہ آدم علی صورتہ '' آیا ہے، ہمارے علماء اس

پر بھی متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت سے منزہ ہیں۔ہاں بیشک ''کمثالہ'' ہمارے یہاں نہیں بولا جاتا، لیکن صورت کی تأویل ہوسکتی ہے، تو اس کی بھی ہوسکتی ہے۔امثال کے ابواب میں ترمذی میں جو احادیث مروی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے اپنی مثال بیان فرمائی ہے اگر ان کی تطبیق کرنے جائیں تو ان میں مثل کا لفظ اللہ تعالیٰ پر بولنا لازم آئے گا۔ اگر اس طرح کی نصوص سے تشبیہ لازم نہیں آتی تو یہاں آپ کیوں اتنی بھیانک صورت پیش کررہے ہیں؟

''لقد نطقت بطلاً علی الاقارع'' پر حاشیہ عجیب ہے

(۱۱)......منجملہ ان کی عیاریوں کے ایک یہ شعر بھی ہے ۔

لعمری وما عمری علی بھین لقد نطقت بطلا علی الاقارع

میری زندگی کی قسم اور میری عمر میری نظر میں کوئی معمولی نہیں، بلاشبہ اقرع کی اولاد نے میرے خلاف جھوٹی بات کہی ہے۔

اس میں الاقارع کے حاشیہ میں ''الاقارع، ھم آل اقرع من حابس و مرثد اخیہ'' کے الفاظ کے ذریعہ ایک مشہور ومعروف صحابی رسول (ﷺ) کی ہتک حرمت کی کوشش کی گئی ہے، کیا انہیں عربی کے ذخیرے میں جملہ معترضہ کے دوسری مثالیں دستیاب نہ تھیں؟

(ج)......''لقد نطقت بطلاً علی الاقارع'' پر جو حاشیہ آپ نے لگایا ہے یعنی اس سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی عجیب ہے، صحابی رضی اللہ عنہ کا تو اس میں تذکرہ ہی نہیں، ان کی اولاد کا ذکر ہے، پھر صحابی کی بے حرمتی کیسے ہوئی؟ کوئی یزید بن معاویہ کی شکایت کرے تو کیا یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین ہے؟ پھر اگر بے حرمتی ہے تو شاعر نے بے حرمتی کی ہے نہ کہ کتاب کے مصنف نے (ہتک حرمت معلوم نہیں کہاں سے معلوم ہوئی۔شاعر بھی اپنے

اوپر سے مدافعت کررہا ہے کہ مجھ پر غلط بات کہی گئی)، اوراسی موقع پر دوسرا شعر بھی مذکور ہے، صرف یہی شعر تونہیں ہے۔

''سفینہ'' پرایک بیجا اعتراض

(۱۲)...... دراصل یہ کتاب چار مصری مسلمان ماہرین تعلیم وتربیت کی مرتب کردہ کتاب 'دروس البلاغۃ' اورالسید احمد الہاشمی کی ''جواہر البلاغۃ'' سے زیادہ تر ماخوذ ہےاور فقرے کے فقرے ہو بہو' من وعن ہماری ان ہی کتابوں سے نقل کردیئے گئے ہیں اور یہ توفیق نہ ہوئی کہ اصل مصدر ومرجع کا شکریہ یاکم ازکم حوالہ ہی ذکر کردیتے، جبکہ دوسری طرف بالفرض اگر کہیں کوئی خامی یا نقص اتفاق سے نظر آیا تو اس پر اس کتاب کا نام لے کر تنقید کرنے سے بازنہ آئے اور دادِ تحقیق کا زریں موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا، جیسا کہ ''سفینہ'' کے قدیم نسخے کے صفحے ۳۸ر کے حاشیہ میں دیکھا جاسکتا ہے، اورلطف کی بات یہ ہے کہ یہ تنقید بھی خود ان کی خانہ زاد نہیں آخر'' المنہاج الواضح '' جیسی دوسری بڑی کتابوں ہی سے ماخوذ ہے۔

(ج)...... پھر تو یہ ہماری ہی کتاب ہے ، دوسروں کا تو صرف نام ہے ، پھر مصنفین پر اعتراض کیوں؟ تنقید بھی اپنوں ہی کی ہے پھر شکایت کیوں؟

''حماسۃ'' میں کفار کا کلام ہے...... مدعی نبوت متنبّی کی کتاب

(۱۳)...... خدا بھلا کرے دارالعلوم دیوبند کی نصاب کمیٹی کے رکن اساتذہ کا کہ انہوں نے ''مختصر المعانی'' سے قبل بطور تمہید وزینۂ اول کے اپنے نصاب میں ''دروس البلاغۃ'' جیسی اہم ومفید کتاب کو دیر سویر مگر شامل فرمایا، فجزاهم الله احسن الجزاء۔

(ج)...... کیا دارالعلوم دیوبند میں متنبّی' دیوان حماسہ' جیسی کتابیں نصاب میں داخل نہیں ہیں؟ ''متنبّی'' میں کفریہ اشعار ہیں، اور متنبّی کی زندگی سے اہل علم واقف ہیں کہ اس نے نہ

کبھی نماز پڑھی، نہ روزہ رکھا اور نہ کبھی تلاوت کی۔ بخل و کنجوسی میں بھی اپنی نظیر آپ تھا۔ اور حد تو یہ ہے کہ نبوت کا دعوی کیا، اس کی کتاب کو مدرسہ میں پڑھانے کا کیا جواز ہے؟ ہمارا مقصد تو قرآن وحدیث ہے، لیکن یہ کتاب بہت سارے مدارس میں داخل نصاب ہے۔

''دیوان حماسۃ'' کو لیجئے، کفار و مشرکین شعراء کا کلام ہے۔

ان کفار و مشرکین کے اشعار کے مجموعہ والی کتاب پر ہمارے اکابر مولانا ذوالفقار صاحب مولانا اعزاز علی صاحب رحمہما اللہ وغیرہ نے شرح اور حاشیہ کا کام کیوں کیا؟ اس لئے کہ وہ داخل نصاب ہیں اور ان کا فائدہ بھی ہے۔ چند عیوب کی وجہ سے ان کے خلاف رسائل و مضامین نہیں لکھے گئے اور نہ انہیں نصاب سے نکالنے کی لاحاصل کوشش کی گئی۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ کا ''سفینۃ'' پڑھانا

(۱۴)...... حسن اتفاق سے راقم الحروف کو ''سفینۃ'' اور ''دروس'' دونوں ہی کتابیں پڑھانے کا متعدد بار موقع ملا ہے، آٹھ دس سالہ تجربے کی روشنی میں کم سے کم یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ ''دروس البلاغۃ' سفینۃ البلغاء'' کے مقابلہ میں بچند وجوہ بدرجہاں لائق و فائق ہے، ان وجوہات میں سے بعض کو ذیل میں درج کیا جارہا ہے۔

(ج)...... آپ کے نزدیک ''دروس البلاغۃ' سفینۃ البلغاء'' کے مقابلہ میں بچند وجوہ بدرجہاں لائق و فائق ہو، لیکن کیا سب کے نزدیک بھی ایسا ہی ہو یہ مشکل ہے۔ انسان کا مذاق عشق کے معاملہ میں مختلف ہوتا ہے۔ ''وللنّاس فیما یعشقون مذاہب''۔

ہمارے اکابر کے وقت میں بھی بلاغت پر اور کتابیں تھیں، پھر بھی ان حضرات نے اسے کیوں داخل نصاب کیا؟ وہ علم و فہم میں آپ اور مجھ سے بہت بڑھے ہوئے اور کامل الاستعداد تھے، کتاب کی جن خامیوں پر آپ کی نظر گئی کیا وہ حضرات ان سے بالکل بے خبر و

جاہل رہے، ع

این خیال است محال است وجنوں

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ جیسے جبال علم نے اس کتاب کو پڑھایا ہے، اور حضرت رحمہ اللہ کی باطل کے مقابلہ میں دینی حمیت اہل علم میں ضرب المثل تھی، ہر فتنہ کے خلاف آپ بے چین ہوجاتے اور زبان وقلم سے اس کے تعاقب میں قوت وشدت سے سرکوبی کے بغیر انہیں چین نہیں آتا، فرقۂ باطلہ کے رد میں تو خیران کا دینی جذبہ ابھرتا ہی تھا اپنوں کے معاملہ میں بھی ذرہ برابر مداہنت انہیں گوارہ نہیں تھی، اہل نظر سے وہ مخفی نہیں ہے۔ کیا حضرت رحمہ اللہ جیسے غیرت مند ''سفینہ'' کے ان عیوب کے باوجود اس پر سکوت کیسے گوارہ فرماتے؟۔

فراء، صاحب کشاف معتزلی، ملا حمد اللہ، صاحب صدرا، طوسی شیعہ، بوعلی سینا، صاحب سبعہ معلقہ وغیرہ کی کتابیں داخل نصاب کیوں؟

(۱۵)...... وجہ اول تو یہ ہے کہ یہ کتاب ہماری خود اپنی ہے، جبکہ وہ غیروں کی۔

(ج)...... مدعی نبوت متنبّی اور معتزلی عقائد کا حامل صاحب کشاف، شیعہ عقائد کا علمبردار طوسی کی کتابیں کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟ تفسیر کشاف بہت متداول ہے تاہم اس میں اعتزال کی بو آتی ہے، امام بیضاوی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی قابل اعتراض عبارتوں سے پاک وصاف کرکے اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا جو ''بیضاوی'' کے نام سے مشہور ہے۔

فلسفہ اور طب میں مشرق ومغرب کا امام شیخ الرئیس بوعلی سینا، حکمائے عالم کی محفل کا صدر نشین اور دنیا کے دانشوروں کا سرتاج، جلیل القدر صاحب ذہانت وفطانت کا درمکنون،

علوم وفنون کی انجمن کا یکتا صدراور گوہر نایاب تھا، ''رئیس الحکماء'' کے لقب سے متصف، شیخ کی ''کتاب الاشارات'' نہایت ادق، مغلق اوراہم فلسفیانہ تصنیف ہے، درس نظامیہ کی مختلف درسگاہوں کے نصاب میں پڑھائی جاتی تھی، دارالعلوم دیوبند میں بھی مولانا عبد الخالق صاحب ملتانی رحمہ اللہ اس کا درس دیا کرتے تھے۔ شیخ اپنے گوناگوں کمالات کے باوجود دختِ زر (انگوری شراب) کا عادی، آتش سیال (شراب) کا دلدادہ اور نبیذ کا رسیا تھا۔

ملا حمد اللہ سندیلوی بلند پایہ معقولی عالم اور حاذق طبیب کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ وہ شیعہ تھے، کیاان کی کتاب ''حمد اللہ'' درس نظامی کا حصہ نہیں ہے؟

''حاشیہ صدرا'' درس نظامی کی معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس پر شرح وحاشیہ کا کام کیا۔ اس کا مصنف محمد صدرالدین شیرازی شیعہ تھے، شیخ ابوالحسن اشعری اور علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی شان میں بے ادبی کرتے تھے۔ آخر صدرا کو نصاب میں رکھنے کا کیا جواز ہے۔

''سبعہ معلقہ'' کا مصنف حماد ابتدا میں لاابالی قسم کا آدمی تھا، اکثر چوروں اور ڈاکوؤں کے ساتھ رہتا تھا، ایک مرتبہ اس نے کسی کے یہاں نقب لگایا اور صاحب خانہ کا سب مال نکال لیا، اس میں انصار کے اشعار کا ایک جز بھی تھا، حماد نے اس کو پڑھا اور پورے کو محفوظ کرلیا، اس کے بعد شعروادب ایام عرب اور لغات کی طلب میں لگ گیا اور وہ کمال حاصل کیا جس کی نظیر نہیں۔ کیاان صفات کے حامل کی ''سبعہ معلقہ'' درس میں داخل رہنی چاہئے۔

امام النحو الفراء علم نحو کے ساتھ تفسیر، طبیعیات، ہیئت، تاریخ اور شاعری میں وسعت نظر اور مہارت تامہ کے حامل کا طبعی میلان معتزلہ کی طرف تھا اور عقیدۃً معتزلی تھا۔ اس کے علم

سے فائدہ اٹھانا کیا حکم رکھتا ہے؟

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے ''مختارات من ادب العرب'' کی ترتیب میں حسن بصری رحمہ اللہ سے لے کر ہمارے اس دور کے ادباء مثلا: طہٰ حسین، علی طنطاوی، مصطفیٰ منفولی، مصطفیٰ رافعی وغیرہ کے ادبی شہ پاروں کو جمع کر دیا ہے۔

اس میں حضرت رحمہ اللہ جو قطعات ''مختارات'' میں ذکر فرمائے ان کے نیچے اس کی تعریف کی کہ: ''طہ حسین ولد فی سنة کذا کذا'' اور اس کی خصوصیات میں یہ لکھا کہ: ''انہ یکتب خلاف ما یعتقد'' کہ یہ آدمی ایسا ہے کہ اپنے اعتقاد کے خلاف بھی لکھ سکتا ہے، اپنے اعتقاد کے خلاف اچھے پیرایہ میں لکھنا بہت مشکل ہے۔ یہ اس لئے لکھا کہ طہ حسین عربی ادب کا شاہکار ہے، لیکن وہ اسلام میں شکوک وشبہات پیدا کرتا تھا، اور ملحد تھا، حضرت نے اس کے جملے نقل کئے۔ اب طہ حسین کے جملوں کی وجہ سے کیا اس کتاب کو نصاب سے نکال دینا چاہئے؟

(۱۶)......وجہ دوم یہ کہ ''دروس البلاغة'' بمقابل ''سفینہ'' کے نہایت آسان ہے اور ارشاد نبوی ''یسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا'' کے عین موافق ہے جبکہ ''سفینہ'' زیادہ مشکل ہے۔

(ج)...... یہاں آپ سفینہ کو مشکل فرما رہے ہیں، جبکہ شروع میں آپ نے اسے آسان ترتیب والی کہا ہے۔ یہ تضاد نا قابل فہم ہے۔ پھر ''دروس'' نہایت آسان ہے تو اس کی شرح کی کیا ضرورت پیش آئی؟

پھر آپ کا یہی اصول لے لیا جائے تو درس نظامی میں جتنی مشکل کتابیں ہیں سب کو ہی نصاب سے نکال دینا چاہئے صرف ''سفینہ'' ہی کی کیا خصوصیت ہے۔ میبذی، کافیہ، شرح جامی، بلکہ کنز، بیضاوی وغیرہ پر بھی آپ اس طرح کی تحریک چلائیں گے؟۔

مدارس میں کتب کی قلت کا علاج کسی کتاب کو نصاب سے نکال دینا نہیں

(۱۷)...... تیسری وجہ یہ ہے کہ حل مغلقات کے لئے ان مدرسین میں اگر مطلوبہ حوصلہ و جزبہ ہے بھی تو مدارس کے کتب خانوں میں امہات فن کی قلت ان کی راہ میں حائل و مانع بن جاتی ہے۔

(ج)...... مدارس عربیہ میں امہات فن کی کتب کی قلت یا عدم وجود کا علاج کسی مفید کتاب کو نصاب سے نکال دینا نہیں، بلکہ ان کتب امہات کا حصول ہے، مولانا! آپ کیا عجیب اور انوکھا نظریہ پیش فرمارہے ہیں۔

(۱۸)...... یہ کتاب بیشتر ہماری دو کتابوں سے ہو بہو منقول ہے۔

(ج)...... پھر تو یہ ہماری ہی کتاب ہے، دوسروں کا صرف نام ہے، پھر مصنفین پر اعتراض کیوں؟

اصطلاحی تعریف کرنے میں کیا نقص ہے؟

(۱۹)...... عام مصنفین فصاحت کی صرف لغوی تعریف کرتے ہیں، اصطلاحی نہیں کیونکہ اس کی جامع اصطلاحی تعریف ذکر کرنا ممکن نہیں ہے، جبکہ اس کتاب میں .... اس کی اصطلاحی تعریف لکھی گئی ہے۔

(ج)...... کیا کتب فقہ و کتب فتاوی میں فقہ کی تعریف نہیں کی گئی ہے، کیا فقہ کی جامع اصطلاحی تعریف ممکن ہے۔''مفتاح السعادۃ' تحریر ابن ہمام' ارشاد القاصدین'' اتمام الدرایۂ اور' نقایۂ' میں الگ الگ تعریف نہیں کی گئی؟ اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اور امام غزالی رحمہ اللہ کی تعریف کیا ایک ہے؟

(تفصیل کے لئے دیکھئے! مقدمہ مرغوب الفتاوی ص ۴۸ ج ۱)

جب فقہ کی کوئی ایک اصطلاحی تعریف نہیں ہوسکتی تو جن حضرات نے ایک تعریف کی ہے اس پر کیا الزام لگائیں گے؟

نقائص کتاب میں پہلی ہی وجہ کمزور ہوگئی، اب سارے وجوہات پر کلام کی ضرورت مفید نہیں سمجھتا۔

معترض بخاری، طحاوی، مشکوۃ، نور الایضاح، شامی میں نقص نکال لے گا

اسی طرح سوالات اور تمرینات کے نقائص پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو ممکن ہے کہ جوابات کی گنجائش نکل آئے، اور ہوسکتا ہے کہ آپ کے بیان کردہ نقائص درست بھی ہوں، مگر اس طرح کے نقائص سے کوئی بھی کتاب بچ نہیں سکتی، اگر کوئی محقق اور نقاد نقائص نکالنے پر آئے تو شاید کوئی کتاب بچ سکے، یہ تو قرآن کریم کا کمال اور معجزہ ہے کہ وہ ہر طرح کے نقائص وعیوب سے پاک ہے، میں نے ''بخاری، طحاوی، اور جلالین' کی ایک ایک مثال نقل کر دی ہے۔

اگر کوئی اس طرح نقص تلاش کرنے لگے تو حدیث کی مشہور ومقبول کتاب ''مشکوۃ'' پر اشکال کرسکتا ہے کہ اس میں دسیوں روایات جو نقل ہوئی ہیں اصل مرجع میں وہ الفاظ نہیں ہیں، کئی احادیث روایت بالمعنی روایت کی گئی ہیں، اور علماء اصول حدیث نے گرچہ روایت بالمعنی کی گنجائش دی ہے، مگر بہتر نہیں ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے! ''مرغوب الفتاوی ص ۵۰۲ ج ۱)

اب کوئی محقق ''مشکوۃ'' پر اشکال کرے گا کہ اس میں روایت کے اصل الفاظ منقول نہیں ہیں، اس لئے اسے بھی نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

''طحاوی شریف'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت دیکھئے، حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا جملہ فرمایا۔اسی طرح ’’ اصاب معاوية رضى الله عنه على التــقية ‘‘میں کیا امام طحاوی رحمہا اللہ کا کلام نا مناسب نہیں ہے؟۔(طحاوی شریف ص۱۹۹ ج۱، باب الوتر) کیا اس وجہ سے ’’طحاوی شریف‘‘ پر عدم اعتماد کی تحریک چلائی جائے گی؟۔

کل کوئی ’’نور الایضاح‘‘ پر بھی اشکال کرے گا کہ اس میں صرف عبادات کا بیان ہے،اسلام کے اور شعبوں سے یہ کتاب خالی ہے۔

شامی اور دوسری فقہی کتابوں میں بعض مسائل مرجوح اور غیر مفتی بہ بھی نقل کئے گئے ہیں،جن پر دوسرے فقہاء نے تنقید کی اور ان پر فتوی بھی نہیں دیا۔کیا ان کتابوں سے استفادہ نہیں کیا جائے گا؟۔

کیا ’’بخاری شریف‘‘ میں تسامح نہیں؟

مولانا!اور تو اور’’بخاری شریف‘‘ جیسی کتاب کے بارے میں مسامحات سے پاک ہونے کا دعوی کیا جا سکتا ہے؟ شروحات میں یہاں تک لکھا ہے کہ:

یہ صحیح ہے کہ’’صحیح بخاری‘‘ میں دیگر تمام کتب حدیث کی بہ نسبت سب سے زیادہ صحیح احادیث ہیں،لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ اس میں مندرج کوئی حدیث بھی ضعیف نہیں ہے۔

’’صحیح بخاری‘‘ میں ایسے راویوں کی تعداد کافی زیادہ ہے جو جہمی‘ قدری‘ رافضی یا مرجئہ عقائد کے حامل تھے،اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایسے راوی بھی ہیں جو منکر الحدیث‘ واہی اور وہمی تھے، چنانچہ ان تمام کی تفصیل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ’’ھدی الساری مقدمہ فتح الباری‘‘ میں مہیا کی ہے،لیکن ان کے مجروح اور مطعون راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ان راویوں پر جرح دوسرے لوگوں نے کی ہے،امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ان لوگوں پر جرح ثابت نہیں ہوسکی، اس لئے انہوں نے ان کی احادیث کو اپنی

’’صحیح‘‘ میں وارد کیا ہے۔

یہ عذر اپنی جگہ صحیح ہے اگر چہ یہ لوگ دوسروں کے حق میں یہ جواب تسلیم نہیں کرتے، لیکن اب اس بات کو کیا کیا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جن راویوں پر خود دوسری کتابوں میں جرح کی ہے ’’صحیح بخاری‘‘ میں ان سے روایات لے آئے ہیں۔اس قسم کے متعدد شواہد موجود ہیں، ہم ان میں سے آپ کے سامنے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

’’**باب الاستنجاء بالماء**‘‘ کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے: ’’**حدثنا ابو الولید هشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبة عن ابی معاذ واسمه عطاء بن ابی میمونة قال : سمعت انس بن مالک یقول : کان النبی صلی الله علیه وسلم اذا خرج لحاجة ، الحدیث**‘‘۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۷، طبع: کراچی)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے: عطاء بن ابی میمونہ، اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’**عطاء بن ابی میمونة ابو معاذ مولی انس ، وقال یزید بن هارون مولی عمران بن حصین وکان یری القدر**‘‘ یعنی یہ شخص عقائد قدریہ کا حامل تھا۔

(تاریخ کبیر ج ۶ ص ۲۶۵/۲۵۵۔ دار الکتب العلمیۃ، بیروت: ۱۴۲۲ھ)

اسی طرح انہوں نے ’’**کتاب المغازی**‘‘ میں ایک حدیث ذکر کی ہے: ’’**حدثنی عباس والوحید قال حدثنی عبد الواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال : سمعت طارق بن شهاب یقول حدثنی ابو موسی الاشعری قال بعثنی رسول الله صلی الله علیه وسلم ، الحدیث**‘‘۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۲۳، طبع: کراچی)

اس حدیث میں ایک راوی ہے ایوب بن عائذ، اس کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے

'' کتاب الضعفاء '' میں درج کیا ہے، اور فرماتے ہیں: '' ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء '' یہ شخص مرجئہ عقائد کا حامل تھا۔

(کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۷۱۔ تاریخ کبیر ج ۱ ص ۳۸۹)

شارح نے آگے سند کے تسامح اور متن حدیث میں تسامح، استنباط مسائل میں تسامح وغیرہ کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے مرتبہ کو کم کیا جائے، ان کی فن حدیث میں انتہائی عظیم حیثیت ہے، انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا گیا۔

(تلخیص از: نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ص ۹۴ ج ۱)

'' ابوداؤد شریف '' میں آیت کا قراءت متواترہ کے خلاف ہونا

(۲۰)...... آپ نے قرآن کریم کی چند آیات میں تحریف لفظی کا تذکرہ کر کے بھی کتاب کا نقص بیان کیا ہے۔

(ج)...... امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے نکاح کے خطبہ میں جو آیتیں ذکر کی ہیں ان میں پہلی آیت ہی مصحف عثمانی کے موافق نہیں ہے۔ '' ابوداؤد شریف '' میں آیت اس طرح منقول ہے: ﴿ یَآ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ آمَنُوا اتَّقُوۡا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآ ئَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡباً ﴾

حالانکہ قراءت متواترہ اس طرح ہے: ﴿ یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَ بَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالاً کَثِیۡراً وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوۡااللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآ ئَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡباً ﴾

اس پر '' بذل المجہود '' میں ملا علی قاری رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا گیا ہے:

''وھکذا فی نسخ " المشکوۃ " و" الاذکار'' و" تیسیر الوصول الی جامع الاصول '' وبعض نسخ " الحصن '' پھرآگے یہ ہے،علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں اسی طرح ہو، پھراس کے بعد حضرت تحریرفرماتے ہیں اولی اورمناسب یہ ہے کہ خطبہ میں آیت کوقراءت متواترہ کےموافق ہی پڑھنا چاہئے۔

(بذل المجھود،ص۴۲ ج۸،کتاب النکاح ، باب فی خطبة النکاح ، تحت رقم الحدیث:۲۱۱۸۔الدر المنضود ص۵۴ ج۴)

اب کوئی اس آیت کےقراءت متواترہ کےخلاف نقل کرنے پر یہ تحریک چلائے کہ''ابو داؤد'' کونصاب سے نکال دو،کیا یہ مطالبہ قابل عمل ہوگا؟

''سفینۃ البلغاء''اور''دروس البلاغۃ'' کاموازنہ

(۲۱)......چھٹی وجہ یہ ہے کہ''دروس البلاغۃ'' میں بمقابلہ''سفینۃ البلغاء'' کے مسائل بلاشبہ بہت زیادہ ہیں،دونوں کی فہرست مضامین پرایک طائرانہ نظرڈالنے سے یہ بات بہت جلد واضح ہوجائے گی۔

(ج)......معانی وبیان کے مباحث تو دونوں میں مکمل ہیں،البتہ بعض جگہوں میں اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔مثلاً''تعریف وتنکیر'' کی بحث اور''اطلاق وتقیید'' کی بحث میں ''دروس البلاغۃ''میں تفصیل ہے،اور''سفینۃ''میں اجمال ہے،اور جیسے''استعارات'' کی بحث میں بمقابلہ''دروس البلاغۃ'' کے''سفینۃ البلغاء''میں تفصیل ہے۔اور''علم بدیع''میں تقریباً تمام اقسام دو چند کےفرق کے ساتھ دونوں میں موجود ہیں۔اور''خلاف مقتضی الظاہر'' کی جومثالیں''دروس البلاغۃ'' میں زائد معلوم ہورہی ہیں وہ''سفینۃ البلغاء'' میں ''علم بدیع''میں ملیں گی۔

آخری گذارش

مولانا! ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق ایک فن کی مختلف کتابوں میں راجح، مرجوح کے درجات قائم کرسکتا ہے۔ کون سی زیادہ مفید ہے اور کون سی کم، اس پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔ اس میں اختلاف بھی ہوگا۔ اس لئے مختلف مدارس میں مختلف کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ کتابوں کا انتخاب عام طور سے مشورہ ہی سے ہوتا ہے۔ ایک عالم کی رائے پر نہیں۔ حضرت مولانا محمد سعید بزرگ کے زمانہ میں بھی کتابوں کی تبدیلی عمل میں آئی، لیکن مشورہ سے، لیکن جو کتابیں نکالی گئی ان کے خلاف ایسا مضمون نہیں لکھا گیا، جس سے متقدمین اساتذہ کی تجہیل اور ناعاقبت اندیشی کا شبہ ہو۔ یا کوئی ایسی تقریر کسی نے نہیں کی جس کی زد کسی پر پڑے۔

آپ کی تحریر پڑھ کر میں یہ سوچنے لگا کہ یہ کتاب حضرت مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کے دور اہتمام میں داخل نصاب نظر آرہی ہے، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہ اللہ اس وقت جامعہ کے بڑے اساتذہ تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا ادریس صاحب سکھروڈوی رحمہ اللہ بھی تھے۔ ان کے پاس بھی یہ کتاب تھی۔ اس وقت مصر سے جو نسخے اس کتاب کے آئے تھے، ان کے دیکھنے سے ان حضرات کو بھی اس کا علم رہا ہوگا کہ یہ کتاب مصر کے عیسائیوں کے مدرسہ سے شائع ہوئی ہے۔ ایسا تو نہیں کہ صرف آپ کو اور ہم کو ہی اس کا علم ہے۔ اس کے باوجود ان حضرات نے اس کتاب کو داخل نصاب کیا، اور پڑھاتے رہے، ''دروس البلاغة'' اور دیگر اس فن کی کتابوں کا علم ان کو بھی رہا ہوگا، ان حضرات میں سے کسی کو بھی اگر اس کا احساس

ہوتا کہ اس سے عیسائیت کی تبلیغ ہو رہی ہے یا ان کا عقیدۂ حلول یا عقیدہ تشبیہ ہمارے طلباء میں منتقل ہو رہا ہے، تو ایک منٹ کے لئے بھی وہ اس کو گوارہ نہ کرتے۔

آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد (اگر اس کو صحیح مان لیا جائے) تو پھر اس کتاب کے داخل نصاب رہنے کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ اسی لئے جن علماء نے آپ کی تحریر پڑھی، انہوں نے اس کی تائید کی، مگر مجھے معلوم نہیں کہ کسی طالب علم کو اس کتاب سے اس نوع کا کوئی نقصان ہوا ہو۔ (از: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہم)

ایک مفید کتاب کے بارے اس قدر کاوش کے بجائے ہمارے مدارس کے اور کمزور پہلوؤں کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دینے کی زیادہ ضرورت ہے، آپ جیسے مدرس اور جامعات کے احاطہ و ماحول میں زندگی گذارنے والے حضرات کے ان کوتاہیوں کی طرف توجہ مبذول کر سکتے ہیں اور کرا سکتے ہیں۔

یہ چند باتیں جلدی میں عرض کر دی گئی ہیں، امید کہ کوئی بات آپ کی شان کے خلاف آ گئی ہو تو دل سے معاف فرما دیں گے۔ میری اس تحریر پر آپ مواخذہ بھی فرمائیں گے تو آئندہ کوئی جواب یا رائے سے معذور ہوں۔ فقط: ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

چمن میں تلخ نوائی میری گوارہ کر　　　کہ زہر بھی کبھی دیتا ہے کار تریاقی

مرغوب احمد لاجپوری

۲۳؍محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق: ۳؍اکتوبر ۲۰۱۸ء

بدھ

’’سفینۃ البلغاء‘‘ کی خوبیاں

’’سفینۃ البلغاء‘‘ فن بلاغت پر ایک بہترین کتاب ہے۔ نہ بہت مختصر اور نہ بہت مفصل۔ جامعات اور مدارس دینیہ کے نصاب کے لئے نہایت مفید ہے۔ ہر باب اور فصل کے شروع میں آسان انداز میں قواعد لکھے گئے ہیں، پھر سوالات قائم کئے گئے ہیں جن سے قواعد کو یاد رکھنے میں بہت مدد ملتی ہیں۔ پھر تمارین ہیں، جن میں عمدہ امثال اور بڑے کار آمد اشعار کے علاوہ بکثرت نافع جملے نقل کئے گئے ہیں۔ ان تمارین سے قواعد مذکورہ کی خوب مشق ہوتی ہے، اور اجراء ہوتا ہے، جس کی افادیت اہل فن سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان خوبیوں سے بعض کتب خالی ہیں۔ بہر حال یہ ایک مفید اور فن کی عمدہ کتاب ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

’’سفینۃ البلغاء‘‘ نصاب میں داخل کرنے والے اکابر

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

یہ کتاب حضرت مولانا احمد بزرگ رحمہ اللہ کے دور اہتمام میں داخل نصاب نظر آرہی ہے، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب امروہی اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمہم اللہ اس وقت جامعہ کے بڑے اساتذہ تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا ادریس صاحب سکھروڈوی رحمہ اللہ بھی تھے۔ (انتہی)

راقم (مرغوب) عرض کرتا ہے کہ: مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب رحمہ اللہ جیسے فقیہ کے زمانہ میں بھی رہی۔ حضرت مولانا عبد الحئی صاحب بسم اللہ جیسے جید الاستعداد کے دور میں بھی رہی۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا علی محمد صاحب تراجوی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلوی، حضرت مولانا عبد الغفور صاحب سواتی رحمہم اللہ اور نہ جانے کن کن کہنہ مشق اساتذہ اور محقق اہل علم کے دور میں رہی اور اکابر علماء نے اسے پڑھایا۔

''سفینۃ البلغاء'' اہل علم کی نظر میں

(۱)......حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی رحمہ اللہ کی نظر میں:

جدید کتابوں میں علی جازم اور مصطفیٰ امین کی ''البلاغۃ الواضحۃ'' اور بعض اساتذہ کی ''سفینۃ البلغاء'' نامی کتاب برصغیر کے مدارس میں بھی درس میں شامل ہوکر مقبول عام ہوئیں۔

(۲)......حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی نظر میں:

''واقعۃً اگر اس کی تمرینات کو اچھی طرح حل کیا جائے اور کرایا جائے تو بہت مفید کتاب معلوم ہوتی ہے۔

(۳)......حضرت مولانا ایوب بندالہی صاحب دامت برکاتہم کی نظر میں:

''سفینة البلغاء''علم بلاغت میں ایک جدید مصری تالیف ہے جو انتہائی سہل انداز میں ترتیب دی گئی ہے۔ ہر باب میں چند اصول وقواعد بتا کر اس کی تمرینات درتمرینات دی ہیں، اس سے طالب علم کو بڑا نفع ہوتا ہے اور وہ قواعد ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

(۴)......مولانا مفتی رشید احمد فریدی صاحب مدظلہ کی نظر میں:

''سفینۃ البلغاء'' نامی ایک مختصر ومفید رسالہ جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل وغیرہ مدارس میں داخل نصاب ہے۔

مرغوب المقالة

علی تشبیه المائدة

اس مختصر رسالہ میں پر مائدہ کی عملی صورت بنانے کی تردید میں اکابر کے کلام کا خلاصہ مع دلائل کے جمع کیا گیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

بسم الله الرحمن الرحيم

از: مرغوب احمد لاجپوری

حضرت مولانا مفتی...............صاحب مدظلہ

السلام عليكم ورحمة الله و بركاته

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ مفتی صاحب! ایک ضروری امر کی وجہ سے عریضہ ارسال خدمت ہے، امید کہ بغور ملاحظہ فرما کر جواب شافی سے ممنون فرمائیں گے۔ چونکہ مسئلہ کی نوعیت ایک گونہ نئی ہے اور معاملہ اہل علم کا ہے، اس لئے قدرے تفصیلی دلائل مع مکمل حوالجات کے درج ہیں۔ خط کو کسی معاصرانہ عصبیت پر محمول نہ فرمائیں اور خالی الذہن ہوکر مطالعہ کی مؤدبانہ درخواست ہے۔

آپ کا ایک ویڈیو مائدہ کے بارے میں سننے اور دیکھنے کا موقع ملا، سنتے ہی اول مرحلہ میں تشویش ہوئی اور تعجب بھی ہوا۔

مولانا! آپ نے اچھی نیت اور اخلاص سے یہ کام کیا ہو، اور اس عمل سے ایک چیز کو سمجھانا مقصود ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ ﴿اثمهما اكبر من نفعهما﴾ کے مصداق اس کام کا فائدہ اس کے نقصان سے بہت کم ہے، اور اس کا مضر ہونا اہل علم واہل فہم سے پوشیدہ نہیں، مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسے دنیا دیدہ اور بزرگوں کی صحبت یافتہ صاحب علم وفہم سے اس طرح کا کام کس طرح وجود میں آ گیا یا انجانے میں کروا دیا گیا۔

کسی کام میں فائدہ اور نقصان دونوں ہوں تو نقصان دیکھتے ہوئے اس کو ترک کردینا ضروری ہے

چند دلائل سے اس کام کے صحیح نہ ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

(۱)......شریعت کا مشہور حکم ہے کہ اگر کسی کام میں فائدہ اور نقصان دونوں ہوں اور وہ کام ضروری نہ ہو (جیسے مائدہ کی تصویر اور اس کی نمائش) تو نقصان دیکھتے ہوئے اس کو ترک کردینا ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ:
ایک شخص مجلس رقص منعقد کرے اور کہے کہ اگر چہ رقص فی نفسہ ممنوع وحرام ہے، لیکن میری غرض اس مجلس سے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ جمع ہوجانے کے بعد میں اپنی وجاہت سے کام لے کر ان کو نماز پڑھنے پر مجبور کروں، اور اسی طرح ان کو نماز پڑھنے کی عادت ہوجائے، تو دیکھئے! بظاہر اس مجلس کی غایت کس قدر خوبصورت ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے، لیکن چونکہ اس مجلس میں ایک مصلحت کے ساتھ بہت سے مفاسد بھی ہمدوش ہیں، اور مجلس رقص بالذات یا بالغیر مطلوب نہیں جیسا کہ ظاہر ہے، اس لئے شریعت اس مصلحت مذکورہ کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دے گی، بلکہ اس کے مفاسد پر نظر کر کے اس مجلس کے انعقاد سے باز رکھے گی۔

(الرفیق فی سواء الطریق ص ۹۵ ج ۲۔ فتاوی رحیمیہ ص ۹۶ ج ۱)

حج فلم پر اکابر کی تنقید

(۲)......علماء کرام نے حج فلم کے عدم جواز اور اس کے نقصانات پر تقریباً اتفاق فرمایا، ممکن ہے حج فلم کی نمائش میں کسی کی نیت درست ہو، اور جیسے ان میں بعض نے دعوی بھی کیا کہ ہمارا مقصد تو حج کی ترغیب تھی، مگر اس طرح کی کسی ایک اچھی مصلحت کے باوجود اس کے نقصانات اہل نظر کی نظر میں تھے، اس لئے اس کے خلاف تحریر و تقریر کا فریضہ انجام دیا۔ کتب فتاوی کے اوراق اس کے شاہد ہیں۔ چند حوالوں کی نشاندہی مناسب سمجھتا ہوں:
امداد الفتاوی (جدید مطول حاشیہ) ص ۵۷ ج ۱۰۔ رسالہ: متن دفع اللج فی شناعة فلم

الحج۔کفایت المفتی ص۸۳ج۱۳،سوال نمبر:۵۴۶۴،ط:جامعہ فاروقیہ،کراچی۔احسن الفتاوی ص۱۷۳ج۸۔فتاوی رحیمیہ ص۹۵ج۱،سوال نمبر:۳۳۔تذکرۃ المرغوب ص۱۳۴۔

حج کی نقل اتارنے پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا فتوی

(۳)......علماء نے اس پر نکیر فرمائی جبکہ:لوگ ایک جگہ جمع ہوکر حج کی نقل کرتے تھے،ظاہر ہے ان کی نیت حج کی تو نہیں تھی،اور وہ اسے حقیقی معنی میں حج سمجھتے بھی نہیں تھے،مگر بعد میں عوام الناس ایسے بھی ہوئے کہ وہ اسے حج سمجھنے لگے۔دیکھئے!شروع میں مفاسد نہیں تھے،نیت اچھی تھی،مگر بعد میں مفاسد پیدا ہوگئے،بلکہ اس حد تک کہ اگر اس میں حج کا ثواب سمجھ لیا جائے تو قریب کفر تک پہنچ جائے گا۔علماء نے ابتدا ہی سے نکیر فرما کر گمراہی کے اس دروازے کو بند کردیا۔

(امداد الفتاوی(جدید مطول حاشیہ)ص۷۷ج۱۰۔رسالہ:متن دفع اللجج فی شناعة فلم الحج)

''تعریف''یعنی عرفات کے دن جمع ہونا بدعت ہے

(۴)......فقہاء امت نے''تعریف''یعنی عرفات کے دن جمع ہونے کو بدعت سے تعبیر کیا، اس لئے کہ بعض حضرات نے کہا کہ:اس میں کوئی مضائقہ نہیں،اور بعض حضرات نے تو اسے مستحب کہا تھا۔

(الانصاف ص۴۴۱ج۲۔الفروع ص۱۵۰ج۲،المغنی ص۳۹۹ج۲،تحفۃ المحتاج مع حواشی ص۱۰۸ج۴)

حالانکہ جمع ہونے والے میں ایک طبقہ کی نیت اچھی ہوگی کہ یہ مبارک دن ہے،اور میدان عرفات میں لوگ جمع ہوکر اللہ تعالی کے سامنے دعاوذکر میں مشغول ہیں،ہم بھی ان کی نقل کرکے کسی میدان میں جمع ہوکر اللہ تعالی کو یاد کریں اور دعا کرکے اس بابرکت دن کے برکات سے فائدہ اٹھائیں۔علماء نے اس کی مذمت فرمائی ہے،حتی کہ بدعت جیسے

الفاظ کی صراحت سے اس قباحت کو بیان کیا۔

''و التعریف الذی یصنعه النّاس لیس بشیء ، وهو ان یجمع الناس یوم عرفة فی بعض المواضع تشبیها بالواقفین بعرفة ''۔

(ہدایہ ص۱۸۵ ج۱، باب صلوۃ العیدین ، قبیل : فصل : فی تکبیرات التشریق ، کتاب الصلوۃ)

''وفی البنایة : قوله لیس بشیء أی لیس بشیء فی حکم الوقوف..... وسئل مالک عن ذلک ؟ قال : وانما مفاتیح هذه الاشیاء البدع ''۔

(البنایة فی شرح الهدایة ص۳۸۰ ج۳، باب صلوة العیدین ، قبیل : فصل : فی تکبیرات التشریق کتاب الصلوة ،مکتبہ حقانیہ، ملتان)

''موسوعہ فقہیہ'' میں ہے: عرفہ کے دن دوسرے ممالک اور شہروں میں لوگوں کا جمع ہونا اور غروب آفتاب تک اللہ تعالی سے دعا' ذکر اور تضرع کرنا جیسا کہ اہل عرفہ کرتے ہیں ''تعریف'' ہے۔(مغنی المحتاج ص۴۹۷ ج۱)

جمہور فقہاء (حنفیہ' مالکیہ' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مولی حضرت نافع' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت حکم' اور حضرت حماد رحمہم اللہ) کا مذہب ہے کہ تعریف مکروہ ہے۔

''طحطاوی'' نے کہا: حنفیہ کے کلام کا ظاہر ہے کہ وہ مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ وقوف کرنا مخصوص جگہ میں قربت ہے، لہذا دوسری جگہ اس کو کرنا جائز نہ ہوگا، جیسے طواف وغیرہ ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ مشابہت کے لئے کعبہ کے علاوہ کسی گھر یا مسجد کا طواف کرنا جائز نہیں ہے۔(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۹۴)

امام مالک رحمہ اللہ نے کہا: تعریف لوگوں کا کام نہیں ہے، ان اشیاء کے دروازے کھولنا بدعت ہے۔

شعبہ رحمہ اللہ سے منقول ہے: انہوں نے کہا: میں نے حضرت حکم وحضرت حماد رحمہما اللہ سے عرفہ کے دن مساجد میں لوگوں کے جمع ہونے کے بارے میں دریافت کیا تو ان دونوں نے کہا: یہ بدعت ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ: وہ بدعت ہے۔ (الحوادث والبدع للطرطوشی ص۹۸۔ المجموع ص۱۱۷ ج۸)

ابن مفلح رحمہ اللہ نے کہا: (اور مرداوی رحمہ اللہ نے ان کی اتباع کی ہے) کہ شیخ تقی الدین رحمہ اللہ عرفہ کے علاوہ میں تعریف کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ منکر ہے، اور اس کا کرنے والا گمراہ ہے۔ [۱]

(الفروع ص۱۵۰ ج۲)۔ الانصاف ص۴۴۱ ج۲۔ موسوعہ فقہیہ (عربی) ص۳۳۵/۳۳۶ ج۴۵۔

(اردو) ص۳۶۱ ج۴۵، عنوان: یوم عرفہ)

---

[۱] ...... حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

بروز عرفہ جمع ہونا لوگوں کا تشبہاً بالواقفین اور نفل با جماعت کثیرہ پڑھنا بخیال حصول ثواب حج لا ریب بے اصل اور بدعت ومکروہ ہے۔ ’’فی رد المحتار: والحاصل ان الصحیح الکراهة کما فی الدرر، بل فی البحر ان ظاهر ما فی غاية البيان انها تحريمية، وفی شرح المنية: انما مفاتيح هذه الاشياء البدع.... وما لم يكن من امرهم فهو بدعة والبدعة اذا لم يستلزم سنة فهی ضلالة‘‘۔

(عزیز الفتاوی ص۱۲۶ ج۱ سوال نمبر:۵۳، کتاب السنة والبدعة)

’’فتاوی حقانیہ‘‘ میں ہے:

عرفہ کا دن اگر چہ بہت مبارک دن ہے لیکن حجاج کے ساتھ تشبہ کے لئے میدان عرفات کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں میں باہر کھلے میدان میں نکل کر ظہر وعصر کی نمازیں ادا کرنے کے بارے میں شریعت مقدسہ میں سے کوئی حکم وارد نہیں، اس لئے فقہاء کرام نے اس عمل کو بے اصل اور بدعت قرار دیا ہے، اسی لئے اس عمل پر کسی کے اجر وثواب کی امید تو درکنار بلکہ الٹا عذاب کا خطرہ ہے۔

(فتاوی حقانیہ ص۸۱ ج۲، کتاب البدعة والرسوم)

خانۂ کعبہ کا ماڈل بنانا مناسب نہیں

(۵)......علماء سے سوال کیا گیا کہ: عازمین حج کی تربیت کے لئے خانۂ کعبہ زادہا اللہ شرفاو عظمۃ کا ایک تین چار فٹ اونچا لکڑی کا ماڈل یعنی خانۂ کعبہ بنا کر اس کے اطراف طواف کرتے ہوئے عملی مشق کرنا، یا کسی ایک آدمی کا اس کے اطراف طواف کرتے ہوئے عملی مشق کرنا، یا کسی ایک آدمی کا اس کے اطراف طواف کرتے ہوئے عملی تربیت دینا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ تو جواب میں تحریر فرمایا کہ:

عازمین حج کی تربیت کے لئے کعبہ معظّمہ کا ماڈل بنانا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ اندیشہ ہے کہ آگے چل کر ناواقف عوام اس ماڈل کی تعظیم وتکریم شروع کردیں اور پھر اس فتنہ کو روکنا مشکل ہو، لہذا شروع ہی سے اس بارے میں احتیاط کرنا لازم ہے، اگر کوئی بات سمجھانی ناگزیر ہو تو بیت اللہ شریف اور مسجد حرام کی مطبوعہ تصاویر دکھا کر اس ضرورت کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ قاعدہ:......اذا تعارض المانع والمقتضی یقدم المانع ۔

(قواعد الفقہ :۵۶۔کتاب النوازل ص ۵۰۷ ج ۱۶، سوال نمبر: ۹۵۸)

تعزیہ بنانے اور براق کی تشبیہ بنانے پر حضرات علماء کی سخت نکیر

(۶)......تعزیہ بنانے والے اپنے خیال ناقص میں حضرات شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزار کی مشابہت کرتے ہیں، اور براق کی تشبیہ بناتے ہیں وغیر ذلک، اس پر حضرات علماء نے سخت نکیر فرمائی اور حرمت کا فتوی دیا۔

(امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ ص ۴۸۷ ج ۱۱، سوال نمبر: ۳۲۷۰، کتاب البدعات ، رسالہ: الفعل المحرم فی فصل المحرم۔ فتاوی حقانیہ ص ۱۸۱ ج ۲، کتاب البدعۃ والرسوم)

’’آستانہ سرور عالم‘‘ کے نام سے عمارت بنانا بدعت‘ گمراہی اور فتنہ ہے

(۷)......علماء کی خدمت میں یہ سوال آیا کہ ’’آستانہ سرور عالم‘‘ کے نام سے کوئی عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے؟ اوراس کی تعظیم واحترام کی نسبت شرعا کیا حکم ہے؟ تو جواباً تحریر فرمایا کہ:

’’آستانہ سرور عالم‘‘ کے نام سے کوئی عمارت بنانا بدعت‘ گمراہی اور فتنہ عظیمہ ہے۔ ایسی عمارت ہرگز نہ بنائی جائے اور نہ اس کی کوئی عزت اور حرمت تسلیم کی جائے۔

(کفایت المفتی ص ۸۷ ج ۲،سوال نمبر:۴۴۷، باب البدعات والرسوم، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

دیکھئے! اس میں بھی وہی نقصان کا پہلو زیادہ تھا، اس لئے اس طرح کی عمارت کی اجازت نہیں دی گئی۔

مائدہ کی نقل کا ایک نقصان......کیا اسلاف سے ایسا عمل ثابت ہے؟

(۸)...... مائدہ جنت عمدہ اور لذیذ کھانا تھا، اگر اس کی نقل اتاری جانے لگے، (جیسا کہ اس ویڈیو میں دکھایا گیا اور دیکھنے والوں کو بھی مطعم میں آنے کی دعوت دی گئی) اور ظاہر ہے کہ ہر وقت کے طباخ لذیذ کھانا پکانے پر قدرت نہیں رکھتے ،کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خواہی نخواہی پکانے میں لذت نہ ہوئی اور کھانے والے کے دل میں اس طرح کے وسوسے اور خیالات یا زبان پر مزاحا یا تحقیرا ایسے جملے آ گئے کہ: اس طرح جنت کا کھانا ہوتا تھا؟ اس سے بہتر تو ہمارے کھانے ہیں، تو جنت کی نعمتوں کی ناقدری ہی نہیں تحقیر واہانت لازم نہیں آئے گی؟۔

(۹)......چودہ سوسالہ تاریخ میں کیا کسی مفسر یا عالم نے تفسیری روایات کو سامنے رکھ کر اس طرح کی نقل اتاری یا اتروائی؟ اگر اس کا ثبوت ہو تو فبہا، ورنہ اسلاف کے عمل کے خلاف اس طرح کا عمل کیا قابل تعریف ہوسکتا ہے؟۔

آپ ﷺ کے موئے مبارک اور نعل مبارک کے متعلق اکابر کی رائے

(۱۰)......آج تو آپ نے صرف مائدہ کی ایک شکل تیار کروائی اور اس کا افتتاح کیا، نہ جانے آگے عوام بے لگام اس میں کیا کیا زیاتی اور غلو کریں گے؟ اس لئے بھی یہ صورت قطعاً نامناسب بلکہ عدم جواز تک کہی جاسکتی ہے۔ ہمارے حضرات ارباب افتاء نے تو نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک یا اور کوئی متبرک اشیاء کے بارے میں یہاں تک تحریر فرمادیا کہ:

اگر یہ ثابت ہوجائے کہ آنحضرت ﷺ کا موئے مبارک یا اور کوئی چیز کسی کے پاس موجود ہے تو اس اصلی چیز کو محبت کے طور پر احترام سے رکھنا اور اس سے استشفاء جائز ہے، مگر چونکہ عام طور پر جو آثار حضور ﷺ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، ان کا ثبوت اور سند نہیں، اس لئے ان کی تکریم اور احترام کرنا بے اصل اور بے سند ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے.....نیز اصلی آثار کے ساتھ بھی اس قدر غلو کا معاملہ کرنا.....ناجائز اور بدعت ہے۔

(کفایت المفتی ص۱۴۱ ج۳، سوال نمبر:۸٦۷، ما يتعلق بالآثار المتبركة، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نعل مبارک کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر آنحضرت ﷺ کی استعمال کی ہوئی نعل شریف کسی کو مل جائے تو زہے سعادت اور فرط محبت سے اس کو بوسہ دینا، سر پر اٹھالینا بھی موجب سعادت ہے، مگر یہ تو اصل نعل نہیں، اس کی تصویر ہے، اور وہ بھی متیقن نہیں کہ یہ تصویر اصل کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور تصویر کے ساتھ اصل شئی کا معاملہ کرنا شریعت میں معہود نہیں، ورنہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک' پائے مبارک' موئے مبارک اور قمیص مبارک' جبہ مبارک کی تصویریں بھی بنائی جاسکتی ہیں، اور اگر ان میں بھی اصل کی مطابقت کے ثبوت سے قطع نظر کرلی جائے، تو

پھر آج ہی بے شمار تصویریں بن جائیں گی اور ایک فتنۂ عظیمہ کا دروازہ کھل جائے گا۔
(کفایت المفتی ص۱۴۵ ج۳،سوال نمبر:۰ ۸۷، ما یتعلق بالآثار المتبرکۃ، ط: جامعہ فاروقیہ،کراچی)

کوئی ''من وسلوی'' کی نقل اتار کر اپنی تجارت کو فروغ دے گا

(۱۱)......آج کوئی ''مائدہ'' کی نقل اتار رہا ہے،کل کوئی دوسرا ''من وسلوی'' کی نقل اتار کر اپنی تجارت کو فروغ دے گا۔کیا اس طرح قرآن اور احادیث کے بیان کردہ اشیاء کی مشابہت اور نقل بازی تاجروں کا کھیل نہیں بنے گی؟

''مائدہ'' کی شکل دیکھ لی، اب تفسیروں میں ''من وسلوی'' کی تلاش ہوگی کہ وہ کیا چیزیں تھیں؟ جب مل جائے گا کہ: ''من'' یہ ترنجبین ہے، جو ایک نفیس شیریں ذائقہ دار مادہ تھا، جو شبنم کی طرح صبح کے وقت آسمان سے اترتا اور بڑی مقدار میں چھوٹے درختوں پر منجمد ہوجاتا تھا، یا پتلی چپاتی تھی، یا گوند کی طرح کوئی چیز تھی جو درختوں پر آ آ کر گرتی تھی، اس کا مزہ شہد جیسا ہوتا تھا۔اور ''سلوی'' بٹیر کے مشابہ پرندہ ہے یا بٹیر ہی مراد ہے۔ یہ بھی منقول ہے کہ: وہ بھنا ہوا اترتا تھا۔یا یہ کہ بکثرت زندہ پرندے ان کے پاس جمع ہوجاتے تھے، اور بھاگتے نہیں تھے۔(دیکھئے! تفسیر مظہری ص۱۴۴ ج۱، ط: مکتبہ لدھیانوی، کراچی۔معارف القرآن ص۲۷۱ ج۱۔تبیان القرآن ص۴۰۶ ج۱۔سورۂ بقرہ آیت نمبر:۵۷)

اب کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی اپنے مطعم میں نقلی درخت لگائے ،اور شہد کی طرح کوئی میٹھی چیز گرانے کی ایجاد کرے، آج کے دور جدید میں کوئی مشکل نہیں۔کوئی پتلی پتلی چپاتی بنا بنا کر ''من'' کے نام سے کمائے گا، اور بٹیر کے شوقین سلوی کے نام سے خوب مزے اڑائیں گے اور کمانے والے خوب کمائیں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی زندہ بٹیروں کو جمع کر کے آڈر پر اسی وقت ذبح کر کے ''فریش'' کے نام سے ''غبن فاحش'' کے مرتکب ہو کر اندھا

دھند نفع کمائے، بلکہ اوپر کی منزل میں بھن کر تفسیری روایت کے موافق کھانے والوں کے سامنے بھنا ہوا ہی برسائے، اور بعید نہیں کہ زیادہ ہفتہ اور اتوار کو یہ تماشہ ہو، جب کہ ’’سلویٰ‘‘ کا برسنا ہفتہ کو موقوف رہتا تھا، مگر یہاں تو تعطیل اور رخصت کے ایام: ہفتہ اور اتوار ہی تجارت کے اصل ایام ہیں۔

کوئی آپ ﷺ کے دسترخوان کی نقل اتار کر گوہ رکھے گا

(۱۲)......مولانا! کل کوئی اور صاحب اپنی تجارت کو چمکانے کے لئے آپ ﷺ کے دسترخوان کی نقل اتارے گا۔ اور بعید نہیں کہ آج کل کے مجتہد بنے ہوئے ’’بخاری شریف‘‘ کا ترجمہ پڑھ کر اس دسترخوان پر گوہ بھی رکھ دیں، اس لئے کہ ’’بخاری شریف‘‘ میں ہے:

’’عن ابن عباس رضی الله عنهما قال : اَهْدَتْ امّ حفيد خالة ابن عباس رضی الله عنهم الی النبی صلی الله عليه وسلم اَقِطاً و سَمْنًا و اَضبّا ، فأكل النّبی صلی الله عليه وسلم من الاقِط والسمن ، وترک الضّبّ تقذُّراً ، قال ابن عباس رضی الله عنهما : فأُكِل علی مائدة رسول الله صلی الله عليه وسلم ولو كان حراما ما اُكل علی مائدة رسول الله صلی الله عليه وسلم۔

(بخاری، باب قبول الهدية ، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها ، رقم الحديث:۲۵۷۵)

ترجمہ:......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ حضرت ام حفید رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پنیر، گھی اور گوہ (ایک جانور) کو پیش کیا، نبی کریم ﷺ نے پنیر اور گھی کو تناول فرمایا، اور گوہ سے گھن کے سبب اعراض فرمایا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: گوہ رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر کھائی گئی، اگر وہ حرام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کے دسترخوان پر نہ کھائی جاتی۔

یہ تو ایک مثال ہے آپ ﷺ کے مائدہ اور دسترخوان کی دسیوں مثالیں کتب احادیث میں ہیں۔

(۱۳)......حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے نقشۂ نعل شریف کی طباعت کے بعد جب موافق ومخالف خیالات کے اظہار کا علم ہوا تو تحریر فرمایا کہ:

یہ سب تفصیل حکم فی نفسہ کی ہے، ورنہ جہاں احتمال غالب مفاسد کا ہو، وہاں نقشہ تو کیا خود اصل تبرکات کا انعدام بھی بشرط عدم اہانت و بشرط عدم لزوم ابقاء مطلوب و مامور ہوگا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ قطع شجر کا منقول ہے۔

اور ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں: اب مجھ کو خواص کے اس اختلاف آراء سے نفس مسئلہ میں تردد پیدا ہوگیا، پھر اس کے ساتھ عوام کے اختلاف اَہواء سے جس سے میرا ذہن خالی تھا، مصالح دینیہ اسی کو مقتضی ہیں کہ بحکم ''دَع ما یَرِیبُک الی ما لا یَرِیبک ''۔

(ترمذی، باب حدیث اعقلها و توكل ، ابواب صفة القيامة ، رقم الحديث:۲۵۱۸)

اپنے رسالہ ''نیل الشفاء'' سے رجوع کرتا ہوں، اور کوئی درجہ تسبب للضرر کا اگر واقع ہوگیا ہو، اس سے استغفار اور کسی عاشق صادق کے اس فیصلہ کا استحضار اور تکرار کرتا ہوں ۔

علی أنني راض بأن أحمل الهوی وأخلص منه لا علی و لا لیا

(اتمام المقال فی بعض احکام التمثال۔کفایت المفتی ص:۱۵۴/۱۶۰ ج۳، ما یتعلق بالآثار المتبرکة، ط: جامعہ فاروقیہ، کراچی)

فقہاء نے بعض اوقات ذکر کو بھی ممنوع فرمادیا

(۱۴)......فقہاء نے تو بعض اوقات ذکر کو بھی ممنوع اور گناہ فرمادیا۔

''قال قاضیخان : الفقاعی اذا قال : عند فتح الفقاع للمشتری : صل علی

محمد ، قالوا: يكون آثما ، وكذا الحارس اذا قال في الحراسة : لا اله الا الله يعني لاجل الاعلام بانه مستيقظ ''۔

(الاشباہ والنظائر ص۱۰۴ ج۱، الفن الاول ، القاعدة الثانية : الامور بمقاصدها)

یعنی قاضی خان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: شراب بیچنے والا' مشتری کے لئے شراب کی بوتل کا منہ کھولتے وقت ''صل على محمد '' پڑھے تو فقہاء کرام نے فرمایا: گنہگار ہوگا۔ایسے ہی نگہبان اپنی نگہبانی کے دوران یہ بتلانے کے لئے میں بیدار ہوں ''لا اله الا الله '' کہے تو گنہگار ہوگا۔(نورالبصائر شرح الاشباہ والنظائر ص۱۸۱ ج۱)

''واذا قال الحارس :لا اله الا الله و نحوه ليعلم باستيقاظه ، فلم يكن المقصود الذكر ''۔(الدر المختار مع رد المحتار ص۶۱۷ ج۹، فصل في البيع ، آخر كتاب الحضر والاباحة ، ط:مكتبة دار الباز، مكة المكرمة)

جو چیز ناجائز تک پہنچائے وہ بھی ناجائز ہے

(۱۵)......فقہاء نے یہ جزئیہ لکھا ہے کہ: جو چیز ناجائز تک پہنچائے وہ بھی ناجائز ہے:

وكل ما أدى الى ما لا يجوز لايجوز۔

(الدر المختار مع رد المحتار ص۵۱۹ ج۹، كتاب الحضر والاباحة ، فصل في اللبس ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة)

(۱۶)......علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ: جب مصالح پر مفسدات غالب آجائیں تو ان پر حرمت کا حکم عائد ہوگا۔''روح المعانی''میں ہے:

(ایک)......فان المفسدة اذا ترجحت على المصلحة اقتضت تحريم الفعل۔

(روح المعاني ص۳۷۱ ج۲، سورة البقرة : تحت الآية﴿وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ :۲۱۹)

(دو)......واستدل بالآية على ان الطاعة اذا أدت الى معصية راجحة وجب تركها ' فان ما يؤدى الى الشَّرِّ شر۔

(روح المعانی ص۳۷۱ج۲، سورة الانعام : تحت الآية﴿ولا تَسبُّوا الّذين يدعون﴾ :۱۰۸)

(تین)......كل مباح يؤدى الى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه ' فهو مكروه۔

(تنقيح الفتاوى الحامدية ، ص۳۳۳ج۲، مسائل و فوائد شتى من الحضر والاباحة و غير ذلک ط : مكتبة دار المعرفة ، بيروت)

(چار)......فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها۔

(سباحة الفكر فى الجهر بالذكر ص۳۴۔ مجموعه رسائل اللكهنوى ص۴۹۰ج۳)

(پانچ)......سجدة الشكر مستحبة به يفتى ، لكنها تكره بعد الصلوة ، لان الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة ، وكل مباح يؤدى اليه فمكروه۔

(الدر المختار مع رد المحتار ص۵۸۹ج۲، باب سجود التلاوة ، مطلب : فى سجدة الشكر ، كتاب الصلوة ، قبيل : باب : صلوةُ المسافر ، ط : مكتبة دار الباز ، مكة المكرمة۔

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ص۵۰۰، فصل: سجدة الشكر مكروهة عند ابى حنيفة رحمه الله ' كتاب الصلوة ، قبيل : باب الجمعة ، ط: دار الكتب العلمية ، بيروت)

(چھ)......خود آپ نے ترجمۂ قرآن میں کتنا صحیح لکھا ہے:

''اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی جائز کام سے دوسروں کو ناجائز کام میں پڑنے کی گنجائش ملتی ہو تو ایسے جائز کام سے بھی بچنا چاہئے ، بس اتنا ہے کہ وہ شریعت کے بنیادی فرائض میں سے نہ ہو''۔ (تیسیر القرآن ص۵۱ج۱۔سورۂ بقرہ تحت آیت نمبر:۱۰۴)

(۱۷)......شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

نوع شانزدہم :......صورتِ چیزے راحکم آں چیز دادن وایں وہم اکثر راہِ بت پرستاں زدہ، وآنہارادرضلالت افگندہ،الخ''۔

(تحفۂ اثناعشریہ ص۳۵۱، باب یازدہم، ط:نول کشورلکھنو، لاہور)

یعنی: سولہویں قسم: کسی چیز کی تصویر پر بعینہ اسی چیز کا حکم لگانا اوراس طرح کا وہم کی بناء پر بہت سے لوگ بت پرستی کی راہ اختیار کر لیتے ہیں اور ضلالت وگمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔

(امدادالفتاوی جدید مطول حاشیہ ص۴۸۸ ج۱۱،سوال نمبر:۳۲۷۰، کتاب البدعات ، رسالہ : الفعل المحرم فی فصل المحرم)

آخرت کی اشیاء کی تصویر سازی میں ایک شناعت اس کی اہانت کی ہے

(۱۸)......آخرت اور جنت کی اشیاء کی اس طرح تصویری شکل کرنے میں ایک شناعت اس کی اہانت کی بھی ہے، جو درحقیقت اسلام کی اہانت ہے جس کا تحمل طبعا وشرعا کسی طرح ممکن نہیں۔

مائدہ کی تفسیر میں صحیح روایت ''ترمذی شریف'' کی ہے

(۱۹)...... یہ مائدہ کی تمثیلی صورت ہے اصل نہیں،اور تصویر بھی متیقن نہیں،اس لئے کہ تفسیری روایات بھی مختلف ہیں۔مائدہ کے بارے میں تفسیری روایات تو بکثرت ہیں،مگر ان میں صحیح روایت وہ ہے جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایت فرمائی ہے:

عن عمار بن یاسر رضی الله عنه قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اُنزلت المائدة من السّماء خُبزا و لحما ، واُمروا ان لا یخونوا ولا یدّخروا لغد ، فخانوا و ادّخَروا و رفعوا لغدٍ ، فمُسِخوا قِرَدة و خنازیرَ۔

ترجمہ:...... حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آسمان سے جو خوان نازل کیا گیا تھا، اس میں روٹیاں اور گوشت تھا، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس میں نہ خیانت کریں اور نہ اس کو کل کے لئے بچا کر رکھیں۔ انہوں نے خیانت بھی کی اور کل کے لئے بچا کر رکھا، سوان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔

(ترمذی، [باب] ومن سورة المائدة ، ابواب تفسير القرآن ، رقم الحديث:۳۰۶۱)

''جامع البیان'' کی روایت میں ہے کہ: اس میں جنت کے پھول تھے۔

(جامع البیان ص:۱۸۰/۱۷۹، جز:۷، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت)

آپ نے مائدہ کی جو تفصیل بیان کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اس دستر خوان پر بغیر کانٹے کی بھنی ہوئی مچھلی، اور اس میں سے چربی کا تیل بہہ رہا تھا، سر کے پاس نمک اور پاؤں کے پاس سرکہ تھا، ارد گرد مختلف قسم کی سبزیاں تھیں، اور پانچ طرح کی روٹیاں تھیں، ایک پر زیتون، ایک پر شہد، ایک پر گھی، ایک پر پنیر، اور ایک پر نمکین گوشت کا ٹکڑا لگا ہوا تھا۔

اور اسی کے مطابق آپ نے وہ کھانا تیار کروایا، مگر تفسیری روایات میں اس کی تفصیل اور بھی آئی ہے، اس عریضہ کے آخر میں مائدہ کے بارے میں تفسیری روایات بھی ملاحظہ فرمالیں۔

مائدہ کی تفسیر میں تفصیلی روایت...... آپ کی بنائی ہوئی شکل میں نقائص

سلمان الخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جب حواریوں نے حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام سے مائدہ (طعام کے خوان) کا سوال کیا تو آپ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالی سے ڈرو، اور اللہ تعالی نے تم کو جو رزق حلال زمین سے دیا ہے

اس پر قناعت کرو، اور آسمان سے مائدہ کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر وہ تم پر نازل کیا گیا تو وہ تمہارے رب کی طرف سے نشانی ہوگی، تم سے پہلے قوم ثمود نے اپنے نبی سے نشانی کا سوال کیا تھا، وہ اس نشانی میں مبتلا کیئے گئے، پھر اس نشانی کے تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے وہ ہلاک کردیئے گئے، جب ان کی قوم نے اصرار کیا تو حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز پڑھی اور بہت گریہ وزاری سے دعا کی: اے اللہ! ہم پر آسمان سے مائدہ نازل فرما، تو اللہ تعالی نے دو بادلوں کے درمیان سے ان پر سرخ دسترخوان نازل کیا، بنو اسرائیل اس کو نازل ہوتے دیکھ کر خوش ہورہے تھے، اور حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام خوف زدہ ہوکر بار بار دعا کررہے تھے، اے اللہ! اس خوان کو رحمت بنانا اور اس کو غضب نہ بنانا۔ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام دعا کررہے تھے کہ وہ دسترخوان حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آکر ٹھہر گیا، حواریوں کو اس سے ایسی خوشبو آئی جیسی انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی، حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ حواری اس دسترخوان کے گرد بیٹھ گئے، وہ خوان ایک رومال سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص سب سے زیادہ عبادت گزار اور اللہ کا شکر گزار ہوگا' وہ اس کو کھولے گا۔ حواریوں نے کہا: یا روح اللہ! آپ ہی اس کو کھولنے کے لائق ہیں، حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے دوبارہ وضو کیا، نماز پڑھی اور اللہ تعالی سے رو رو کر اپنے اور قوم کے لئے برکت کی دعا کی، پھر اس کو کھولا تو اس میں بہت بڑی بھنی ہوئی مچھلی تھی، جس میں کانٹے نہیں تھے، اور اس سے گھی بہہ رہا تھا، اور اس کے گرد ہر قسم کی سبزیاں تھیں، اور نمک اور سرکہ تھا، اور پانچ روٹیاں تھیں، ایک روٹی پر زیتون' ایک پر کھجور اور باقیوں پر انار رکھے تھے۔

شمعون نے کہا: یا روح اللہ! یہ طعام دنیا کے طعام میں سے ہے یا آخرت کے طعام میں سے؟ آپ نے فرمایا: یہ نہ دنیا کا طعام ہے نہ آخرت کا، اس کو اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے رب کا شکر ادا کرو، وہ تم کو مزید عطا فرمائے گا، انہوں نے کہا: یا روح اللہ! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اس نشانی میں ایک اور نشانی دکھائیں، حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: سبحان اللہ! کیا تمہارے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے؟ جو اور نشانی کا سوال کرتے ہو؟ جب انہوں نے اصرار کیا تو حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس مچھلی سے کہا: اے مچھلی تو اللہ کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح زندہ ہوجا، وہ مچھلی اللہ تعالی کی قدرت سے زندہ ہوگئی۔ وہ شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی، اور اس کی آنکھیں گردش کرنے لگیں اور وہ پھڑکنے لگی، حواری خوف زدہ ہوکر بھاگنے لگے۔ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: پہلے تم نے نشانی کا مطالبہ کیا تھا، اب نشانی دیکھ کر ڈرتے کیوں ہو؟ پھر آپ نے مچھلی سے فرمایا: اے مچھلی! اللہ تعالی کے حکم سے دوبارہ پہلے کی طرح بھنی ہوئی ہوجا، پھر انہوں نے کہا: اے روح اللہ! آپ کھانے کی ابتداء کریں، آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! وہی کھانے کی ابتداء کرے گا جس نے اس کا مطالبہ کیا تھا، حواری اور ان کے اصحاب ڈرتے تھے کہ اس کے کھانے سے کہیں وہ مثلہ نہ ہوجائیں، یا ان پر کوئی آفت نہ آجائے، تب حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے فقراء اور اپاہجوں کو بلایا کہ تم اللہ تعالی کے رزق اور اپنے نبی کی دعا سے کھاؤ، اللہ تعالی کے نام سے شروع کرو اور اللہ تعالی کے شکر پر ختم کرو، تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی، سو اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں اور عورتوں نے کھایا، اور ان میں سے ہر شخص سیر ہوگیا۔ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام اور حواریوں نے دیکھا وہ طعام

اسی طرح تھا اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی، پھر وہ مائدہ آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، اور جس فقیر نے اس مائدہ سے کھایا تھا وہ غنی ہو گیا، اور جس اپاہج نے کھایا وہ تندرست ہو گیا، اور وہ لوگ تا دم حیات اسی طرح رہے۔ پھر حواری اور ان کے اصحاب اس میں سے نہ کھانے پر پشیمان ہوئے، اور تا دم مرگ ان کے دل میں اس سے کھانے کی حسرت رہی۔ چند دنوں بعد پھر مائدہ نازل ہوا، پھر ہر جگہ سے امیر اور غریب' صحت منداور بیمار' چھوٹے اور بڑے بنواسرائیل اس پر ٹوٹ پڑے، جب حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ دیکھا تو آپ نے باری مقرر کر دی۔ ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن نازل نہ ہوتا، چالیس دن تک یہی معمول رہا، جب تک وہ کھاتے رہتے مائدہ ان کے سامنے رہتا اور جب وہ کھا چکتے تو مائدہ آسمان کی طرف اٹھ جاتا، وہ اس کو دیکھتے رہتے، حتی کہ وہ ان کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا، پھر اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف وحی کی کہ: اس مائدہ سے یتیموں' فقیروں اور اپاہجوں کو کھلایا جائے، اور امیر لوگوں کو نہ کھلایا جائے، تب امیروں نے اس میں شک کرنا شروع کر دیا، اور اس کے متعلق بری باتیں پھیلا دیں، اور حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام سے کہا: کہ آپ ہمیں مائدہ کے نزول کے متعلق مطمئن کریں، کیونکہ بہت لوگ اس میں شک کرتے ہیں (کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ہے یا نہیں؟) حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: بخدا! اگر تم نے اس میں شک کیا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے، اور اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف وحی فرمائی کہ: میں نے اسی شرط سے مائدہ نازل کیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں ایسا عذاب کسی کو نہ دیا ہوگا۔ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے عرض کیا: اے اللہ! اگر آپ ان کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو

آپ بہت غالب اور حکمت والے ہیں۔ شام کو جب شک کرنے والے بستروں پر اپنی عورتوں کے ساتھ لیٹے تو ان کی اچھی صورتیں تھیں اور رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالی نے ان کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا، صبح کو وہ کوڑے اور گندگی کے ڈھیروں پر گندگی تلاش کر کے کھانے لگے۔ پھر باقی بنو اسرائیل خوف زدہ ہو کر حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی اطاعت کرنے لگے، جب حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام باہر نکلتے تو وہ خنزیر دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آتے اور آپ کے پیروں پر گرتے اور زار و قطار روتے، حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام ان میں سے ہر شخص کا نام لے لے کر پکارتے، ان میں سے ہر ایک اپنا سر ہلاتا تھا اور بول نہیں سکتا تھا، آپ فرماتے: میں تم کو اللہ تعالی کے عذاب سے ڈراتا تھا، گویا میں پہلے سے یہ دیکھ رہا تھا، وہ تین دن اسی طرح بلکتے رہے، اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے رہے، لوگوں کے دل ان کا حال دیکھ کر پگھل گئے، پھر چوتھے دن حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالی سے دعا کی کہ: ان پر موت طاری کر دیں، سو چوتھے روز وہ مر گئے اور زمین پر ان کا مردہ جسم نہیں دکھائی دیا، اللہ تعالی ہی جانتا ہے کہ ان کے مردہ اجسام کہاں گئے؟ البتہ یہ ایسا عذاب تھا جس سے ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور روئے زمین پر ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ (کتاب العظمہ ص ۳۶۷/۳۶۳، ط: دار الکتب العلمیہ)

اس حدیث کو بعض مفسرین نے اختصار سے، اور بعض نے تفصیل سے، بعض نے اپنی سند سے، اور بعض نے بغیر سند کے بیان کیا ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

زاد المسیر ج ۲ ص ۴۶۱/۴۵۹۔ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۷۲۔ الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۲۸۲۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸۵/۶۸۲۔ البیضاوی مع الکازرونی ج ۲ ص ۳۸۲/۳۸۱۔ الدر المنثور ج ۲ ص ۳۴۷/۳۴۶۔ تفسیر ابو السعود علی ھامش

التفسیر الکبیر ج۴ص ۹۵/۹۷۔ تفسیر الجمل ج۱ص ۵۴۵/۵۴۶۔روح المعانی ج۷ص ۶۳/۶۴۔ قصص الانبیاء للثعلبی ص ۴۰۱/۴۰۲۔ تفسیر السمرقندی ج۱ص ۴۶۸۔تبیان القرآن ص ۳۷۱/۳۷۲/۳۷۳ ج ۳۔

اس تفصیلی روایت کو سامنے رکھا جائے تو آپ کی بنائی ہوئی مائدہ کی صورت بہت ناقص رہے گی،اس کے علاوہ چند باتیں بہت قابل غور ہیں:

(۱)......حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام مائدہ کو دیکھ کر خوف زدہ ہوکر بار بار دعا کر رہے تھے،اور یہاں سب پر ایک خوشی سماں لگ رہا ہے۔

(۲)......اس میں ایسی خوشبو تھی جو پہلے کبھی نہیں سونگھی گئی، کیا یہاں بھی ایسا ہوسکتا ہے؟۔

(۳)......حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام سجدہ میں گر گئے،اور یہاں سجدہ نہیں ہوا۔

(۴)......روٹیوں کی تفصیل میں فرق ہے، وہاں آپ کی تفصیل میں انار مفقود ہے، اور دوسری تفسیر میں انار ہے۔

(۵)......وہاں مچھلی زندہ ہوئی،اور حواری خوف سے بھاگے، یہاں یہ ممکن نہیں۔

(۶)......وہاں سب سے پہلے فقراء اور معذوروں کو کھلایا گیا، یہاں تو وہ بچارے اس طرح کی مجلس میں شرکت کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

(۷)......اس مائدہ سے تیرہ سو مردوں وعورتوں نے کھایا، یہاں کتنے تھے؟۔

(۸)......اس کے کھانے سے فقیر غنی ہوگیا، بیمار تندرست ہوگیا،اور یہاں؟۔

(۹)......وہاں نہ کھانے والوں نے حسرت کی، یہاں تو (انشاء اللہ صحیح مسئلہ معلوم ہونے پر) شاید شریک ہونے والے حسرت کریں گے؟۔

(۱۰)......وہاں تو بعد میں اغنیاء کو کھانے سے روک دیا گیا، یہاں تو فقراء روکے جائیں

گے یا رک جائیں گے (بیچاروں کے پس اتنی گنجائش کہاں ہوگی کہ سورت مطعم میں جا کر کھائیں)۔

(۱۱)...... وہاں شک کرنے والوں پر اللہ تعالی کا عذاب آیا، یہاں کیا ہوگا؟۔

بہر حال حضرت مفتی صاحب! راقم کی ناقص سمجھ میں یہ اقدام غیر مناسب تھا، کاش آپ کے ذریعہ وجود میں نہ آتا۔ میں نے خیر خواہانہ یہ عریضہ لکھنے کی جرأت کی ہے، امید کے ناراض نہ ہوں گے اور دامن عفو میں جگہ دیں گے۔

نوٹ :...... اور اہل علم کو بھی اس کے دیکھنے کے بعد اشکال ہوا، اور کئی اہل علم نے اس کا تذکرہ کیا، بعض نے سوال بھی کیا کہ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ان وجوہات کی بنا پر اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا گیا۔

حضرت مولانا! اس تفصیلی عریضہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ بغور ملاحظہ فرما کر اگر درست سمجھیں تو خود ہی کسی اچھے انداز میں اس سے رجوع فرمالیں، اور رجوع کو بھی عام فرمادیں، اس لئے کہ پہلا ویڈیو عالم میں عام ہو چکا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

۲۸ رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۲۸ رمئی ۲۰۱۸ء

منگل

نوٹ :...... یہ تحریر بعض ارباب افتاء کی خدمت میں بغرض اصلاح ارسال کی گئی ہے، جن حضرات کی خدمت میں بھیجی گئی ہے ان کی خدمت میں عرض ہے کہ فی الحال اس کو عام نہ کریں، بلکہ مفتی صاحب کے جواب کا انتظار کریں۔

نا اہل کی تقرری و ترقی

اس رسالہ میں ارباب اہتمام کی خدمت میں ایک اہم درخواست پیش کی گئی ہے: وہ یہ کہ عامۃً مہتمم حضرات اپنے مدرسوں میں نا اہل مدرس کا تقرر کرتے ہیں اور نا اہل مدرسوں کو ترقی دی جاتی ہے۔اس جرم عظیم وخیانت کی طرف قرآن وحدیث کی روشنی میں توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ اقدام قابل اصلاح ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

تقریظ از: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی مدظلہم

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برصغیر (ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش) میں دینی مدارس اور مکاتب، دینی وایمانی زندگی کی شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں، برصغیر میں دینی وایمانی چہل پہل، دینی وملی سرگرمیاں انہیں مدارس ومکاتب کی رہین منت ہیں۔ تعلیم، تدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ ودعوت، تزکیہ واحسان، تنظیم وتحریک غرضیکہ ہر دینی وملی کام کے لئے افرادکار انہیں مدارس اسلامیہ سے فراہم ہورہے ہیں، اور تمام دینی وملی کاموں کی سیرابی اور شادابی میں ان آزاد دینی مدارس کا بنیادی رول ہے۔

برصغیر کے طرز کے دینی مدارس کا سلسلہ برصغیر سے متجاوز ہوکر افریقہ، امریکہ، برطانیہ، کناڈا وغیرہ تک پہنچ چکا ہے، اور ان ممالک میں بھی ان کی فیض رسانی جاری ہے۔ اللہ تعالی شانہ اس سلسلے کو وسیع تر کرے اور حفاظت فرمائے۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ان مدارس ومکاتب اسلامیہ کا انتظام چلاتے ہیں، ان کی نصرت واعانت کرتے ہیں، اور وہ حضرات جو قلیل تنخواہوں پر ان مدراس میں تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیتے ہیں، اور نئی نسلوں کے دل ودماغ میں ایمان وایقان کی آبیاری کرتے ہیں۔

ان مدارس ومکاتب کی غیر معمولی اہمیت وافادیت کے پیش نظر بے حد ضروری ہے کہ ان مدارس ومکاتب کو ایسی خرابیوں سے محفوظ رکھا جائے جن سے ان میں زوال واضمحلال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اور ان کی مقصدیت وافادیت مجروح ہوتی ہو۔ ہمارے لئے

ضروری ہے کہ مدارس اسلامیہ کے کام اور نظام کا دیانت داری سے جائزہ لیتے رہیں، اور انہیں چوکس اور مفید تر بنانے کے لئے فکر مند رہیں، اسی لئے الحمدللہ خود مدارس اسلامیہ کے حلقوں میں دردمند اور فکر مند علماء مدارس میں درآنے والی خرابیوں کا احساس کرتے ہیں اور انہیں دور کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔

انہیں مخلص اور فکر مند علماء میں ہمارے دوست حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہم (ڈیوزبری، برطانیہ) بھی ہیں، جو لاجپور گجرات کے ایک علمی اور روحانی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں اور اپنی دعوتی، اصلاحی، خصوصاً تصنیفی خدمات کی بنا پر علمی حلقوں میں معروف ومتعارف ہیں، انہوں نے اپنی دو مختصر تحریروں میں اپنا درد دل نکال کر رکھ دیا ہے، اور مدارس اسلامیہ کے ارباب اہتمام اور اصحاب بست و کشاد کو دو ایسی خرابیوں کی طرف متوجہ کیا ہے جو ہمارے بہت سے مدارس کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں، اور ان کے تعلیم وتربیت کے معیار کو انتہائی پست کر رہی ہیں، اگر ان دونوں کے ازالہ کی فکر نہ کی گئی تو مدارس کا معیار تعلیم وتربیت پست سے پست تر ہو جائے گا، اور مدارس سے اس طرح کے افراد پیدا نہ ہوں گے جن کی خدمت دین کے لئے اس دور میں ضرورت ہے۔

ایک خرابی جو تقریباً کم وبیش تمام مدارس میں مشترک ہے، وہ اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں کی حد درجہ کمی ہے۔ تنخواہیں اتنی تو ہونی چاہئے جس میں کفایت کے ساتھ متوسط گذران ہو سکے۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی گرانی کے زمانہ میں تنخواہوں میں ٹھہراؤ یا برائے نام اضافہ بہت پریشان کن اور تکلیف دہ ہے۔ اساتذہ و ملازمین عموماً اتنی تنگی میں رہتے ہیں کہ یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ خدمات انجام نہیں دے پاتے، مجبوراً اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتے ہیں یا معاش تنگی سے گھٹ گھٹ کر رہتے ہیں۔ بے دلی کے ساتھ اپنے کاموں کو

انجام دیتے ہیں۔

مدارس کی کم تنخواہوں کو دیکھ کر اکثر ذہین و باصلاحیت فضلاء مدارس' مدارس سے وابستہ ہی نہیں ہوتے، بلکہ حصول معاش کی دوسری راہیں تلاش کرنے میں لگ جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مدارس میں تدریسی خدمات کے لئے عموماً کمزور صلاحیت کے فضلاء ہی دستیاب ہو پاتے ہیں جو کوئی اور راستہ نہیں اپنا سکے، اور باصلاحیت اچھے مدرس فراہم نہ ہونے کی بنا پر تعلیم وتربیت کا معیار گرتا ہی جارہا ہے۔

محض ذمہ داران مدارس یہ عذر کرتے ہیں کہ مدارس میں غیر زکوۃ کی اتنی آمدنی ہی نہیں ہوتی کہ تنخواہوں میں معقول اضافہ کیا جا سکے، لیکن یہ دلیل اپنا وزن بالکل کھودیتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ انہیں مدارس کے ذمہ داران' مدارس کے لئے بڑی بڑی زمین خرید رہے ہیں یا عالی شان بلڈنگیں کھڑی کررہے ہیں، ان کاموں میں فنڈ کی کمی حارج نہیں ہوتی۔

بہر حال حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب نے پوری دردمندی کے ساتھ مدارس کے ذمہ داروں کو متوجہ کیا ہے۔ ان کا مقصد محض تنقید نہیں بلکہ اصلاح حال کی کوشش ہے، خدا کرے ذمہ داران مدارس اس اہم پہلو کی طرف توجہ فرمائیں اور تنخواہوں میں معقول اور مناسب اضافہ کریں۔

دوسری خرابی جس کی طرف موصوف نے ذمہ داران مدارس کو متوجہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مدارس میں اساتذہ اور ملازمین کی تقرری اور بحالی اہلیت وصلاحیت کی بنا پر نہیں بلکہ قرابت اور تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے، پھر انہیں ترقی دینے اور کتابیں حوالہ کرنے کی بنیاد کارکردگی اور محنت نہیں بلکہ مہتمم صاحب سے قربت یا قرابت ہوتی ہے، حالانکہ مہتمم اور ذمہ داران مدرسہ کی حیثیت مالک کی نہیں بلکہ امین کی ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ

باصلاحیت اساتذہ اور کارکنان' مدرسہ کے لئے رکھیں، اوران کی بہتر کارکردگی کی بناپرانہیں تنخواہوں اور کتابوں میں ترقی دیں، بیٹا یا رشتہ دار اگر نا اہل ہے تو اسے ہرگز مدرسہ پر مسلط نہ کریں، یہ امانت میں خیانت ہے۔قرآن کریم کی آیت:﴿ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا﴾الخ ،کوپیش نظر رکھیں۔

اس پہلو کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے ہمارے بہت سے مدارس معنوی طور پر ویران ہو رہے ہیں، اچھے اساتذہ اور کارکنان وہاں ٹک نہیں پاتے ،اور نا اہلوں اور چاپلسوں کا دور دورہ ہوتا ہے، تعلیم وتربیت کا معیار بد سے بدتر ہوتا جاتا ہے۔

مولانا مرغوب احمد صاحب کی دونوں تحریریں درد وکرب سے بھری ہوئی ہیں، انہوں نے اپنا درددل صفحات پر بکھیر دیا ہے، خدا کرے مدراس کے ارباب اہتمام اور ذمہ داران توجہ کریں اور ان دونوں خرابیوں کا ازالہ کرکے مدارس اسلامیہ کے نظام کو بہتر سے بہتر بنائیں۔

عتیق احمد قاسمی بستوی

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء

بانی معہد الشریعۃ لکھنو

واردحال مسجد حراء ڈیوزبری' برطانیہ

شب اول رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۸/جون ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات ارباب اہتمام اور مدارس دینیہ کے اہل انتظام واہل شوری

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ سب حضرات خیریت سے ہوں گے۔ میں بھی الحمدللہ' اللہ تعالی کے فضل و کرم سے خیروعافیت سے رہ کر آپ حضرات کی عافیت کے لئے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں۔

اس عریضہ کے ذریعہ آپ حضرات کی توجہ ایک اہم امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ اصل مقصود کو ظاہر کروں، اس بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ واللہ میری کوئی علمی وعملی حیثیت نہیں کہ آپ حضرات کو نصیحت کروں، اور نہ میں اپنے آپ کو نصیحت کا لائق سمجھتا ہوں، تاہم ایک طالب علم ہوں اور مدرسہ سے تعلق رہا ہے، اس لئے مدارس کی خیر خواہی اپنا فرض سمجھتا ہوں، اسی خیر خواہی کے جذبہ سے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے، امید کہ آپ حضرات اولا ''رأی العلیل علیل'' کے پیش نظر صرف نظر نہ فرما کر اپنے وسعت ظرفی سے اسے لائق مطالعہ وقابل عمل سمجھتے ہوئے عزت افزائی فرمائیں گے۔ اور اس مثل سے تو آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ: ''انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال''۔

آمدم برسر مطلب

حضرات ارباب اہتمام! اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے آپ کو بڑا عظیم منصب عطا فرمایا ہے، آپ کے تحت جو ادارہ (یا ادارے) ہیں، اوران سے جتنی خیر پھیل رہی ہیں: مثلا کتنے طلباء حفظ کی تکمیل کررہے ہیں، کتنے قرأت وتجوید سے فارغ ہورہے ہیں، کتنے

نصاب تعلیم مکمل کر کے عالم بن رہے ہیں، کتنے افتاء ومختلف تخصصات کی سند لے رہے ہیں اور یہ حضرات بعد میں جہاں جہاں جا کر تعلیم وتدریس' امامت وخطابت اور تبلیغ ودعوت وغیرہ شعبہائے مختلفہ میں اشاعت علم اور دین اسلام کی عظیم الشان خدمات میں مشغول ہوں گے سب کا اجر (بشرطیکہ آپ نے اخلاص سے اپنی مفوضہ ذمہ داری نبھائی ہو) انشاء اللہ آپ کے نامۂ اعمال میں بھی ہوگا۔

جہاں آپ بڑے اجر کے مستحق بن سکتے ہیں' وہاں اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ آپ کی طرف ایسے افعال جن سے علماء واساتذہ کرام کی حق تلفی ہو، ان کی دل آزاری ہو، ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ میں کوتاہی ہو تو اس کا وبال بھی بہت سخت ہو سکتا ہے، اور حقوق العباد میں کمی کے باعث بڑے خطرہ کی بات ہے، اور بہت ڈرنے کا موقع ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں بڑی عزت وشاہی انداز سے زندگی گذاریں اور آخرت میں کف افسوس ملنا پڑے۔

اس مختصر مگر مفید تمہید کے بعد، جس امر کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ: اکثر مدارس میں ارباب اہتمام کی طرف سے تقسیم کتب اور مناصب کے سپردگی میں بہت زیادہ کوتاہی ہورہی ہے، اور جان کر یا انجانے میں عدل ومساوات کا خون ہورہا ہے۔

اس سلسلہ میں راقم نے ایک مضمون لکھا تھا مناسب معلوم ہوا کہ آپ حضرات کی خدمت میں اس کی ایک کاپی ارسال کروں، امید کہ بار خاطر نہ ہوگا، بعد مطالعہ کوئی بات آپ کی شان میں نامناسب وسخت آگئی ہو تو دست بستہ معافی کا طالب ہوں، امید کہ معاف فرما کر ماجور ہوں گے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ارباب اہتمام کا نااہل کا مدرس تقرر کرنا اور نااہل کو ترقی دینا

مدارس کے ارباب اہتمام جہاں بہت سی نیکیاں کما سکتے ہیں، اور ان کے تحت جاری شعبوں سے دین متین کی بے مثال خدمت کر سکتے ہیں اور کر بھی رہے ہیں، اور اپنے فضلاء کرام کو مختلف لائنوں میں لگا کر دین اسلام اور اشاعت علم کی اہم ترین جدو جہد کے ذریعہ عالم میں ایسی دینی فضا و ہدایت کی ہوا چلا سکتے ہیں، جو اوروں کے لئے بظاہر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جہاں ان حضرات کی نسبت بڑی ہے وہاں ان کی ذمہ داری بھی کچھ کم نہیں۔ ان کی ذرا سی بے احتیاطی سے نہ جانے کتنے اہل علم و تجربہ کار مدرسین' اور کتنے مدارس کے مخلص اساتذہ متنفر ہو کر دین کی خدمت کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر بعض مہتمم حضرات تو کہہ دیتے ہیں کہ: یہ خدمت تدریس و دین سے محروم ہو گئے، لیکن اس پر غور کرنا چاہئے کہ کل قیامت کے دن ان کی محرومی کا ذریعہ آپ نہ بن جائیں، اور جتنی خیر کی اشاعت کا وہ ذریعہ تھے ان کی انسداد کی ذمہ داری آپ کے سر نہ پڑ جائے۔

اس مضمون میں ایک اہم کوتاہی وغفلت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ اکثر ارباب اہتمام مناصب کی سپردگی میں اور تقسیم کتب میں جان کر یا انجانے میں صاحب استعداد اور کامیاب اور کہنہ مشق اساتذہ پر ظلم وزیادتی کر جاتے ہیں' اور برابر کرتے رہتے ہیں، (اس لئے انجانے میں کہنا بھی مشکل ہے)

بعض حضرات تو بہت زور سے اپنے اس نامناسب بلکہ ظالمانہ کام کو یہ کہہ کر جواز مہیا کرتے ہیں کہ: ''بھئی اخلاص سے پڑھاؤ چاہے بخاری دی جائے، چاہے ابتدائی کتابیں'' ان کی خدمت میں بہت ادب سے عرض ہے کہ آپ اخلاص کے ساتھ تقسیم کتب کیوں نہیں کرتے؟ اور صاحب حق کو حق دینے میں کیوں کوتاہی کرتے ہیں؟ اخلاص کی تعلیم وترغیب

صرف مظلوم اساتذہ کے لئے ہی ہے؟ کیا ارباب اہتمام اس اخلاص کے محتاج نہیں؟

مدارس میں ارباب اہتمام اور اساتذہ کے اختلاف کا ایک بہت بڑا سبب یہی ہوتا ہے کہ عامۃً تقسیم کتب میں انصاف کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔

جو استاذ مہتمم صاحب کے ساتھ اچھا تعلق رکھے، ان کی ہر بات میں آمنا وصدقنا کہے، ان کی عزت میں حد سے زیادتی کرے، ان کی خدمت کرے، ان کی بیجا تعریف میں غلو کرے، خواہ وہ تدریس میں کتنا ہی ناکام ہو، وہ بہت جلد ترقی کی منازل طے کر لیتا ہے۔ اور جو استاذ اخلاص کے ساتھ، خودداری کے ساتھ، بغیر کسی چاپلوسی کے اپنے کام میں مشغول ہو، اسباق بہترین طریقہ پر پڑھاتا ہو، نصاب کی تکمیل کا برابر فکر کرتا ہو، مدرسہ کے قوانین کی بھی حتی الامکان رعایت کرتا ہو، طرز تفہیم بھی اس کا خوب ہو، طلبہ بھی اس سے خوش ومانوس ہوں، مگر جی حضوری کرنے والا اور چاپلوس نہ ہو، اس کو ترقی نہیں دی جاتی بلکہ وہ معتوب ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر، تنہائی میں اللہ کو حاضر ناظر رکھ کر میری اس تحریر کو بلا کسی تعصب ودشمنی پر محمول کئے پڑھیں گے تو آپ کا ضمیر اس بات کے حق اور صحیح ہونے کی گواہی دے گا۔

اور اگر کہیں مہتمم صاحب کا بیٹا یا قریبی رشتہ دار یا داماد عالم بن جائے، چاہے استعداد صفر، طالب علمی کا زمانہ لاپرواہی اور غفلت میں گذرا ہو، محنت کا نام نہیں، اخلاق بھی ایسے کہ اللہ کی پناہ، امتحان کے پرچے ایسے کہ کامیابی کی کوئی توقع تک نہ ہو، مگر چونکہ بیٹا یا عزیز مہتمم صاحب کا ہے، اس لئے نہ صرف دار العلوم وجامعات میں تقرر کا حقدار بلکہ بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کا بھی مستحق۔ خدارا! روز جزا کی جواب دہی سے ڈریئے، آج جو چاہے کر لیجئے، مگر اس فیصلہ کے دن میں ایک ایک ذرہ کا حساب دینا ہے۔

قرآن کریم نے کس صراحت کے ساتھ امانت کو اس کے اہل تک پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے کہ: اپنے ارشاد کو ''اِنَّ'' سے شروع کیا، پھر حکم سے مؤکد کیا، ارشاد ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾۔ (سورۂ نساء، آیت نمبر: ۵۸)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہونچایا کرو۔ اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص امراء و حکام مخاطب ہوں، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے، اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی۔

حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ: جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل و مستحق کو پہونچادے۔.......

اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔

نا اہل کو عہدہ دینے والا لعنت اور مستحق جہنم ہے، نہ اس کا فرض مقبول نہ نفل

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی

ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے، نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔

نااہل کو عہدہ دینے والا اللہ، رسول اور سارے مسلمانوں کا خائن ہے

بعض روایات میں ہے کہ: جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول ﷺ کی اور سب مسلمانوں کی۔ (جمع الفوائد ص ۳۲۵)

(معارف القرآن ص ۴۴۵،و ۴۴۶ ج ۲)

صلاحیت کے بغیر ذمہ داری کو قبول کرنے والا جہنمی ہے

استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

مشہور مؤرخ اور محدث علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سیر اعلام النبلاء'' میں حضرت ابو بردہ ابن ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

یزید بن المہلب جب خراسان کے حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ: مجھے کوئی ایسا آدمی بتلاؤ جس میں تمام خوبیاں موجود ہوں، تو حضرت ابو بردہ اشعری رضی اللہ عنہ کی نشان دہی کی گئی، جب وہ تشریف لائے تو ان کو بہت فائق پایا، پھر جب ان سے گفتگو کی تو ان کے باطنی حالات ظاہر سے بھی بہتر پائے، تو ان سے کہا کہ: میں نے آپ کو فلاں فلاں کام کی ذمہ داری سونپی تو، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے معذرت چاہی، لیکن یزید نے معذرت قبول کرنے سے انکار کیا، اس پر حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر! میں آپ کو وہ بات سناتا ہوں جو میرے ابا نے مجھے بتلائی، انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو

فرماتے ہوئے سنا کہ: جو آدمی کوئی ایسی ذمہ داری قبول کرے جس کے متعلق اس کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے، الخ۔ مندرجۂ بالا دونوں مضامین سے یہ ثابت ہوا کہ منتظمین کا کسی ایسے آدمی کو تدریس کی ذمہ داری سونپنا جو اس کا اہل نہیں، ایک قسم کی خیانت ہے، اور جس کو یہ ذمہ داری سونپی جارہی ہے اس کا یہ جانتے ہوئے کہ میں اس کا اہل نہیں اس کو قبول کرنا اپنے آپ کو جہنم کے لئے پیش کرنا ہے"۔ (محمود الفتاوی ص ۲۴۳ ج ۳)

کام اہل کے سپرد کیا جائے۔ نااہل کو ترقی دینا خیانت ہے، قیامت کی علامت ہے، اس پر مواخذہ ہوگا

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ :

ایک حدیث میں ہے: جس نے جماعت میں سے کسی شخص کو عامل بنایا درانحالیکہ اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اللہ تعالی کو اس (پہلے شخص) سے زیادہ پسند ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی۔

ایک اور حدیث میں ہے: ہر کام اس کے اہل کو سونپے جائیں۔

ایک اور حدیث میں ہے: جب امور نااہل کے سپرد کئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

ایک حدیث میں قیامت کی علامت میں بیان فرمایا گیا کہ: بڑے بڑے کام نااہل کے سپرد کئے جائیں گے اور قوم کا سردار فاسق ہوگا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ: "نا اہل کو کام سپرد کرنا خیانت ہے، ہم پر ایسا کرنے سے مواخذہ ہوگا"۔

(فتاوی رحیمیہ ملخص از ص ۱۶۴ تا ۱۶۹ ج ۲)

ترقی خوشامد پر موقوف

حضرۃ العلام مولانا عبدالحیٔ صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

یہاں علم مقولہ خوشامد سے قرار پایا ہے، گو کتنا ہی بڑا افاضل کیوں نہ ہو، لیکن اگر اس میں خوشامد کا مادہ نہ ہو تو تعظیم کی امید تو کیا کی جائے؟ بلکہ اسے اپنی عزت کو بچانا ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ (سوانح علوم اسلامیہ ص ۳۹۔ مطبوعہ جامعۃ القراءات، کفلیتہ)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مدرسین کی نیک نامی صرف خوشامد اور عدم خوشامد پر مبنی ہے، مدرس گو کتنا لائق ہو اور کتنی جانفشانی کرتا ہو، لیکن جب تک خوشامد نہ ہوگی مشاہرہ میں ترقی نہ ہو سکتی" (اور علمی ترقی بھی نہیں ہوتی، بڑی کتابیں' قابلیت پر نہیں صرف اور صرف چاپلوسی اور "جی حضور" پر دی جاتی ہیں)۔ (سوانح علوم اسلامیہ ص ۴۴۔ مطبوعہ جامعۃ القراءات، کفلیتہ)

ہر جگہ ترقی کا معاملہ تعلقات وعصبیت کی بنیاد پر یا اطاعت کاملہ پر موقوف ہو گیا۔ مدارس اور ارباب اہتمام جو اہل علم اور اہل تقوی سمجھے جاتے ہیں انکا یہ حال ہے تو سیاست اور اہل دنیا کا کیا رونا، ع ......"چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"۔

کاش ارباب اہتمام اور ذمہ داران مدارس کے سامنے آپ ﷺ کی یہ حدیث ہر وقت رہے۔

حاکم کی روایت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کے کسی کام کا ولی اور سر پرست بنایا جائے پھر وہ کسی شخص کو عہدہ سپرد کرے حالانکہ اس سے زیادہ صالح اور لائق آدمی مسلمانوں میں موجود ہو تو بے شک اس شخص نے خدا اور رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا۔

اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا ولی ہو اور وہ کسی شخص کو محض دوستی یا رشتہ داری کی بنا پر حاکم بنادے تو اس نے بلاشبہ حق تعالی اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔

(العقیدۃ السفارینیہ۔ بحوالۂ عقائد الاسلام ص ۲۶۳، حصہ اول، بعنوان فرائض مملکت)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ارشاد: جو آدمی کسی عہدے پر رہا ہو وہ مجھے کفن نہ دے

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا اور ایک جماعت ان کی خدمت میں پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ: ''میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ تم میں سے جو آدمی امیر یا چودھری یا نمبردار یا قاصد رہا ہو وہ مجھے کفن نہ دے''۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے! 'حیاۃ الصحابہ' اردو ص ۱۲۰ ج ۳۔ مترجم مولانا احسان الحق صاحب مدظلہ)

صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) رضی اللہ عنہ نے تو مہتمم اور ذمہ دار کو کفن دینے سے بھی روک دیا، ان کے جنازہ پڑھانے پر کیا فرماتے اور کیسے راضی ہوتے؟

ارباب اہتمام حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ وصیت بغور ملاحظہ فرمائیں، اور دنیا کی تھوڑی سی اور عارضی حکومت (یہ عہدۂ اہتمام بھی ایک طرح کی حکومت ہے) کے نشہ میں اپنی ہی برادری یعنی اہل علم و حفاظ پر ظلم نہ کریں۔

کیا ایسا نہیں ہو رہا ہے کہ مہتمم کی عزت نہ کی اور اس کی بات نہ مانی تو خارج' بڑی کتابوں کو لے کر چھوٹی کتابیں دیدینا' ظلماً تنخواہ دینے میں اور تنخواہ بڑھانے میں پریشان کرنا۔ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ ایک استاذ کو ہدایہ دی، پھر حالات تبدیل ہوئے تو فارسی

میں ڈال دیا، لیکن ماشاء اللہ انہوں نے پوری توجہ سے فارسی پڑھائی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

’’اذا وسد الامر الی غیر اھلہ ‘‘ کے عموم میں یہ بھی داخل ہوگیا کہ اگر کسی طالب علم کا کوئی سبق کسی کے سپرد کرے تو اس کا لحاظ رکھے کہ وہ شخص اس کا اہل ہو، اگر نا قابل (نا اہل) اور بد استعداد یا غیر شفیق کے سپرد کرے گا تو شرعاً مذموم ہوگا، اور یہ بھی شاگرد کا ایک حق ہے۔ (اصلاح انقلاب ص ۲۹۵۔ تحفۃ العلماء ص ۳۴۴ ج ۱)

ایک تعجب خیز رویہ: استاذ اگر مہتمم سے بیعت نہ ہو تو مصیبت

اب تو یہ حال ہے کہ اگر مہتمم کسی بزرگ کا خلیفہ ہو تو اور مصیبت، وہ چاہتا ہے کہ میرے مدرسہ کا ہر استاذ مجھ ہی سے بیعت ہو، خلافت بھی ایسے ہی مل گئی ہے، تربیت تو ہوئی نہیں، تصوف کے اصول وآداب سے ناواقفیت ہے، ورنہ ہرگز یہ اقدام نہ ہوتا۔ یہ بات اصول تصوف میں مسلم ہے کہ جس شیخ سے مناسبت ہو اسی سے بیعت ہو، ظاہر ہے اگر کسی استاذ کو مہتمم سے مناسبت نہیں تو بیعت کیسے ہوگا؟ اور عامۃً اساتذہ اور مہتمم میں مناسبت تو دور کی بات تعلقات تک صحیح نہیں ہوتے ، بلکہ دشمنی اور عداوت تک نوبت آتی ہے، بھلا اس حالت میں کیا کوئی احمق ہی ہوگا جو اپنے دشمن سے بیعت ہوگا۔

بہرحال یہ بھی ایک وبا چل پڑی ہے کہ مہتمم سے بیعت نہ ہو تو ترقی موقوف ’’انـا للـه ‘ لاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم ‘‘ مہتمم کی خدمت نہ کی تو بیچارے کے لئے مسائل کا سامنا۔

یہ خیال نہ کریں کہ کسی جذبات میں یہ سطریں تحریر کی جارہی ہیں، واقعۃً ایسا ہورہا ہے، مہتمم صاحب نے حکم دیا کہ اساتذہ مجھ سے بیعت ہوں، اور رمضان کی تعطیلات میں بھی

میری خانقاہ میں رہیں، انہیں گھر جانے کی اجازت نہیں۔ ان بیچارے اساتذہ کو سال میں ایک مرتبہ بڑی رخصت ملتی ہے، اور بعض اساتذہ کے بیوی بچے بھی اپنے وطن میں رہتے ہیں، اگر رمضان کے ایام بھی یہ مہتمم صاحب کی خدمت میں صرف کریں تو پھر ان کے لئے اپنے اہل وعیال کے ساتھ کون سا طویل عرصہ گذارنے کا موقع ملے گا۔ خدارا ذرا سوچئے!

مدرسہ مہتمم کے بیٹے کی گویا جائداد ہوگئی

اور مدرسہ مہتمم کے بیٹے کی تو گویا جائداد بن گئی، جو چاہے کرے، جب چاہے حاضر جب چاہے غیر حاضر، جس استاذ کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنا چاہے اسے اختیار، بغیر صلاحیت واستعداد کے اور بلا کسی ذوق وشوق کے بڑی بڑی کتابیں اپنے پاس رکھتے ہیں، تاکہ ایک رعب پڑے اور استاذ حدیث والفقہ کا لقب لگ جائے۔ کس کی مجال ہے اس کے خلاف آواز انصاف بلند کرے؟ خدارا قیامت کے دن کی جواب دہی کو مدنظر رکھئے! اللہ تعالی کو ایک ایک بات کا جواب دینا ہے، ان مظلوموں کی آہ رنگ لائے بغیر نہ رہے گی۔

ہمارے بعض اکابر نے باوجودیکہ مدرسہ پر ان کا پورا کنٹرول تھا، مگر اپنی اولاد کو چونکہ ان میں تدریسی قابلیت نہیں تھی، مدرس نہیں رکھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کا عمل اس پر شاہد ہے۔

آخر میں ''حیاۃ الصحابہ'' سے چند روایات پیش کرتا ہوں جن سے معلوم ہوگا کہ علم کو اہل سے حاصل کرنے اور غیر اہل سے حاصل کرنے میں کیا فرق ہے۔ اور نااہل کو ترقی دینے میں علم کا کتنا نقصان ہوگا۔

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کا اہل استاذ سے حصول علم کی درخواست کرنا

حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں حضور ﷺ سے ملا، میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! مجھے ایسے آدمی کے حوالے فرمادیں جو اچھی طرح سکھانے والا ہو۔تو آپ ﷺ نے مجھے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمادیا، اور ارشاد فرمایا: میں نے تمہیں ایسے آدمی کے حوالے کیا ہے جو تمہیں اچھی طرح تعلیم دے گا، اور اچھی طرح ادب سکھائے گا۔

غور کا مقام ہے صحابی اہل استاذ سے سیکھنے کی درخواست کررہے ہیں۔معلوم ہوا نااہل سے علم کا حصول بھی معیوب ہے۔

نااہل کو بڑا بنایا جائے گا تو علم کمینوں میں ہی رہے گا

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں وہ باتیں ظاہر ہوجائیں گی جو تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئی تھیں۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ باتیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے نیک اور بہترین آدمیوں میں سستی اور تمہارے برے لوگوں میں بے حیائی ظاہر ہوجائے گی اور بادشاہت تمہارے چھوٹوں میں اور دینی علم تمہارے کمینوں میں منتقل ہوجائے گا۔

نااہل کو بڑا بنایا جائے گا تو علم کمینوں میں ہی رہے گا۔

قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ علم چھوٹوں کے پاس تلاش کیا جانے لگے گا

حضرت ابوامیہ جمحی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور ﷺ سے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں پوچھا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ علم چھوٹوں کے پاس تلاش کیا جانے لگے گا۔

غیر اہل استاذ کو ترقی دی جائے گی تو یہی حال ہوگا۔

علم اہل سے حاصل کرنا خیر پر رہنے کا ذریعہ ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: غور سے سنو! لوگ اس وقت تک خیر پر رہیں گے جب تک ان کے پاس علم ان کے بڑوں کی طرف سے آئے گا۔

اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ لوگ کب سدھرتے ہیں اور کب بگڑتے ہیں؟ جب علم چھوٹے کی طرف سے آئے گا تو بڑا اس کی نافرمانی کرے گا، اور جب علم بڑے کی طرف سے آئے گا تو چھوٹا اس کا اتباع کرے گا، اور دونوں ہدایت پا جائیں گے۔

معلوم ہوا نا اہل کی ترقی سے بجائے ہدایت کے ضلالت پھیلے گی، جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ علم جب چھوٹوں کی طرف سے آئے گا تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

صحابی کی انتقال کے وقت اہل سے علم حاصل کرنے کی وصیت

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے انتقال کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے فرمایا: اے میرے بیٹو! میں تمہیں تین باتوں سے روکتا ہوں، انہیں اچھی طرح یاد رکھنا: حضور ﷺ کی طرف سے حدیث صرف معتبر اور قابل اعتماد آدمی سے لینا، کسی اور سے نہ لینا، اور قرضہ لینے کی عادت نہ بنالینا، چاہے چوغہ پہن کر گذارہ کرنا پڑے، اور اشعار لکھنے میں نہ لگ جانا، ورنہ ان میں تمہارے دل ایسے مشغول ہو جائیں گے کہ قرآن سے رہ جاؤ گے۔

معلوم ہوا استاذ قابل اعتبار اور قابل صلاحیت ہو، نا اہل کو ترقی دی جائے گی تو قابل استاذ کیسے پیدا ہوں گے؟

حضرت عمر کا ہر فن کے لئے اہل کے پاس حصول علم کے لئے بھیجنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جو قرآن کے بارے میں

کچھ پوچھنا چاہے وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور جو میراث کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، اور جو کوئی فقہی مسائل پوچھنا چاہتا ہے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔

دیکھئے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر ہر فن کے لئے اس کے اہل کے پاس حصول علم کے لئے بھیج رہے ہیں۔

(حیاۃ الصحابہ'' اردو ص۳۱۵ ج ۳۔علم کو قابل اعتماد اہل علم سے حاصل کرنا اور جب علم نااہلوں کے پاس ہوگا تو پھر علم کا کیا حال ہوگا؟)

سفارش سے مدرس بننے والے اساتذہ کا حال، بقلم حضرت شیخ رحمہ اللہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی ایک تحریر کے اقتباس پر اس عریضہ کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ مدرسین کی نئی پود جن میں سے بہت سے تو اپنی وجاہت اور سفارشوں سے مدرس بن گئے، اور ان کے پڑھنے کا زمانہ ہماری نگاہوں میں ہے، اردو شرح اور حواشی دیکھ کر کچھ دال دلیہ کر سکتے ہیں، مگر جن کی کوئی شرح نہ ہو اس کو اپنی تقریر کے زور سے اڑا دیں تو ممکن ہے، جس کے متعلق میرا خود ذاتی تجربہ بھی ہے کہ بعض نو مدرسین جن کی تقریر شستہ ہو آج کل جس کا رواج خوب ہے، وہ اپنے اس زور سے چلا دے تو دیتے ہیں، مگر جب خود نہیں سمجھے تو طالب علم کیا سمجھے گا؟۔ (آپ بیتی نمبر:۳، قبیل باب چہارم ص۲۱۳)

نوٹ:......بعض مہتمم حضرات ہی اس تحریر کے مصداق ہیں۔ میرے اکابر اور اصحاب نسبت بزرگوں اور لائق حضرات مہتمم کی شخصیات اس سے مستثنی ہیں۔

تنخواہ کا معیار بڑھائیے

اس رسالہ میں ارباب اہتمام کی خدمت میں ایک اہم درخواست پیش کی گئی ہے: وہ یہ کہ اکثر مساجد میں ائمہ کرام کی اور مدارس ومکاتب میں اساتذہ کی تنخواہیں اتنی کم ہیں کہ اس پر ماہانہ گذارہ کفایت کے ساتھ بھی ممکن نہیں۔ یہ علم اور اہل علم کی نہ صرف ناقدری ہے، بلکہ ایک طرح کا ظلم ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ناشر: جامعۃ القراءات، کفلیتہ

تقریظ از: حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی مدظلہم

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برصغیر (ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش) میں دینی مدارس اور مکاتب، دینی وایمانی زندگی کی شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں، برصغیر میں دینی وایمانی چہل پہل، دینی وملی سرگرمیاں انہیں مدارس ومکاتب کی رہین منت ہیں۔ تعلیم، تدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ ودعوت، تزکیہ واحسان، تنظیم وتحریک غرضیکہ ہر دینی وملی کام کے لئے افرادِ کار انہیں مدارس اسلامیہ سے فراہم ہورہے ہیں، اور تمام دینی وملی کاموں کی سیرابی اور شادابی میں ان آزاد دینی مدارس کا بنیادی رول ہے۔

برصغیر کے طرز کے دینی مدارس کا سلسلہ برصغیر سے متجاوز ہوکر افریقہ، امریکہ، برطانیہ، کناڈا وغیرہ تک پہنچ چکا ہے، اور ان ممالک میں بھی ان کی فیض رسانی جاری ہے۔ اللہ تعالی شانہ اس سلسلے کو وسیع تر کرے اور حفاظت فرمائے۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ان مدارس ومکاتب اسلامیہ کا انتظام چلاتے ہیں، ان کی نصرت واعانت کرتے ہیں، اور وہ حضرات جو قلیل تنخواہوں پر ان مدراس میں تعلیم وتربیت کے فرائض انجام دیتے ہیں، اور نئی نسلوں کے دل ودماغ میں ایمان وایقان کی آبیاری کرتے ہیں۔

ان مدارس ومکاتب کی غیر معمولی اہمیت وافادیت کے پیش نظر بے حد ضروری ہے کہ ان مدارس ومکاتب کو ایسی خرابیوں سے محفوظ رکھا جائے جن سے ان میں زوال واضمحلال پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اور ان کی مقصدیت وافادیت مجروح ہوتی ہو۔ ہمارے لئے

ضروری ہے کہ مدارس اسلامیہ کے کام اور نظام کا دیانت داری سے جائزہ لیتے رہیں، اور انہیں چوکس اور مفید تر بنانے کے لئے فکر مند رہیں، اسی لئے الحمدللہ خود مدارس اسلامیہ کے حلقوں میں دردمند اور فکر مند علماء مدارس میں درآنے والی خرابیوں کا احساس کرتے ہیں اور انہیں دور کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔

انہیں مخلص اور فکر مند علماء میں ہمارے دوست حضرت مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہم (ڈیوزبری، برطانیہ) بھی ہیں، جو لاجپور گجرات کے ایک علمی اور روحانی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں اور اپنی دعوتی، اصلاحی، خصوصاً تصنیفی خدمات کی بنا پر علمی حلقوں میں معروف و متعارف ہیں، انہوں نے اپنی دو مختصر تحریروں میں اپنا درد دل نکال کر رکھ دیا ہے اور مدارس اسلامیہ کے ارباب اہتمام اور اصحاب بست و کشاد کو دو ایسی خرابیوں کی طرف متوجہ کیا ہے جو ہمارے بہت سے مدارس کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور ان کے تعلیم و تربیت کے معیار کو انتہائی پست کر رہی ہیں، اگر ان دونوں کے ازالہ کی فکر نہ کی گئی تو مدارس کا معیار تعلیم و تربیت پست سے پست تر ہو جائے گا، اور مدارس سے اس طرح کے افراد پیدا نہ ہوں گے جن کی خدمت دین کے لئے اس دور میں ضرورت ہے۔

ایک خرابی جو تقریباً کم و بیش تمام مدارس میں مشترک ہے، وہ اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں کی حد درجہ کمی ہے۔ تنخواہیں اتنی تو ہونی چاہئے جس میں کفایت کے ساتھ متوسط گذران ہو سکے۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی گرانی کے زمانہ میں تنخواہوں میں ٹھہراؤ یا برائے نام اضافہ بہت پریشان کن اور تکلیف دہ ہے۔ اساتذہ و ملازمین عموماً اتنی تنگی میں رہتے ہیں کہ یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ خدمات انجام نہیں دے پاتے، مجبوراً اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتے ہیں یا معاش تنگی سے گھٹ گھٹ کر رہتے ہیں۔ بے دلی کے ساتھ اپنے کاموں کو

انجام دیتے ہیں۔

مدارس کی کم تنخواہوں کو دیکھ کر اکثر ذہین و باصلاحیت فضلاء مدارس' مدارس سے وابستہ ہی نہیں ہوتے ، بلکہ حصول معاش کی دوسری راہیں تلاش کرنے میں لگ جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مدارس میں تدریسی خدمات کے لئے عموماً کمزور صلاحیت کے فضلاء ہی دستیاب ہو پاتے ہیں جو کوئی اور راستہ نہیں اپنا سکے، اور باصلاحیت اچھے مدرس فراہم نہ ہونے کی بنا پر تعلیم و تربیت کا معیار گرتا ہی جا رہا ہے۔

محض ذمہ داران مدارس یہ عذر کرتے ہیں کہ مدارس میں غیر زکوۃ کی اتنی آمدنی ہی نہیں ہوتی کہ تنخواہوں میں معقول اضافہ کیا جا سکے، لیکن یہ دلیل اپنا وزن بالکل کھو دیتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ انہیں مدارس کے ذمہ داران' مدارس کے لئے بڑی بڑی زمین خرید رہے ہیں یا عالی شان بلڈنگیں کھڑی کر رہے ہیں، ان کاموں میں فنڈ کی کمی حارج نہیں ہوتی۔

بہرحال حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب نے پوری دردمندی کے ساتھ مدارس کے ذمہ داروں کو متوجہ کیا ہے۔ ان کا مقصد محض تنقید نہیں بلکہ اصلاح حال کی کوشش ہے، خدا کرے ذمہ داران مدارس اس اہم پہلو کی طرف توجہ فرمائیں اور تنخواہوں میں معقول اور مناسب اضافہ کریں۔

دوسری خرابی جس کی طرف موصوف نے ذمہ داران مدارس کو متوجہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مدارس میں اساتذہ اور ملازمین میں تقرری اور بحالی اہلیت وصلاحیت کی بنا پر نہیں بلکہ قرابت اور تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے، پھر انہیں ترقی دینے اور کتابیں حوالہ کرنے کی بنیاد کارکردگی اور محنت نہیں بلکہ مہتمم صاحب سے قربت یا قرابت ہوتی ہے، حالانکہ مہتمم اور ذمہ داران مدرسہ کی حیثیت مالک کی نہیں بلکہ امین کی ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ

باصلاحیت اساتذہ اور کارکنان' مدرسہ کے لئے رکھیں، اوران کی بہتر کارکردگی کی بنا پر انہیں تنخواہوں اور کتابوں میں ترقی دیں، بیٹا یا رشتہ دار اگر نااہل ہے تو اسے ہرگز مدرسہ پر مسلط نہ کریں، یہ امانت میں خیانت ہے۔ قرآن کریم کی آیت:﴿ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا﴾ الخ، کو پیش نظر رکھیں۔

اس پہلو کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے ہمارے بہت سے مدارس معنوی طور پر ویران ہو رہے ہیں، اچھے اساتذہ اور کارکنان وہاں ٹک نہیں پاتے اور نااہلوں اور چاپلسوں کا دور دورہ ہوتا ہے، تعلیم وتربیت کا معیار بد سے بدتر ہوتا جاتا ہے۔

مولانا مرغوب احمد صاحب کی دونوں تحریریں درد وکرب سے بھری ہوئی ہیں، انہوں نے اپنا درددل صفحات پر بکھیر دیا ہے، خدا کرے مدراس کے ارباب اہتمام اور ذمہ داران توجہ کریں اور ان دونوں خرابیوں کا ازالہ کرکے مدارس اسلامیہ کے نظام کو بہتر سے بہتر بنائیں۔

عتیق احمد قاسمی بستوی
استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء
بانی معہد الشریعۃ لکھنو
واردحال مسجد حراء ڈیوز بری' برطانیہ
شب اول رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۸/جون ۲۰۱۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرات ارباب اہتمام اور مدارس دینیہ کے اہل انتظام واہل شوری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ سب حضرات خیریت سے ہوں گے۔ میں بھی الحمدللہ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے خیر و عافیت سے رہ کر آپ حضرات کی عافیت کے لئے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں۔

اس عریضہ کے ذریعہ آپ حضرات کی توجہ ایک اہم امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ اصل مقصود کو ظاہر کروں، اس بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ واللہ میری کوئی علمی وعملی حیثیت نہیں کہ آپ حضرات کو نصیحت کروں، اور نہ میں اپنے آپ کو نصیحت کا لائق سمجھتا ہوں، تاہم ایک طالب علم ہوں اور مدرسہ سے تعلق رہا ہے، اس لئے مدارس کی خیر خواہی اپنا فرض سمجھتا ہوں، اسی خیر خواہی کے جذبہ سے یہ عریضہ ارسال خدمت ہے، امید کہ آپ حضرات "رای العلیل علیل" کے پیش نظر صرف نظر نہ فرما کر اپنے وسعت ظرفی سے اسے لائق مطالعہ و قابل عمل سمجھتے ہوئے عزت افزائی فرمائیں گے۔ اور اس مثل سے تو آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ: "انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال"۔

آمدم برسر مطلب

حضرات ارباب اہتمام! اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے آپ کو بڑا عظیم منصب عطا فرمایا ہے، آپ کے تحت جو ادارہ (یا ادارے) ہیں، اور ان سے جتنی خیر پھیل رہی ہے: مثلاً کتنے طلباء حفظ کی تکمیل کررہے ہیں، کتنے قرأت وتجوید سے فارغ ہورہے ہیں، کتنے

نصاب تعلیم مکمل کر کے عالم بن رہے ہیں، کتنے افتاء ومختلف تخصصات کی سند لے رہے ہیں اور یہ حضرات بعد میں جہاں جہاں جا کر تعلیم و تدریس، امامت وخطابت اور تبلیغ و دعوت وغیرہ شعبہائے مختلفہ میں اشاعت علم اور دین اسلام کی عظیم الشان خدمات میں مشغول ہوں گے سب کا اجر (بشرطیکہ آپ نے اخلاص سے اپنی مفوضہ ذمہ داری نبھائی ہو) انشاء اللہ آپ کے نامۂ اعمال میں بھی ہوگا۔

جہاں آپ بڑے اجر کے مستحق بن سکتے ہیں، وہاں اس بات کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ آپ کی طرف سے ایسے افعال جن سے علماء واساتذہ کرام کی حق تلفی ہو، ان کی دل آزاری ہو، ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ میں کوتاہی ہو تو اس کا وبال بھی بہت سخت ہوسکتا ہے، اور حقوق العباد میں کمی کے باعث بڑے خطرہ کی بات ہے، اور بہت ڈرنے کا موقع ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں بڑی عزت وشاہی انداز سے زندگی گذاریں اور آخرت میں کف افسوس ملنا پڑے۔

اس مختصر مگر مفید تمہید کے بعد، جس امر کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ: اکثر مدارس میں اساتذۂ کرام کی تنخواہیں اس قدر قلیل ہیں کہ ایک عالم اس تنخواہ سے مہینہ کا خرچ کفایت کے ساتھ بھی پورا نہیں کرسکتا۔ اس پر کوئی بیماری یا خوشی وغمی کا موقع آجائے تو بیچارے کا جو حال ہوتا ہوگا وہ تو وہی جانتا ہے۔

اس سلسلہ میں راقم نے ایک مضمون لکھا تھا مناسب معلوم ہوا کہ آپ حضرات کی خدمت میں اس کی ایک کاپی ارسال کروں، امید کہ بار خاطر نہ ہوگا، بعد مطالعہ کوئی بات آپ کی شان میں نامناسب وسخت آگئی ہو تو دست بستہ معافی کا طالب ہوں، امید کہ معاف فرما کر ماجور ہوں گے۔

مرغوب احمد لاجپوری

اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کی سخت ضرورت

ایک بہت اہم امر جو قابل توجہ ہے: یہ کہ ارباب اہتمام اور مساجد و مدرسہ کے ارباب انتظام اساتذہ کی تنخواہوں کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائیں کہ اس زمانہ میں جس میں مہنگائی آسمان سے بات کررہی ہے، ایک عالم جو باعزت شمار کیا جاتا ہے، کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرسکتا، وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ زندگی کس طرح بسر کرے؟ حضرات مہتمم صاحبان کو بطور خاص اس کی طرف بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مساجد و مکاتب کے ذمہ دار حضرات کو بھی اس کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے، مگر اولا حضرات مہتمم صاحبان جو اکثر اہل علم کہے جاتے ہیں، وہ خود اس میں کوتاہی کریں تو غیر اہل علم کو کس طرح توجہ دلائی جائے؟

قوم کے پیسوں سے تنخواہ دینے میں بخل کیوں؟

تعجب کی بات ہے قوم کے پیسے ہیں، آپ تو صرف اس کے وکیل ہیں، قوم کے پیسوں سے قوم اور علم دین کے خدام کی خدمت کرنی ہے نہ کہ اپنے ذاتی اموال سے، پھر اس میں کوتاہی کیوں؟

بعض حضرات کہتے ہیں کہ: مدرسہ کی مد میں اتنا مال نہیں، عامۃً ارباب اہتمام کی نظر تعمیر پر مرکوز رہتی ہے، تعمیر میں خرچ اور خرچ بھی اسراف کے ساتھ، اس کے لئے لاکھوں نہیں کروڑوں روپے مل جاتے ہیں، جلسوں کے لئے نہ جانے کتنے پیسے بلا وجہ استعمال ہو رہے ہیں، بخاری کے ختم پر ہزاروں نہیں لاکھوں صرف ہورہے ہیں، مگر اساتذہ کی خدمت اور تنخواہ کا مسئلہ ہوتا ہے تو مدرسہ کا خزانہ خالی نظر آتا ہے، اس مد میں خرچ کے لئے مدرسہ مجبور ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں؟ ذرا انصاف سے اس دہرے پیمانے پر غور کیجئے۔

اساتذہ کی غربت کا حال

کتنے علماء و مدرسین اس تنخواہ سے اپنا مہینہ تو درکنار آدھا مہینہ بھی اچھی طرح سے گذار نہیں سکتے، عیاشی اور راحت کا سوال نہیں، دو وقت کی روٹی اور گوشت تک کے لئے مجبور ہیں، خدانخواستہ کوئی بیماری آگئی تو دوا کے لئے محتاج ہیں، بچے کی شادی بیاہ کے لئے پریشان ہیں، سواری تک کی سہولت سے محروم ہیں۔ ہاں مہتمم صاحب اعلی سواری کے مالک، لاکھوں کی گاڑیاں ہر وقت مہیا، اساتذہ مکان و رہائش کے محتاج، اور مہتمم صاحب مکان ہی نہیں قیمتی کوٹھیوں میں مزے اڑا رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اساتذہ کو سواری' مکان' اور روپے کی کوئی محتاجگی نہیں، لیکن ایسے حضرات کم ہی ہیں، جن کی ایک امیر طبقہ تحفہ و تحائف سے خدمت کرتا رہتا ہے اور کرتا ہے، کچھ ان میں وعظ و تقریر کی وجہ سے شہرت یافتہ ہیں، جنہیں بیرونی ممالک کے اسفار کی وجہ سے اور ملکی دوروں کی بنا پر تحائف میسر ہیں، مگر اکثر مخلص اساتذہ ان تمام دنیوی نعمتوں سے مالا مال نہیں، ان حضرات کے لئے ارباب اہتمام کو خصوصی طور توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ قوم میں بڑے با صلاحیت لوگ ہیں، اگر آپ حضرات نے ان اساتذۂ کرام کی خدمت میں اضافہ کر دیا تو انشاء اللہ' ادارے کو اور آپ کو بھی اللہ تعالی ضائع نہیں کریں گے۔

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا وظائف اور تنخواہ دینے کے بارے میں عمل

تاریخ پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرات خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اور بعد میں علم دوست سلاطین اسلام نے کس طرح علماء کی مالی خدمات کیں، اور انہیں کس طرح ناز و نعمت سے رکھا، اور کس طرح اپنی رعایا کے وظائف مقرر کر کے انہیں

مالی فکر سے بےفکر کر دیا۔ حضرات امہات المؤمنین کے وظائف کس قدر طے کئے، تاکہ ازواج مطہرات کو مالی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان حضرات نے رقمیں جمع نہیں رکھیں، بلکہ جو آیا رعیت پر خرچ کر دیا۔

عہد نبوت میں صیغۂ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا، بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی یہی انتظام رہا، چنانچہ انہوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد' غلام' مرد' عورت اور ادنی و اعلی کو بلا تفریق دس دس درہم عطا کئے، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے .... اخیری عمر میں ایک بیت المال تعمیر کرایا، لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا۔ اسی لئے بیت المال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک دفعہ کسی نے کہا: یا خلیفۂ رسول ﷺ! آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ فرمایا: اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے۔

خلیفۂ اول کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف' حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مقام سنح میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا، لوگوں نے کہا: ''خدا ابوبکر پر رحم کرے'' اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ: دو لاکھ دینار۔ (طبقات ابن سعد ق: ص ۱۵۱ ج ۳۔ سیر الصحابہ ص ۶۵ حصہ اول)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف دار الخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر کئے تھے، اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی۔ (سیر الصحابہ ص ۱۴۰ حصہ اول)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مخرمہ بن نوفل' جبیر بن مطعم' عقیل بن ابی طالب رضی اللہ

عنہم کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش وانصار کا ایک رجسٹر تیار کریں، جس میں ہر شخص کا نام ونسب تفصیل سے درج ہو، اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اوران کی بیوی بچوں کے گذارے کے لئے وظائف مقرر ہوئے۔

مہاجرین اورانصار کی بیویوں کی تنخواہ: ۲۰۰/ رسے: ۴۰۰/ درہم تک اوراہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی۔اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں کی جتنی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں۔اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔

کچھ دنوں کے بعداس نظام کوقریش وانصار سے وسعت دے کرتمام قبائل عرب میں عام کردیا، پورے ملک کی مردم شماری کی گئی، اور ہرایک عربی نسل کی علی قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی، یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لئے وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا........ہر سپاہی کوتنخواہ کے علاوہ کھانااور کپڑابھی ملتا تھا۔

تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ایک افسر دس سپاہیوں پر مقرر ہوتا تھا،ایک ایک افسر کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی،کوفہ اور بصرہ میں سوافسر تھے،جن کے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔حسن خدمت اور کارگزاری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں اضافہ بھی ہوتا رہتا تھا، چنانچہ زہرہ،عصمہ اورضبی وغیرہ نے قادسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا،اس صلہ میں ان کی تنخواہیں دوہزار سے اڑھائی ہزار کردی گئیں۔(سیر الصحابہ ص۱۴۳/۱۴۴/حصہ اول)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مراتب، ان کے احترام اور آرام وآسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ بارہ ہزار

مقرر کیں۔(سیر الصحابہ ص ۱۵۹/حصہ اول)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ کیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ رمضان میں امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو دو دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے،حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقرر کیا۔(سیر الصحابہ ص ۲۲۷ حصہ اول)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے دور خلافت میں باقاعدہ معلمین اور حفاظ اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔(سیر الصحابہ ص ۱۴۷ حصہ اول)

اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔تمام ممالک محروسہ میں فقہاء مقرر کئے تھے جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے،اور حسب بیان ابن جوزی رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فقہاء کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کی تھیں، اس سے پہلے فقہاء اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا۔(سیر الصحابہ ص ۱۴۹ حصہ اول)

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے،حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما اگر چہ اس گروہ میں نہ تھے،لیکن ان کی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں۔رسول اللہ ﷺ کے ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں،اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔(الفاروق ص ۴۲۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی تنخواہ جو آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے' اپنے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقرر کی،عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عذر کیا کہ: واللہ اسامہ (رضی اللہ عنہ)

کسی بات میں ہم سے فائق نہیں ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہاں! لیکن رسول اللہ ﷺ اسامہ (رضی اللہ عنہ) کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ (سیر الصحابہ ص ۱۵۱ حصہ اول)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں چھوٹے بچوں کو قرآن سکھانے کے لئے مکاتب قائم کیے، اور ان کے معلموں کے لئے پندرہ درہم ماہوار مقرر کیا۔

(سیرت عمر۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ص ۴۰۸۔ کنز العمال قدیم ص ۱۹۲ ج ۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ: عوام کی اولاد کو تعلیم دینے کے لئے معلم ضروری ہے، جو اجرت لے، ورنہ لوگ جاہل رہ جائیں گے۔

(تربیت الاولاد فی الاسلام۔ خیر القرون کی درسگاہیں۔ ذکر صالحین ص ۵۳۰ ج ۳)

ان تصریحات اور حوالوں سے معلوم ہوا کہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے کس طرح علماء وفقہاء اور مجاہدین اور اہل بیت وازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کی تنخواہیں اور عوام کے وظائف مقرر کئے تھے، اور بیت المال میں مال کے بڑھانے کا کوئی خیال تک نہ تھا۔ اور تنخواہوں میں مراتب کا خیال رکھا جاتا تھا۔

تنخواہ باعتبار صلاحیت وقابلیت کے ہو، نہ باعتبار اہل وعیال

یہاں بطور جملہ معترضہ کے اس بات کا اظہار بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ ایک مدرسہ کے متعلق سنا کہ وہاں تنخواہ کا معیار قابلیت وصلاحیت پر نہیں، بلکہ اہل وعیال کی تعداد پر ہے، بظاہر یہ نظریہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقسیم میں مراتب کا لحاظ کیا نہ کہ افراد کی تعداد کا، واللہ اعلم۔

تنخواہ کے بارے میں چند اکابر کے ارشادات

علماء نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ تنخواہ کم از کم ضرورت کی تکمیل کے لئے کافی

ہو اتنی تو دینی ہی چاہئے۔

''تحفۃ المدارس'' (ص ۲۹۴ ج ۱) میں ہے:

جب تک معلمین کے مشاہرات فی الجملہ فراغ بالی کی حد تک نہ ہوں اچھے معلم بھی ملنے دشوار ہیں، اور مل بھی جائیں تو طمانیت قلب و بشاشت سے کام انجام پانا دشوار ہے۔ میں نے ساؤتھ افریقہ میں دیکھا کہ وہاں کی حکومت نے معلموں، پروفیسروں کے گریڈ گورنروں اور وزراء کے طبقوں کے مساوی اور خاص شخصیتوں میں ان سے بھی بڑھا کر رکھے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ معلمین ہی کا طبقہ قوم کے دل و دماغ کے نشو ونما اور سدھارنے کا کفیل ہے، اگر وہ تنگی معاش کی وجہ سے ڈانوں ڈول رہے گا تو قومی تربیت اور قوم کے بچوں کا ذہنی نشو ونما کبھی بر جائے خود استوار نہیں ہوگا، جس سے پوری قوم کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لوگوں کو چاہئے کہ اماموں اور مؤذنوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیا کریں، اور ان کو عزت کے ساتھ رکھا کریں۔ افسوس کہ عوام نے علماء کو بھی ملانوں میں داخل کر لیا، اور وہ ان کو بھی پست ہمت اور لالچی، حریص سمجھتے ہیں۔ (التبلیغ ص ۵۸ ج ۱۰)

(ہائے افسوس اب تو علماء اور مہتمم حضرات بھی علماء کی قدر نہیں کرتے، بلکہ ان کو غلام کی طرح سمجھتے ہیں، اور تنخواہ میں جو معیار قائم کیا ہوا ہے، فالی اللہ المشتکی)

اگر ہمارے اندر دین کی عظمت و وقعت ہوتی تو حاملان قرآن کی مشقت کی قیمت بھی بڑی تجویز کرتے، لیکن ہم نے دین کی بے وقعتی کر رکھی ہے، اس لئے مؤذنوں اور معلموں اور اماموں کی یہ بے قدری کر رکھی ہے کہ ان کی تنخواہیں بہت قلیل مقرر کی جاتی ہیں۔

(التبلیغ ص ۵۸ ج ۱۰)

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ کتب دینیہ کی تعلیم پر گذارے کی ضرورت سے زائد اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا: جائز ہے، خصوصاً اس زمانہ میں، کیونکہ مباشرت اسباب قناعت اور اطمینان کے حصول کے سبب ہیں، اور طبیعتوں کے ضعف کی وجہ سے آج کل یہ قناعت اور اطمینان بڑی نعمت ہے۔ (حسن العزیز ص ۱۳۶ ج ۲)

زائد تنخواہ کی وجہ سے دوسری جگہ مدرس کا جانا

تنخواہ اس درجہ قلیل ہو جس میں تنگی اور کلفت سے گذر رہوتا ہو، یا گذر تو ہو جاتا ہے، مگر وہاں کوئی دوسری تکلیف ہے جیسے باہمی رقابت ایک دوسرے سے حسد، یا اس کے مثل کوئی اور کلفت ہو تو اس صورت میں دوسری جگہ جانا مذموم نہیں، کیونکہ اس کا مقصد زیادہ تنخواہ نہیں، بلکہ رفع تالم (تکلیف) مقصود ہے۔

یا دوسری جگہ تنخواہ زیادہ ہے اور وہاں دین کا کام بھی اس کے ہاتھ سے زیادہ ہوگا، اس صورت میں دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں، بلکہ مقصود یہ ہو کہ وہاں جا کر دین کا کام زیادہ کروں گا، خدا تعالی سے معاملہ ہے، اپنی نیت دیکھ کو خود فیصلہ کر لینا چاہئے۔

(التبلیغ ص ۵۸ ج ۱۰۔ تحفۃ العلماء ص ۱۱۹ ج ۱)

حضرت مولانا صدیق صاحب باندوی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک صاحب نے تحریر فرمایا کہ:

میں امام ہوں اور میری تنخواہ صرف دوسو روپئے ہیں، لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرنا ہے، کوئی انتظام فرمادیں، کہیں بات چیت لگادیں۔

حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

تنخواہ کم ہے، وہاں کے ذمہ دار حضرات سے آپ کہیں کہ تنخواہ میں اضافہ کریں۔ اس کے علاوہ اور ذریعہ آمدنی کیا ہے؟ رشتہ کے لئے دعاء کرتا ہوں۔ صدیق احمد

ایک صاحب نے لکھا کہ:

احقر کی تنخواہ کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے، تو احقر کی تنخواہ: ۷۵۰/ ہے، بس اسی پر سارا مدار ہے، کوئی اور ذریعۂ معاش نہیں۔ جو غلطی ہو تو معاف فرمائیں، کچھ نصیحت فرمائیں۔

حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

دعا کرتا ہوں اللہ پاک فضل فرمائے۔ تنخواہ واقعی کم ہے، آپ وہاں سے دوسری جگہ بھی جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جاسکتے ہوں تو اس کا انتظام کیا جائے، کتنی تنخواہ ہو، یہ بھی تحریر فرمائیں۔ صدیق احمد

ایک اور صاحب کو تحریر فرمایا:

مدرسہ کے اراکین سے آپ درخواست کریں کہ اتنی تنخواہ پر کس طرح گذر ہوگا؟ ان کو پہلے آگاہ کر دیجئے کہ اگر اضافہ نہ ہو سکے گا تو میں دوسری جگہ جا کر کام کروں گا۔

صدیق احمد

(تحفۂ مدارس از ص ۱۸۹/ تا ۱۹۰)

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ کا فتوی

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

خادمان مساجد (امام وغیرہ) و مدارس کو ان کی حاجت، علمی قابلیت اور تقوی وصلاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشاہرہ دینا چاہئے، مسجد سے متعلق وقف کی آمدنی میں گنجائش ہو تو اس

میں سے، اور اگر گنجائش نہ تو مسلمانوں سے چندہ کر کے ان کی ضرورت کے مطابق مشاہرہ کا انتظام کرنا چاہئے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۶ ج ۸)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

صورت مسئولہ میں جب کہ مسجد کی آمدنی کافی ہے اور امام وخطیب صاحب ماشاء اللہ مدت سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، جمعہ کے دن بیان بھی کرتے ہیں، نیک اور متقی بھی ہیں، اور صاحب عیال بھی ہیں، تو مسجد کے متولیوں پر لازم ہے کہ ان کی تنخواہ میں گرانی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اضافہ کریں، مسجد کی آمدنی ہونے کے باوجود امام صاحب کے گھریلو اخراجات کے مطابق تنخواہ نہ دینا ظلم ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ص ۲۲۵ ج ۹)

مدارس کی آمدنی بھی سال کی لاکھوں ہیں، اکثر مدارس کا دنیا بھر میں چندہ ہوتا ہے۔ اور ہر سال لاکھوں تعمیرات میں لگتے ہیں (اور بعض مرتبہ بلا ضرورت تعمیرات میں خرچ کیا جاتا ہے) تو پھر اساتذہ کی تنخواہ میں بقدر ضرورت بھی خرچ نہ کرنا فتوی مذکور کے مطابق ظلم ہے،

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم کا فتوی

حضرۃ الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

جب ایک شخص تمام امور سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو امامت اور تدریس قرآن و فقہ میں مشغول کئے ہوئے ہیں تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ اس کی ضروریات زندگی کی کفالت کریں، اور کم از کم اس کو اتنی تنخواہ دیں کہ جس سے اس کی ذات اور اس کے اہل و عیال (جن کا نفقہ اس پر واجب ہے) کا گذران ہو سکے۔ (محمود الفتاوی ص ۵۹۹ ج ۴)

حضرت مولانا عبد الحئی صاحب کفلیتوی رحمہ اللہ کا ارشاد

یہاں کے مدارس کی آمد خداوند کریم کی عنایت سے اکثر مدارس اسلامیہ سے بہت اچھی

ہے، تاہم یہاں کے مدرسین کو اس قدر قلیل مشاہرہ دیا جاتا ہے کہ ان کے اخراجات کے لئے وہ کافی نہیں ہوسکتا، اس لئے یہاں کے مدرسین کو غم معاش ہر وقت اس قدر دامن گیر رہتا ہے کہ بیچارے دل کھول کر مدرسہ کی ترقی نہیں کر سکتے ہیں۔

(سوانح علوم اسلامیہ ص۴۳، جدید (۳۷ قدیم)

جامعہ علوم القرآن جمبوسر اوران کے ذمہ دار حضرات مبارکبادی کے مستحق

جامعہ علوم القرآن جمبوسر اوران کے ذمہ دار حضرات مبارکبادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اساتذہ کی تنخواہوں میں قابل قدر اضافہ فرما کر علماء کرام اور حضرات مدرسین کی قدردانی کا ثبوت دیا، اللہ کرے دوسرے مدارس کے ارباب اہتمام واہل شوری بھی ان کی اقتدا کر کے وسعت ظرفی اور علم اوراہل علم کی قدردانی کا ثبوت دیں۔

اتنی بھی کم نہ دے کہ مری شب بسر نہ ہو

حضرات ارباب اہتمام واہل شوری سے آخر میں مکرر مؤدبانہ درخواست ہے کہ جس توکل پر آج کے مدارس چل رہے ہیں اور ہر مدرسہ کی رپورٹ پر لکھا ہوا نظر آتا ہے کہ ہمارے مدرسہ کا ذریعہ توکل اوراہل خیر کے عطایا پر ہے، تو تنخواہ میں اضافہ کا مسئلہ بھی توکل اوراہل خیر کے عطایا پر چھوڑ دیجئے، جو مالک سارے اخراجات کا انتظام فرمارہا ہے وہ انشاء اللہ تنخواہ کے اضافے میں بھی ضرور کوئی راستہ نکال دے گا۔ آپ حضرات اپنی طرف سے حضرات اساتذہ وملازمین مدرسہ کو اس طرح شکایت کا موقع فراہم نہ کریں کہ ؂

ساقی میں اپنے بخت پہ قانع تو ہوں مگر اتنی بھی کم نہ دے کہ مری شب بسر نہ ہو

نوٹ:...... بعض مہتمم حضرات ہی اس تحریر کے مصداق ہیں۔ میرے اکابر اوراصحاب نسبت بزرگوں اور لائق حضرات مہتمم کی شخصیات اس سے مستثنی ہیں۔ مرغوب احمد لاجپوری

تنخواہ کی زیادتی کی درخواست دینا سنت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے

ہمارے معاشرہ میں دین کے خدام کی تنخواہ اتنی قلیل ہے کہ کفایت کے ساتھ بھی گذارہ مشکل ہے، اس مشکلی کی وجہ سے اگر کوئی استاذ تنخواہ میں زیادتی کا مطالبہ کرے تو اس پر ملامت کی جاتی ہے، حالانکہ یہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

''عن میمون بن مهران قال : لما استخلف ابو بكر جعلوا له ألفين فقال : زيدوني ' فان لي عيالا وقد شغلتموني عن التجارة فزادوه خمس مائة۔

(كنز العمال ، الخلافة مع الامارة ، خلافة ابی بكر الصديق رضی الله عنه ، رقم الحديث:۱۴۰۶۸)

ترجمہ:...... حضرت میمون بن مہران سے مروی ہے کہ: جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کے اصحاب نے ان کے لئے دو ہزار (درہم) مقرر کئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ زیادہ کرو، کیونکہ میرے اہل وعیال ہیں اور تم نے مجھے تجارت سے روک دیا ہے، چنانچہ انہوں نے پانچ سو درہم بڑھادیئے۔